پیشکش www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کی داستان، جسے اپنی تلاش تھی اور دُنیا کے سرکردہ لوگ اس کی تلاش میں تھے۔

وہ خود کیا تھا..... خوبصورتی کا پیکر..... یا..... تباہی کی علامت

اپالو

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی

حصہ دوم

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

PDFBOOKSFREE.PK

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

اپنی تلاش میں سرگرداں تباہی و بربادی اور حسن و عشق کے دیوتا کی داستانِ عجیب

اپالو

(دوسرا حصہ)

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی

علی میاں پبلی کیشنز
20-عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 042-37247414

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی تخلص: صابر

پیدائش: دسمبر 1967ء ضلع مظفر گڑھ پنجاب

تعلیم: بی ایس سی' ڈی۔ایچ۔ایم۔ایس' ڈی۔ٹی۔ایس (آرتھوڈونٹکس)

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی بنیادی طور پر نثر نگار ہیں' انہوں نے لکھنے کا آغاز اسکول کے زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ ابتداء میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھیں جو بچوں کے مختلف رسائل میں شائع ہوئیں۔ کالج میں پہنچنے سے قبل ہی کراچی کے مختلف ڈائجسٹوں میں ان کی کہانیاں شائع ہونے لگیں' ان کے والد کا تعلق بھی صحافت سے تھا۔ جو اپنے وقت کے مقبول اخبار روزنامہ مساوات لفت روزہ صحافت' روزنامہ تلوار وغیرہ سے منسلک رہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کو رہنمائی اپنے گھر سے ہی ملی۔ وہ طبعزاد کہانیاں لکھنے کے ساتھ ساتھ تراجم بھی کرنے لگے۔

ایک معروف ادارے کے فلمی رسالے سے وابستہ ہو کر صحافتی زندگی کی ابتدا کی' فطری طور پر شاعر ہونے کی وجہ سے اکثر ادبی محفلوں میں شرکت کرنے لگے اور یوں اچھا خاصا کلام جمع ہو گیا اور ''گوشۂ قلب'' وجود میں آیا۔ کئی طویل کہانیاں تخلیق کر چکے ہیں' جن میں سے ''سوچ نگر کا مسافر'' اور ''تیاگی'' کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کئی ناول کتابی شکل میں آ چکے ہیں' کچھ تیاری کے مراحل میں ہیں۔ نوجوانوں کے لیے نفسیاتی مسائل اور ان کی رہنمائی پر بھی چند کتب تحریر کر چکے ہیں۔ اُردو الفاظ کی تحقیق سے متعلق ''لفظوں کا دلچسپ سفر'' کتابی شکل میں موجود ہے اور ''نوبل انعام یافتگان..... ادیب و سائنس داں'' اور ان کے ادبی افسانوں کا مجموعہ ''آبگینہ'' کے نام سے بہت جلد شائع ہو رہے ہیں۔

کئی ملکی اور بین الاقوامی رسائل کی ادارت کے فرائض انجام دے چکے ہیں' جن میں پندرہ روزہ اخبار اقوام' پندرہ روزہ شرف' روزنامہ امت' ماہنامہ رابطہ' ماہنامہ عمران ڈائجسٹ وغیرہ شامل ہیں۔ ان دنوں ایک معروف اشاعتی ادارے سے منسلک ہیں۔

انہوں نے خود بھی ادبی ہفت روزہ ''قلمکار'' ماہنامہ ''بچے'' پندرہ روزہ ''شائننگ اسٹار'' کا اجرا کیا اور کامیابی حاصل کی۔ شعبۂ درس و تدریس سے بھی وابستہ رہے۔ آج کل بچوں کے لیے تدریسی کتب پر کام کر رہے ہیں۔ جن میں اُردو اور اسلامیات شامل ہے۔

ان کی تحریروں اور کلام میں جہاں رومان ہے' وہیں معاشی اور معاشرتی زندگی کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ ان کے ذہن اور وجود میں ایک بے چینی ہے' جس کا اظہار وہ اپنی تحریروں کے ذریعے کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنا کافی وقت معروف ادباء و شعراء کی محفلوں میں گزارا ہے اور اکثر اپنا وقت مطالعے میں گزارتے ہیں' وہ کہتے ہیں: ''طلسم ہوش رُبا اور گلستاں و بوستاں کے مطالعے کے بعد مجھ میں لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی تھی۔'' یہ حقیقت ہے اور اس کا اظہار ان کی تحریروں سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی حساس اور فکر انگیز طبیعت کے مالک ہیں' اس کا اندازہ ان کے اشعار سے بھی ہوتا ہے۔

کچھ لوگ زمانے میں ایسے بھی تو ہوتے ہیں
محفل میں جو ہنستے ہیں' تنہائی میں روتے ہیں
یہ درد کے ٹکڑے ہیں اشعار نہیں صابر
ہم کانچ کے دھاگوں میں زخموں کو پروتے ہیں

جولوگ کیبن میں آئے تھے وہ کچھ دیر تک تو مختلف النوع تبصرے کرتے رہے اور پھر نائب کپتان کی ہدائت پر کیبن سے چلے گئے۔ان کے پیچھے پیچھے نائب کپتان بھی چلا گیا تھا۔

میں حرکت تو ذرا بھی نہیں کرسکتا تھا لیکن میرے ذہن کے دروازے کھلے ہوئے تھے جن کی راہ سے خیالات کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ گزرے ہوئے محیرالعقول واقعات قطار در قطار چلے آرہے تھے۔میں عجیب عجیب مشکلات سے صاف بچ نکلا تھا مگر جب منحوس کیپٹ سے میرا سامنا ہوتا تو میں اس کی ایک معمولی چال کا شکار ہوگیا۔اگر میں نے ششما کے معاملے میں اپنے جذبات کو قابو میں رکھا ہوتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔

مجھے یاد آیا جب میں ششما سے ملا تھا تو میرے تصور میں ابھرنے والا وہ نسوانی چہرہ جو میرے جذبات کو سوا دیتا تھا بہت بجھا بجھا سا تھا۔حزن و ملال کی سی کیفیت تھی چہرے پر! بالکل یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کو فرشتہ اجل کی وہ پرچھائیں نظر آگئی ہو جو میرے سر پر منڈلا رہی تھی۔یہ میرے لیے حیرت انگیز بات تھی کہ وہ چہرہ میرے ناگہانی انجام سے باخبر ہونے کے باعث اس طرح دکھی ہوگیا تھا جیسے وہ کوئی خیالی وجود نہ ہو۔جیسے وہ کسی جیتی جاگتی ہستی کی تصور ہو جو میرے ذہن پر یوں مرتسم ہوئی تھی کہ میں لاکھ سر جھٹکوں مگر نکل نہ سکے۔بھولنا چاہوں تو بھول نہ سکوں۔

آخر وہ کون تھی؟.....میرا ذہن اس کے اسرار میں الجھا رہا۔میں نے قیاس کیا کہ شاید وہ میری گمشدہ شخصیت سے کوئی وابستگی رکھتی ہو لیکن اس کا میں اندازہ بھی نہیں لگا سکا کہ وہ وابستگی کس قسم کی ہوگی! اب جبکہ میں مر چکا تھا تو اس بات کے امکانات بھی باقی نہیں رہے تھے کہ میں کبھی اپنی شخصیت پر تنے ہوئے اسرار کے پردے چاک کرسکوں گا۔

اس نسوانی اور بظاہر خیالی چہرے کے بارے میں سوچتے سوچتے مجھے ششما کا خیال آیا۔سانولی سلونی لڑکی! اس کے ساتھ گزرے ہوئے زندگی کے آخری لمحات کتنے حسین تھے!.....وہ سب کچھ یاد کرکے میرا دل جیسے تڑپ اٹھا.....مگر نہیں.....دل کی تڑپ تو حرکت کی طرف اشارہ کرتی ہے جبکہ میرا دل ساکن تھا۔حرکت کی قوت سے یکسر محروم.....دل کے تڑپنے کا احساس ایک ذہنی عکس تھا۔غالباً میرے ذہن کے کچھ اندرونی گوشے ابھی مردہ نہیں ہوئے تھے۔یہ بھی ممکن ہے کہ موت، ذہن کے ان حصوں پر اثر انداز ہی نہ ہوتی ہو انسان مرکر بھی اپنے احساسات کی دنیا میں زندہ رہتا ہو۔جسمانی تکلیف نہ ہوتی ہو مگر ذہن دکھ سکھ کے تاثرات قبول کرلیتا ہو' مجھے وہ جملہ یاد آیا جو میں نے اکثر لوگوں کو کسی بات پر کہتے سنا تھا کہ مرنے والے کو تکلیف ہوگی میں ایسے جملوں پر ہمیشہ ہنس پڑتا تھا مگر اب؟.....اب مجھے اپنے اس ہنسنے پر ہنسی آرہی تھی۔

اچانک میرا دل ایک عجیب سی مسرت آمیز کیفیت سے دھڑک اُٹھا (ذہنی طور پر) مجھے خیال آیا تھا کہ اب مجھ پر وہ اسرار منکشف ہوں گے جن کے بارے میں ہر زندہ انسان کبھی نہ کبھی سوچتا ضرور ہے۔

موت کے بعد کیا ہوگا.....؟

مجھے اس سلسلے میں مختلف مذاہب اور مختلف فلسفیوں کے نظریات یاد آئے اور میں نے سوچا' اب بہت جلد مجھے علم ہو جائے گا کہ کون سا نظریہ واقعی درست تھا۔ اس سلسلے میں حقیقت کے دروازے مجھ پر کھلنے ہی والے تھے لیکن میں اپنی یہ معلومات ان لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا تھا جن کے لیے یہ حقیقت کسی اہمیت کی حامل ہو سکتی تھی۔ میں بھی اس لمحے اتنا ہی بے بس تھا جتنا مجھ سے پہلے مرنے والے رہے ہوں گے آخر انہیں بھی تو ساری حقیقت کا علم ہوا ہو گا مگر وہ..... ان میں سے کوئی ایک بھی..... اپنی معلومات زندہ رہنے والوں تک نہیں پہنچا سکا تھا۔

مجھے ایک بار پھر ششما کا خیال آیا کیسی بھولی لڑکی تھی۔ خاموشی سے اپنے باپ کی خواہش کے آگے سر جھکا کر چپ چپاتے موت کو گلے لگا بیٹھی۔ میں نے غور کیا مگر فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ ششما کی انتہائی فرمانبرداری کا جذبہ تھا یا میری قربت حاصل کرنے کی بے پناہ خواہش جس نے اس کے دل سے موت تک کا خوف دور کر دیا تھا۔

اور پھر پاتھا کا خیال آیا..... ایک باپ جس نے اپنے دوست کی خاطر اپنی اکلوتی اولاد کو قربان کر دیا تھا مگر شاید کیشپ اس کا صرف دوست ہی نہ ہو کچھ اور بھی ہو۔

مذہبی پیشوا.....! انتہا کے مذہبی جذبات انسان کو اندھا کر دیتے ہیں۔ تاریخ میں ایسی کتنی ہی مثالیں موجود ہیں جب مذہب پر انسان نے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
PVL
Pakistan Virtual Library
www.pdfbooksfree.pk

یہ بھی عین ممکن تھا کہ پاتھا اپنی مرضی سے کچھ نہ کر رہا ہو۔ وہ کیشپ کی پراسرار قوتوں کے زیر اثر محض ایک کٹھ پتلی بن کر رہ گیا ہو۔ مگر یہ آخری توضیح کچھ دل کو نہ بھائی۔ میں نے پاتھا کو دیکھا تھا۔ کیشپ کے ساتھ بھی دیکھا تھا۔ اس کے رکھ رکھاؤ میں اطمینان کا جذبہ تھا۔ کٹھ پتلیوں کی سی مشینی حرکت نہیں تھی۔ وہ ایک اسمگلر تھا اس لیے امکانات اس بات کے تھے کہ وہ مذہبی دیوانہ نہ ہو تو پھر ہوشمند ہوتے ہوئے اس نے اپنی اکلوتی اولاد کو کس طرح اپنے قابل احترام دوست کو خواہش پر یوں قربان کر دیا۔ کیا اسے اپنی بیٹی سے محبت نہیں تھی؟

پہلی بار میرے ذہن میں ششما کی موت کے بارے میں شکوک و شبہات نے جنم لیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی موت محض ایک ڈراما رہی ہو۔؟

مجھے ششما کی آخری حالت یاد آئی۔ اس کے آخری الفاظ کانوں میں گونجے..... نہیں' وہ ہرگز جھوٹ نہیں ہو سکتے تھے۔ ششما جیسی بھولی لڑکی اتنا کامیاب ڈراما نہیں کھیل سکتی تھی کہ مجھ جیسا تجربہ کار آدمی دھوکہ کھا جائے۔

یہ پہلی بار مجھے خیال آیا کہ شاید..... میں ابھی مرا نہیں ہوں۔ یہ ممکن تھا کہ ششما کے جسم پر ملا ہوا زہر اثر انداز ہو کر جسم کو بے حس بنا دیتا ہو۔ حرکت کرنے کی قوت سلب ہو جاتی ہو مگر موت واقع نہ ہوتی ہو۔ اگر میرا یہ خیال درست تھا تو پھر بظاہر ہر مردہ جسم کو حرکت کے قابل بنانے کے لیے یقیناً زہر کا کوئی نہ کوئی توڑ بھی رہا ہوگا۔

پہلی بار میرا یہ خیال محض دل کو تسلی دینے کے لیے ایک اچھوتا خیال نظر آیا مگر جوں جوں میں نے اس سلسلے میں ذہن پر زور دیا۔ یہ خیال ذہن میں جڑ پکڑتا چلا گیا کہ میں مرا ہرگز نہ تھا۔ میں کسی عجیب و غریب زہر کے استعمال سے بے بس ہو چکا تھا مگر میری یہ حالت عارضی ہو سکتی تھی۔ زہر کا تریاق استعمال کرنے پر میں ایک بار پھر تندرست ہو سکتا تھا۔

لیکن یہ خیال کہ شاید میں ابھی مرا نہیں ہوں کچھ زیادہ فرحت کا باعث نہیں ہوا۔ کیونکہ بے بسی کی موجودہ حالت میں' میں زہر کا تریاق کس طرح سے استعمال کرتا۔ میں اگر ابھی موت کے چنگل سے بچا ہوا تھا تو کیا ہوا۔ کیشپ بھی تو زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ جو مجھے یوں بے بس کر سکتا تھا یقیناً مار بھی سکتا تھا اور اب تو غالباً مجھے مارنے کے لیے اسے کچھ کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ محض تریاق کا استعمال ہونے دینا ہی میری یقینی موت کا باعث ہو سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ موجودہ حالت میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکوں گا اور ایک مدت گزرنے کے بعد یقیناً تریاق بھی بے اثر ثابت ہوگا۔

میں نہ جانے اور کیا کیا سوچتا مگر اسی وقت کیبن کا دروازہ کھول کر دو تین افراد آ گئے۔ ان میں سے ایک نے جھک کر مجھے دیکھا تو میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ وہ جہاز کا کپتان تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے آدمی شاید خلاصی رہے ہوں گے کیونکہ اس نے انہیں اسی انداز میں حکم دینے شروع کر دیے تھے جیسے نچلے درجے کے ملازمین کو دیے جاتے ہیں۔ اس نے انہیں حکم دیا کہ وہ مجھے اُٹھا کر میرے کیبن میں لے جائیں۔ اس نے بلونت اور سلویا کی لاشوں کو نہ چھیڑنے کی ہدایت بھی دی تھیں۔ خلاصیوں نے اس کے حکم کے مطابق مجھے اُٹھایا۔ اور میرے کیبن کی طرف لے چلے۔ مجھے یقین تھا کہ میرے کیبن کا دروازہ کھولتے ہی وہ لوگ بڑے زور سے چونکیں گے کیونکہ وہاں میرے بجائے

پر انہیں ششما کی لاش نظر آئے گی۔ مگر میرا خیال غلط نکلا اور جب انہوں نے بیدردی سے میری ''لاش'' میرے بنکر پر اچھال دی تو میں حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ ششما کی لاش وہاں نہیں تھی۔ یقیناً اسے پہلے ہی وہاں سے ہٹا لیا گیا تھا۔ یا تو یہ حرکت پاتھا اور کیشپ کی تھی یا پھر جہاز کا کپتان بھی کیشپ سے ملا ہوا تھا۔

میرا دوسرا خیال ہی درست نکلا۔

ذرا دیر بعد کپتان دو اور آدمیوں کے ساتھ میرے کیبن میں آیا۔ ان کی باتوں سے مجھے فوراً اندازہ ہو گیا کہ اس بار کپتان کے ساتھی کون لوگ تھے۔ ایک کیشپ تھا اور دوسرا پاتھا۔ کیشپ نے مجھے ہلا جلا کر دیکھا اور جب وہ مجھ پر جھکا ہوا میرے جسم کا جائزہ لے رہا تھا تو مجھے اس کی منحوس شکل نظر آئی تھی جھریوں والے بوڑھے چہرے پر طمانیت اور فتح مندی کی کیفیت دیکھ کر میرا دل چاہا کہ میں ہاتھ اُٹھا کر اس کا منہ نوچ لوں مگر یہ خیال میرے ذہن میں گھٹ کر رہ گیا۔ میرا جسم مفلوج اور حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ میں نے بلا کی بے بسی محسوس کی اور جیسے خون کے آنسو رو کر رہ گیا۔

اپالو.....!

جو دوسروں کو بے بس کرتا تھا۔ خود بے بس ہو گیا تھا۔.....!

تباہی و بربادی کا مجسمہ.....خود تباہی کے کتنے نزدیک پہنچ چکا تھا۔!!!

''برابر کے کیبن میں جو لاشیں پڑی ہیں' ان کے بارے میں کیا ہدایات ہیں؟'' جہاز کا کپتان شاید کیشپ سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا لہجہ مودبانہ تھا۔

''تمہارے جہاز پر جتنے بااثر افراد سفر کر رہے ہوں ان کو دکھا کر ان کی لاشیں اٹھوا لو۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ اس خیال کو ہوا دیں کہ مرنے والے چوری چھپے رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ لڑکی کے عاشق نے دیکھا تو غصے میں دونوں کو مار دیا اور خود پکڑے جانے کے خوف سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔''

''مگر عاشق کے طور پر کس کا نام لیا جائے گا۔؟'' کپتان نے پوچھا۔

''اس کا..... یہ ان دونوں کے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا اور لڑکی اس کی محبوبہ تھی۔ جہاز کے مسافروں نے یقیناً انہیں بے تکلفی سے باتیں کرتے دیکھا ہوگا۔''

''ہاں.....مگر میرے آدمیوں کی بے وقوفی سے ایک ڈاکٹر اور ایک مسافر ان صاحب کو اس حالت میں دیکھ چکے ہیں۔''

کپتان نے معذرت خواہی کے انداز میں کہا

''کوئی بات نہیں.....تم ان لوگوں کو میرے پاس بھیج دینا سب ٹھیک کر لوں گا۔ بلکہ یہ بہتر رہے گا کہ وہ لوگ خود ہی گواہی دیں کہ انہوں نے اس کو اپنے ساتھیوں پر حملہ کرتے دیکھا اور پھر وہ جہاز سے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہوا بھی نظر آیا.....''

''اگر ایسا ہو جائے گا تو..... پھر کوئی مسئلہ نہیں.....''

کپتان نے کہا..... پھر کچھ خیال آیا تو اس نے اضافہ کیا ''مگر اس کا کیا ہوگا؟'' کیا اسے بھی ٹھکانے لگانا ہے۔ میرے خیال سے سمندر۔''

مگر کیپٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تم اس کی فکر نہ کرو میں اس کا کچھ نہ کچھ انتظام کر ہی لوں گا۔ جاؤ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی تکمیل کے انتظامات کرو۔''

کپتان چپ چاپ رخصت ہولیا۔ میں نے اس کے قدموں کی آواز سنی، کیبن کا دروازہ کھلا اور بند ہوگیا۔ چند لمحے کیبن میں خاموشی رہی شاید کیپٹ اور پاتھا اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔ میں بیتابی سے ان کے بولنے کا منتظر تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرے بارے میں کوئی نہ کوئی کام کی بات ضرور کہیں گے۔

پاتھا نے خاموشی توڑی ''مقدس بابا..... آپ کی خواہش پوری ہوگئی۔ آپ کا دشمن فنا ہوگیا۔ اب آپ کا ارادہ کیا ہے۔ کیا اب بھی سیلون تک جانا ضروری ہے۔؟''

ایک لمحے بعد کیپٹ نے کہا۔ ''نہیں..... ہم سیلون نہیں جائیں گے لیکن آئندہ کے لیے ابھی میں نے کچھ سوچا نہیں۔ میں اس بدبخت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے اس کو بڑی محنت سے پالا پوسا تھا۔ مگر اس نے میری تباہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور آج.....!'' کیپٹ نے ایک لمبی سانس لی تھی اور جملہ ادھورا چھوڑ کر ہی خاموش ہوگیا تھا۔

پاتھا نے جیسے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ''لیکن..... آخر یہ کون ہے۔؟''

کمرے میں بڑی بوجھل سی خاموشی چھا گئی۔ اگر میرا دل حرکت کرسکتا تو یقیناً بڑے زور سے دھڑک اُٹھتا۔ ذہنی شور پر، شدید جوش کی ایک اضطراب آمیز کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی تھی۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ بڈھا کیپٹ پاتھا کو اس کے سوال کا جواب ضرور دے گا اور اس کا جواب میری ذہنی الجھنوں کا حتمی حل ثابت ہوسکتا تھا۔

بڈھے نے کہا۔ ''تم اسے میرا بیٹا کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ میں نے اسے بیٹوں کی طرح پالا اور وہ تربیت دی جو کوئی باپ اپنے بیٹے کو نہیں دے سکتا۔ میں نے اسے اپنے سے کچھ زیادہ قوتیں بخشیں۔ مگر..... مگر میں جو چاہتا تھا وہ نہیں ہوا۔ اس کی بدبختی نے اسے سرکشی کی راہ سجھائی اور آج..... آج یہ کتنا بے بس میرے قدموں پر پڑا ہے۔ میں اسے یوں چٹکی مسلتے ختم کرسکتا ہوں۔ میرا ارادہ بھی یہی تھا مگر اب.....!''

ایک بار پھر بڈھا کیپٹ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوگیا تھا۔ میرے ذہن میں جیسے طوفان جنم لے رہے تھے۔ بڈھے کیپٹ نے جو کچھ کہا تھا وہ اگرچہ میری شخصیت پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا تھا مگر..... اس کی باتیں پھر بھی میرے لیے حیرت کا باعث تھیں۔ اب یہ کوئی کم حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ بڈھا کیپٹ مجھے بیٹوں کی طرح پالے، مجھے وہ تربیت دے جس پر میں فخر کرسکتا ہوں اور پھر مجھے یوں اپنے

ہاتھوں سے مار ڈالے۔ آخر وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا کہ میں نے اس کا کہنا نہیں مانا اور سرکش ہو کر اسی سے ٹکرا گیا۔ آخر وہ کون سی بات تھی جو باپ بیٹوں کے درمیان یوں آڑے آئی کہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ دشمن بھی کیسے..... جانی دشمن۔!!!

بڈھا ایک مرتبہ پھر بولا'' میں آج بھی یہی چاہتا ہوں کہ کسی طرح یہ میری بات مان لے اسے مارنے کا ارادہ مجبوری کا تقاضا تھا۔ ورنہ میری کوشش یہی تھی کہ کسی طرح یہ سرکشی چھوڑ کر میرا تابعدار ہو جائے۔ کلدیب کور کو اغوا کرنے کا مقصد یہی تھا کہ اس طرح میں اس پر دباؤ ڈال کر اسے اپنی بات منوانے پر مجبور کر دوں گا۔ مگر اس کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ اور اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ آج یہ میرے قدموں پر یوں بے بس پڑا ہے تو..... نئے سرے سے امید بندھی ہے کہ شاید..... شاید میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو ہی جاؤں۔''

بڈھا کیشپ خاموش ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اب کچھ اور نہ کہے گا۔ پاتھا بھی خاموش رہا۔ میں بے چین ہو گیا۔ میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ گفتگو کا سلسلہ اس موقع پر نہ ٹوٹے اور پاتھا بڈھے سے پوچھے کہ اب وہ کس طرح اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ کیا وہ کسی طرح میری بے بسی سے فائدہ اُٹھانے کی سوچ رہا تھا؟ کیا وہ کسی طرح مجھے استعمال کر سکتا تھا؟ مجھے' جو یوں بے بس پڑا تھا جیسے لکڑی کا ایک وزنی شہتیر.....!

''اوہ پاتھا..... پاتھا.....'' میری شدید خواہش نے جیسے الفاظ کا جامہ پہن لیا۔'' بڈھے سے پوچھو۔ کیسے؟ کیسے؟''

پتا نہیں یہ اتفاق تھا یا میری خواہش کسی طرح پاتھا کو متاثر کر گئی تھی کہ وہ یکلخت بول اُٹھا کیسے؟

پاتھا کی آواز میں خفیف سی مگر غیر فطری لرزش تھی۔ بڈھے کیشپ نے بھی شاید اسے محسوس کیا ہو گا کیونکہ اس نے چونک پڑنے کے انداز میں سوال کیا۔'' کیوں..... تم کیوں پوچھتے ہو.....؟''

پاتھا سے کوئی جواب نہیں بن پڑا ہو گا کیونکہ اس کے منہ سے کچھ بے ہنگم سی بے معنی آوازیں نکلیں پھر وہ خاموش ہو گیا۔ کیشپ نے ایک لمحے کچھ سوچا پھر بولا۔'' یہ میرے رحم و کرم پر ہے۔ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ میں اس کے ذہن کو اس کی مرضی کے خلاف رام کر لوں۔''

''مگر کیسے؟'' میں نے ایک بار پھر جیسے اپنی خواہش کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔

فوراً ہی پاتھا نے کہا۔'' مگر کیسے۔؟''

''زہریلی دواؤں کے استعمال سے ذہن کو اس حد تک بیکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنا اچھا برا نہ سوچ سکے۔ اور ایک بار ایسا ہو گیا تو ارسلان سرکشی کے قابل ہی نہ رہے گا پھر میں اس سے من مانی کرا سکوں گا۔ پھر وہ ہو سکے گا جس کے لیے میں نے اس پر اتنا ریاض کیا تھا۔''

کیشپ خاموش ہو گیا پاتھا بھی خاموش رہا۔ میں بھی سناٹے میں آ گیا تھا اس لیے سلسلہ گفتگو ٹوٹ گیا۔

مجھے کیشپ کی باتوں سے اس بات کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا مگر اس کی اسکیم سن کر میرا سناٹے میں آ جانا فطری امر تھا۔ میرا ذہن یادداشت کھو بیٹھنے کی بنا پر پہلے ہی ناکارہ ہو رہا تھا اور اب کیشپ میرے ذہن کو زہریلی دواؤں کے ذریعے

مستقل ناکارہ بنانے کی سوچ رہا تھا فکر اور تشویش قدرتی بات تھی۔

موت سے بھی زیادہ سخت سزا میرے لیے تجویز ہو رہی تھی اور میں یوں بے بس پڑا ہوا تھا۔ اپنے بچاؤ کے لیے ایک انگلی بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ بڈھے کیپٹ نے جو شیطانی منصوبہ بنایا تھا اس پر وہ بآسانی عمل کر سکتا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس شیطان نما شخص کو ایسی زہریلی جڑی بوٹیوں کا علم ہوگا جو اس کے شکار کے ذہن کو مستقل ناکارہ بنا سکتیں آخر اسی کے دیے ہوئے ایک زہر نے مجھے بے بسی کی انتہائی منزل تک پہنچایا تھا۔ یہ زہر ہی کی کرشمہ سازی تھی کہ کیپٹ میرے پاس موجود تھا اور میں اس پر انگلی بھی نہیں اُٹھا سکتا تھا۔

اگر رو سکتا تو یقیناً میں اپنی بے بسی پر رو پڑتا۔ مگر نہیں میں صرف رونے کے بارے میں سوچ سکتا تھا۔ رو نہیں سکتا تھا۔ میری انا، مجھے اس حرکت کی اجازت دے ہی نہیں سکتی تھی۔ میں جو ایک دیوتا کے نام سے منسوب کر دیا گیا تھا' ہرگز کمزوری کے اس انتہائی مظاہرے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ رونا مردوں کا شیوہ نہیں اور میں..... مرد تھا۔ ایک ایسا مرد جو اپنی مردانگی پر ناز کر سکتا تھا۔

بے بسی کی کیفیت زائل ہوتی محسوس ہوئی تو مجھے یاد آیا کہ پاتھا نے کیپٹ سے جو آخری دو سوال کیے تھے۔ وہ شاید اتفاقی امر کے تحت نہیں تھے۔ اگر میں سوچ سکتا تھا تو میرا ذہن یقیناً زہر کے اثر سے بچا ہوا تھا تو پھر اس بات کے امکانات کیوں نہ ہوتے کہ میری ذہنی قوت..... غیر معمولی ذہنی قوت..... پاتھا کے ذہن کو متاثر کر سکتی..... ضرور متاثر کر سکتی ہوگی۔

اس امکان سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پاتھا کے آخری دو سوال محض اتفاق ہی رہے ہوں۔ جو گفتگو ہو رہی تھی اس کی روشنی میں پاتھا کے دونوں سوال بڑی حد تک فطری تھے۔ مگر پھر بھی نجانے کیوں میرا ذہن ان سوالوں کو اتفاقی امر ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ شاید پاتھا کی آواز میں غیر فطری لرزش کا احساس جو صرف مجھے نہیں کیپٹ کو بھی ہوا تھا میرے ذہن کو تازیانے لگا کہ اتفاق کے امکانات نظر انداز کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی ذہنی قوت کو ایک بار پھر پاتھا پر آزما کر دیکھوں۔

''آؤ..... چلیں! کیپٹ نے پاتھا سے کہا اور کیبن کے دروازے کی طرف بڑھا۔

میں نے پوری یکسوئی سے پاتھا کو ذہنی حکم دیا۔ ''تم کوئی حرکت نہیں کرو گے!''

کیبن کا دروازہ کھلا' ایک لمحے بعد کیپٹ کی آواز ابھری۔ ''وہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ چلے آؤ۔ ذرا دیکھیں کپتان کیا کر رہا ہے۔؟''

مگر پاتھا نے کوئی حرکت نہیں کی۔

میں نے ذہنی طور پر دوسرا حکم دیا۔ ''ٹھیک ہے جاؤ اور بھول جاؤ کہ میں نے تمہیں روکا تھا۔''

فوراً ہی پاتھا کے قدم اٹھانے کی آواز ابھری وہ کیبن کے دروازے تک گیا کیبن کا دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی مجھے قدرے اطمینان ہوا۔ میری ذہنی قوت پہلے کی طرح مصروف عمل تھی۔ میں اتنا بے بس نہ تھا جتنا نظر آتا تھا۔ میں اب بھی دوسروں کے ذہنوں پر قبضہ جما سکتا تھا اور میری یہ قوت میرا آخری ٹرمپ کارڈ تھی۔

میں نجانے کتنی دیر تنہا اپنے کیبن میں پڑا رہا۔ مجھ پر کچھ نیند کی سی کیفیت طاری تھی۔ مگر یہ کیفیت کیبن کے دروازہ کھلنے کی آواز سن کر ٹوٹ گئی۔ کوئی دبے قدموں کیبن میں داخل ہوا تھا۔ پھر وہ انجانا وجود مجھ پر جھک گیا اور میں بڑی زور سے چونک پڑا (ذہنی طور پر)

وہ ششما تھی۔ جیتی جاگتی ششما۔ وہی ششما جو میری موجودہ حالت کا باعث بنی تھی۔ اس کا مہکتا، گداز بدن جو پہلے بھی میرے ذہن پر غفلت کے پردے ڈال گیا تھا اور خواب کی طرح میرے ذہن پر چھا گیا تھا' ایک بار پھر مجھ پر جھکا ہوا تھا مگر اس بار میں اس کی قربت سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ اس بات کا احساس شاید اسے بھی تھا کیونکہ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔

''اوہ! میرے محبوب! میرے محبوب!'' ششما سسک پڑی۔'' میں نے تمہیں مار دیا اور خود زندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو مجھے معاف کر دو۔ زمانے نے مجھے دھوکہ دیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ میں مر جاؤں گی مگر دیکھو میں ٹھیک ہوں زندہ ہوں مگر میں زندگی بھر تمہارے لیے سسکتی رہوں گی۔ تڑپتی رہوں گی۔''

وہ میرے بے جان، بے حس جسم سے لپٹ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ میرے دل میں شدید خواہش ابھری کہ چاہے چند لمحوں کے لیے ہی سہی مگر کاش میں بول سکتا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یاد آیا کہ آواز ہوا میں پیدا ہونے والی مخصوص لہروں کا نام ہے جو زبان کی حرکت سے پیدا ہوتی ہیں اور کان کے پردوں سے ٹکرا کر ذہن میں انوکھی کیفیت پیدا کرتی ہیں۔ یہ لہریں ہم بآسانی زبان کے ذریعے پیدا کر لیتے ہیں لیکن صرف زبان ہی نہیں' مصنوعی طریقوں سے بھی یہی مخصوص لہریں پیدا کی جا سکتی ہیں اور پیدا کیجاتی ہیں جبھی تو ہم جانتے ہیں اور محض چند لیور دبا کے کچھ بٹنوں کو ادھر ادھر کر کے اپنے پسندیدہ گانے والوں کو یوں گاتے سنتے ہیں جیسے وہ ہمارے قریب ہی کہیں موجود ہوں۔ کیا میرا غیر معمولی ذہن ششما کے ذہن کو اس طرح متاثر نہیں کر سکتا کہ وہ آواز سے پیدا ہونے والی کیفیت محسوس کرنے لگے اور اگرچہ میرے لب نہ کھلیں، زبان نہ حرکت کرے مگر وہ یہی محسوس کرے جیسے میں واقعی بول رہا ہوں.....؟

بڑی عجیب بات تھی مگر تھی منطق پر پوری اترنے والی۔

چونکہ میری ذہنی قوت دوسرے ذہنوں کو متاثر کر سکتی تھی۔ اس لیے ایک امید موہوم پیدا ہو گئی کہ شاید میں کامیاب ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے تجربہ کرنے کی ٹھان لی۔ میں نے اپنے ذہن کے تمام دریچے بند کر کے پوری یکسوئی حاصل کی پوری توجہ دے کر اپنی ذہنی قوت کو حرکت دی۔ میں نے تصور کیا جیسے میں کہہ رہا ہوں۔ ''ششما.....تم میری آواز سن سکتی ہو۔''

ششما مجھ سے لپٹی سسکتی رہی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ میں نے ایک بار پھر ذہنی طور پر اسے الفاظ دہرائے اور اس انداز میں دہرائے جیسے بہت تیز آواز میں بول رہا ہوں۔

''ششما.....ششما.....!تم میری آواز سن سکتی ہو۔''

ششما چونک کر اپنا سر اُٹھایا۔ بالکل اس انداز میں جیسے اس نے کچھ سنا تو ہو مگر سمجھ نہ سکی ہو کہ کیا کہا گیا تھا اور کس نے کہا تھا۔

''ششما.....!میں اپالو ہوں۔تم اپالو کی آواز سن رہی ہو۔!''

اس بار ششما کے چہرے پر حیرت کے واضح آثار نمودار ہوئے اور اس نے اس طرح کانوں کو جھٹکا جیسے ان میں کوئی کنکھجورا گھس گیا ہو۔

مجھے اپنے جسم میں مسرت کی لہریں سرائیت کرتی محسوس ہوئیں۔مگر یہ محض ایک ذہنی کیفیت تھی۔میرا جسم بالکل بے حس و حرکت تھا اور اس میں مسرت محسوس کرنے کی کوئی صلاحیت بیدار نہ تھی۔

میں نے بڑے اعتماد سے سوچا۔''ششما.....میں ابھی مرا نہیں ہوں۔کیا تم میری آواز نہیں سن رہی ہو۔کیا تم اس آواز کو بھول چکی ہو؟''

''کنور.....یہ تم ہو.....آواز تو واقعی تمہاری ہی ہے مگر یہ کیسے ممکن ہے۔''ششما نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیوں.....؟ممکن کیوں نہیں ہے؟''میں نے پوچھا۔

''تم مر چکے ہو.....تمہارا یہ جسم مردوں کی طرح بے جان جو پڑا ہے.....؟''ششما نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

میں جیسے ہنس پڑا۔پھر کھلکھلاتی آواز میں جیسے میں نے کہا۔''غلط.....مردوں کی طرح بے جان نہیں.....میرا جسم صرف بے حس و حرکت ہے۔کیا تمہیں یاد نہیں زہر کا کچھ ایسا ہی اثر تم پر بھی ہوا تھا۔مگر کیا تم مر گئیں تھیں؟''

''نہیں.....بس حرکت نہیں کر سکتی تھی۔پھر جب پاپا نے میرے جسم پر ایک اور دوا لگائی تو میں ٹھیک ہو گئی۔''

''مجھے بھی.....اسی دوا کی ضرورت ہے کیا تم میرے لیے وہ دوا حاصل کر سکتی ہو.....؟''میں نے جیسے دھڑکتے دل کے ساتھ سوال کیا۔

''پتا نہیں.....دیکھو کوشش کروں گی مگر یہ تو بتاؤ تم بول کیسے رہے ہو.....؟میں جب زہر کے اثر میں تھی تو زبان کو ذرا بھی نہیں ہلا سکتی تھی۔''

''زبان تو میں بھی نہیں ہلا سکتا۔''میں نے اعتراف کیا۔''مگر پھر بھی میں بول رہا ہوں۔کیسے بول رہا ہوں۔؟یہ تم شاید کبھی نہ سمجھ سکو بس یوں سمجھ لو کہ میں کچھ غیر معمولی قوتوں کا مالک ہوں یہ بولنا بھی ان قوتوں کا ایک کرشمہ ہے۔''

''اوہ.....''مجھے یقین ہے ششما کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی ہوں گی۔''تو کیا تم بھی.....مقدس بابا کی طرح.....''

''ہاں''میں نے جیسے بات کاٹی.....''تمہارا مقدس بابا کچھ غیر معمولی قوتیں رکھتا ہے مگر پھر بھی مجھے ختم کرنے کے لیے اسے تمہارا سہارا لینا پڑا۔وہ اپنی قوتیں میرے خلاف استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ میں خود ان قوتوں کا مالک ہوں اور تمہارے مقدس بابا پر بھاری ہوں۔

جبھی تو براہِ راست میرے مقابلے پر نہیں آتا۔''

شاید میری آخری بات کچھ مبالغے پر مبنی ہو کیونکہ میں نے ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں دیکھی تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ کیشپ مجھ سے کمزور پڑتا ہے۔ یوں مجھے اپنی قوتوں کا خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ اس لیے یہ بھی ممکن تھا کہ میری باتیں حقیقت پر مبنی ہوں۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ پاتھا اور دوسرے لوگوں پر کیشپ کا جو رعب تھا وہ یقیناً غیر معمولی قوتوں کے مظاہرے ہی سے قائم ہوا ہوگا۔ اس لیے ان کے توڑ کے لیے ضروری تھا کہ میں خود کو کیشپ سے بھی بڑھا چڑھا کر پیش کروں۔ تاکہ کیشپ کے مقدس اور اس کے خوف کے پرخچے اُڑ جائیں ورنہ ممکن تھا کہ اس کے ڈر سے ششما میری مدد پر آمادہ نہ ہوتی۔

''اچھا تو میں ابھی جا کر اس زہر کا تریاق ڈھونڈتی ہوں۔'' ششما نے کہا اور جانے لگی پھر شاید اسے کچھ خیال آیا ہوگا کیونکہ وہ میری طرف پلٹی اس نے جھک کر میری پیشانی چومی اور قدرے شرمائے ہوئے انداز میں بولی۔

''کنور..... مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ تم زندہ ہو۔ تمہیں تندرستی کی طرف لانے کے لیے میں شاید اپنی جان کی بازی بھی لگا دوں گی۔''

''نہیں اس کی نوبت نہیں آئے گی۔'' میں نے جیسے اطمینان دلایا۔

ششما چلی گئی اور میں مستقبل کے بارے میں امید و بیم کی حالت میں سوچتا رہ گیا۔ حالات کی نئی کروٹ کچھ میرے حق میں تھی اور مجھے بہت امید ہوگئی تھی کہ میں زندہ رہوں گا اور پہلے کی طرح چل پھر سکوں گا۔

مجھے ذہنی طور پر بہت تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ اور ہونا ہی چاہیے تھی۔ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو میں نے جب بھی استعمال کیا تھا مجھے تھکن کا احساس ہوا تھا مجھ پر غنودگی کی سی کیفیت ایک بار پھر طاری ہوگئی تھی لیکن میری یہ حالت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ کسی کے کیبن میں داخل ہونے پر میں چونک کر پوری طرح بیدار ہوگیا۔

کیشپ، جہاز کے کپتان اور پاتھا کے علاوہ دو خلاصیوں کے ساتھ آیا تھا۔ خلاصی شاید کوئی بھاری چیز اُٹھائے ہوئے تھے۔ وہ اپنا وزن کیبن کے فرش پر رکھ کر چلے گئے تو کیشپ اور اس کے ساتھیوں کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ خلاصی جو کیبن میں چھوڑ گئے تھے وہ ایک تابوت تھا ظاہر ہے یہ وہی تابوت رہا ہوگا جسے ایکبار میں کھول کر دیکھ چکا تھا۔ جس میں کلدیب کور کی موجودگی کا شبہہ تھا مگر کلدیب کور کے بجائے مجھے کچھ اور ہی عجیب و غریب چیز دیکھنے کو ملی تھی۔

''لڑکی کو اس کمرے میں رکھا جائے اب اس کی جگہ ان حضرات کو مل جائے گی۔'' کیشپ نے شاید جہاز کے کپتان سے کہا۔

''لڑکی کا آخر ہوگا کیا؟'' جہاز کے کپتان نے کہا۔

''موقعہ ملنے پر ٹھکانے لگا دینا۔'' کیشپ نے بڑی سفاکی سے کہا۔ ''اب مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔''

جس لڑکی کا وہ لوگ ذکر کر رہے تھے وہ کلدیب کور ہی ہوسکتی تھی۔ مگر وہ تابوت میں تو نہیں ہوسکتی تھی۔ اس میں تو میں نے اپنی

آنکھوں سے اس عجیب وغریب شے کو دیکھا تھا جسے انسانی ڈھانچہ ہی کہا جا سکتا تھا ایسا انسانی ڈھانچہ جو زندہ نہ ہوتے ہوئے بھی حرکت کر سکتا تھا۔ جس کی ہڈیوں پر گوشت کے کچھ ٹکڑے تک چپکے ہوئے تھے اور جو خود ہی تابوت میں لیٹ کر تابوت بند کر لیتا تھا۔

''بابا.....! جہاز کے کپتان کا لہجہ خوشامدی ہو گیا۔ ''اگر اجازت ہو تو وہ لڑکی میں لے لوں.....؟''

''کیوں.....تمہاری نیت کیوں خراب ہوئی اس پر۔'' کیپٹ نے مشفقانہ انداز میں پوچھا۔ ''اس کا زندہ رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے کیا تمہیں علم نہیں کہ وہ ایک ریاست کی راجکماری ہے۔''

''معلوم ہے جبھی تو میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے بخش دی جائے میں اس کے عوض بڑی اچھی رقم پاؤں گا اور جہاں اسے بھیجوں گا وہاں وہ چند ہی دن میں مردوں سے بدتر ہو جائے گی۔ اسے اپنا نام تک یاد نہیں رہے گا۔'' جہاز کے کپتان نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔ مگر نجانے اس کے لہجے میں وہ کون سا عنصر تھا جس نے اس کے الفاظ کو بہت بھیانک بنا دیا۔ میں اگر کانپ سکتا تو شاید کراہیت اور غصہ سے کانپ اُٹھتا۔ اس طرح بات کر رہا تھا جیسے کسی لڑکی کی نہیں بھیڑ بکری کی بات ہو رہی ہو۔

''اچھی بات ہے.....لیکن اگر اس کی وجہ سے کوئی مشکل کھڑی ہوئی تو یاد رکھنا میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔'' بڈھے کیپٹ نے سخت لہجے میں کہا۔

''نہیں.....آپ یقین کریں کوئی مشکل درپیش نہیں آئے گی میں یہ دھندا ایک عرصے سے کر رہا ہوں۔ بس آپ تو اسی لمحے سے لڑکی کو مردہ تصور کر لیں۔ کپتان نے کھنکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

بڈھا کیپٹ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے پاتھا سے تابوت کھولنے کے لیے کہا۔ پاتھا نے شاید جھک کر تابوت کھول دیا ہو گا کیونکہ کچھ اسی قسم کی آواز سنائی دی تھی۔

''یہ تابوت دیکھو.....!'' کیپٹ نے شاید کپتان سے کہا۔ ''میرے ایک دوست کی طرف سے تحفہ ہے۔''

سیکرٹ ایجنٹ

سیکرٹ ایجنٹ ایک منفرد اور دلچسپ ناول ہے۔ انگریزی ادب سے لی گئی ایک کہانی، جس کا ترجمہ ڈاکٹر صابر علی ہاشمی نے کیا ہے۔ ایک ہنستی مسکراتی تحریر ہے، جس میں سسپنس، ایکشن کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح کا عنصر بھی شامل ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ایک عام شہری ہے جو اپنے دوست کے دعوت دینے پر سیکرٹ ایجنٹ بننے اور CIA کے ساتھ کام کرنے کی حامی بھر لیتا ہے اور پھر سلسلہ شروع ہو جاتا ہے دلچسپ واقعات سے بھرپور، ایک انوکھی سراغ رسانی کا۔ سیکرٹ ایجنٹ کو **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

چند لمحوں بعد کپتان کے منہ سے حیرت اور خوف کی ملی جلی آواز سنائی دیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ شاید اس کی نظریں پہلی مرتبہ تابوت میں لیٹے ہوئے پنجر پر پڑی ہوں گی۔

''یہ..... یہ کیا ہے؟'' کپتان کی آواز میں خوف کی لرزش تھی۔

''ڈرو..... نہیں! کیشپ نے مشفقانہ انداز میں کہا۔

''یہ محض کل پرزوں کا کھیل ہے مگر تمہیں ماننا پڑے گا کہ رنگ و روغن اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ ایکبارتو اصل دھوکہ ہوتا ہے اور ایک بار کے بعد دوبارہ دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ یہ خود ہی چند لمحوں کے بعد لیٹ کر تابوت بند کرے گا۔''

''حیرت انگیز.....!'' کپکپاتی ہوئی آواز کپتان نے کہا۔''اور اب میں اس کا دوسرا ڈھکن کھولتا ہوں بڈھے کیشپ کی آواز ابھری.....''دیکھو اس کل کے دبانے سے..... یوں..... یہ دوسرا ڈھکن کھل جاتا ہے اس دوسرے خانے میں اتنی جگہ ہے کہ ایک تندرست و توانا لڑکی کو بآسانی چھپایا جاسکتا ہے۔ ہوا کے گزر کا انتظام رکھا گیا ہے۔''

دو تین کھٹکوں کی آواز سنائی دی۔ پھر شاید کپتان کو کلدیب کور نظر آگئی کیونکہ اس نے بے حد لجاجت سے کہا۔''بابا..... بابا..... یہ تو بڑی حیرت انگیز چیز ہے۔ بابا یہ تو بس مجھے دے دی جئے۔''

''ابھی تو خود مجھے اس کی ضرورت ہے۔ چلو لڑکی کو نکالو۔ پھر ارسلان کو اس میں ٹھونس دو۔ ارسلان کے لیے جگہ کچھ کم پڑے گی۔ مگر یہ ہر قسم کی تکلیف محسوس کرنے سے عاری ہے۔ پھر اب چند گھنٹوں کی تو بات ہی ہے۔''

''چند گھنٹوں کی؟'' کپتان جیسے چونک پڑا۔''ابھی تو سیلون کافی دور ہے۔''

''سیلون؟ میں سیلون جانے کی بات کب کہہ رہا ہوں۔ میرا سیلون جانے کا اب کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم اب جہاز کا رخ جزائر کالدیب کی طرف موڑ دو گے۔''

''جزائر کالدیب۔'' کپتان کی آواز لرز اٹھی۔ مگر وہ تو سیلون کے راستے سے کافی ہٹ کر ہیں۔''

''تو کیا ہوا؟'' بڈھے کیشپ نے سخت لہجے میں کہا۔

''معاف کیجیے گا..... بابا!'' کپتان بھی لجاجت پر اتر آیا۔ جہاز پر کچھ اہم لوگ سیلون تک جا رہے ہیں۔ انہیں جلدی ہے اور وہ راہ کھوٹی ہونا پسند نہیں کریں گے۔؟''

''تمہیں ان کی پسند یا ناپسند سے کیا لینا؟'' کیشپ نے فہمائشی لہجے میں کہا۔''اگر وہ لوگ تمہیں پریشان کریں تو میرے پاس بھیج دینا انہیں ٹھیک کر دوں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے..... مگر.....''

''اب کیا ہچکچاہٹ ہے؟''

''راستہ..... جزائر کالدیب کا راستہ بہت خطرناک ہے پھر اس سیزن میں تو طوفان اس راہ کو اور بھی خطرناک بنا دیتے ہیں۔''

''کچھ بھی ہو..... ارسلان کو لے کر جلد سے جلد ان جزیروں تک پہنچنا میرے لیے بہت ضروری ہے۔ چوبیس گھنٹوں سے پہلے پہلے اگر میں اس کو ہوش میں نہ لایا تو یہ مر جائے گا اور میں اسے جہاز پر ہرگز ہوش میں نہیں لا سکتا۔ نہیں..... تمہیں جلد سے جلد جزائر کالدیب پہنچنا ہے اس لیے نہ صرف یہ کہ جہاز کا رخ اس طرف موڑ دو بلکہ رفتار بھی تیز سے تیز تر کر دو۔''

کپتان نے شاید کچھ اور کہنا چاہا تھا مگر پاتھا نے اسے روک دیا۔ اس نے کہا۔ ''بیکار ہے..... تمہارے لیے مقدس بابا کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''ہاں!'' کپتان نے بڑی مردہ دلی سے کہا۔ ''میں تعمیل کروں گا۔''

''تو پھر چلو..... لڑکی کو باہر نکالو اور اسے تابوت میں ٹھونسو۔'' پاتھا نے حکمیہ انداز میں کہا۔

پھر شاید دونوں نے مل کر کلدیب کور کو تابوت سے باہر نکالا ہوگا۔ مجھے کلدیب کور کی ایک جھلک نظر آ گئی تھی اس کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا اور چہرے پر موت کی سی سفیدی جھلک رہی تھی۔

''یہ بہت جلد ہوش میں آ جائے گی۔ اب اسے ہوش ہی میں رہنے دینا کوئی دوا دینے کی ضرورت نہیں۔ کیپٹ نے شاید پاتھا سے کہا تھا۔ شاید وہی کلدیب کور کی دیکھ بھال کرتا رہا ہوگا۔

پاتھا خاموش رہا۔ اس نے کپتان کے ساتھ مل کر مجھے اُٹھا لیا پھر وہ مجھے تابوت میں لٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ انہیں اس کام میں کافی دقت ہوئی ہوگی کیونکہ کافی دیر تک وہ میرا جسم الٹتے پلٹتے رہے۔ پتا نہیں کس طرح توڑ مروڑ کر انہوں نے میرے جسم کو تابوت کی خلا میں ٹھونس ہی دیا۔ اگر میرا جسم بے حس نہ ہوتا تو یقیناً اس عمل کے دوران میری چیخیں نکل جاتیں۔

''لڑکی کو ہوش آ رہا تھا۔'' کیپٹ نے اچانک کہا۔ یہ بے حد بھوکی ہوگی اس لیے تم فوراً اس کے لیے کھانے کا انتظام کرو کم و بیش چوبیس گھنٹوں سے اسے کچھ نہیں دیا گیا۔

اور ہاں.....! واپسی پر دو آدمیوں کو لیتے آنا۔ یہ تابوت یہاں نہیں رہے گا۔''

یہ بات شاید کپتان سے کہی گئی تھی کیونکہ جواب میں اس نے حامی بھری اور پھر وہ کیبن سے چلا گیا۔

میرے بستر پر کلدیب کور کے کلبلانے کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔ پھر اس کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

''میں کہاں ہوں۔؟'' اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''اوہ..... کنور..... کنور، یہ تم مجھے کہاں لے آئے۔'' کلدیب کی آواز میرے کانوں میں آئی تو میں ایک لمحے کے لیے چکرا گیا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ بڈھے کیپٹ نے خود کو کلدیب کے سامنے کنور کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ یہی بات ابھی تک کلدیب کے ذہن میں رہی ہوگی اور وہ کیپٹ کی شکل دیکھ کر اسے کنور کہہ اُٹھی ہوگی۔

''میرے خیال کی تصدیق کیشپ نے کردی۔اس نے کہا۔راجکماری!اب وقت آگیا ہے کہ تم حقیقت جان لو۔!''

کلدیب کور کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہوگا کیونکہ اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔''کنور..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔کیسی حقیقت؟''

''میں کنور پرتاب سنگھ نہیں ہوں۔''کیشپ نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا.....؟''کلدیب کی آواز میں حیرت کی لرزش تھی۔

''تم.....تم.....اگر کنور نہیں ہوتو کون ہو؟میرے علم میں کنور کا کوئی جڑواں بھائی نہیں ہے۔''

کیشپ ہنس پڑا۔پھر اس نے کہا۔''میں اس کا باپ تو ہوسکتا ہوں، بھائی نہیں، ادھر دیکھو!''کیشپ کی آواز میں پراسراری سرسراہٹ آگئی تھی۔''تم اب مجھے دیکھ کر دھوکہ نہیں کھاؤ گی۔میں تمہیں اب کنور پرتاب سنگھ کے روپ میں نظر نہیں آؤں گا۔''

دوسرے ہی لمحے کلدیب کی آواز دوبارہ سنائی دی مگر اس میں بلا کا تحیر پنہاں تھا۔اسے شاید اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا ہوگا۔لمحے بھر پہلے جو کیشپ کو میری شکل وصورت میں دیکھ رہی تھی اب اس کا اصل روپ دیکھ رہی ہوگی۔یہ فوری تبدیلی اس کی سمجھ میں کسی طرح نہ آرہی ہوگی۔پھر شاید وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی ہوگی اور اس کی نظریں تابوت میں ٹھنسے ہوئے میرے جسم پر پڑی ہوں کیونکہ اس کے منہ سے ایک دبی دبی سی چیخ نکلی تھی اور وہ بستر سے کود کر مجھ پر آپڑی تھی۔

''یہ.....یہ کنور پرتاب سنگھ کو کیا ہوا؟''اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے میرے جسم پر ہاتھ پھیرا۔

میں کلدیب کور کو دیکھ سکتا تھا۔وہ بہت زیادہ حسین عورت نہ تھی مگر اس کے چہرے پر بلا کی کشش تھی اور جسم کا جو حصہ مجھے نظر آرہا تھا' بے حد متناسب تھا۔

کیشپ کچھ نہیں بولا تو کلدیب نے اپنے سوال کا خود ہی جواب دے ڈالا۔اس نے کہا۔''کیا.....کیا تم نے میرے کنور کو مار ڈالا۔؟''

کیشپ نے کہا''کیوں تمہیں اس شخص سے اب بھی کوئی ہمدردی باقی ہے۔یہ جو تمہاری ساری مصیبتوں کا باعث ہے۔کیا تمہیں اب بھی اس سے کوئی لگاؤ ہے۔؟''

''یہ میرے ہونے والے بچے کا باپ ہے۔''کلدیب نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔''کون سی ماں اپنے بچے کو پیدائش سے پہلے ہی یتیم دیکھنا چاہے گی؟پھر مجھے تو کنور سے محبت تھی اور اب بھی ہے.....مگر ظالم.....یہ تو بتاؤ کہ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم نے ان کی جان لے لی۔''

کلدیب کی آواز میں بلا کا دکھ امنڈ آیا تھا۔میں اس کی اس کیفیت سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا اور اس اچنبھے میں پڑ گیا کہ آخر مجھ میں وہ کیا چیز تھی جو لڑکیوں کو اس حد تک میرا پابند کردیتی تھی۔میری اچھی شکل وصورت اس قسم کا مستقل جذبہ وفاداری نہیں پیدا کرسکتی۔

یہ تو کوئی اور ہی بات تھی کیا میری آنکھوں میں کوئی مسحور کن قوت پوشیدہ تھی کہ جولڑکی میری طرف دیکھے، جنم جنم کے لیے میری ہو کر رہ جائے۔؟

''یہ مرا نہیں ہے۔'' کیپٹ نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔''اس کی موت سے مجھے اتنا فائدہ نہیں جتنا زندگی سے ہوسکتا ہے۔فکر نہ کرو، چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر میں اسے ٹھیک کر دونگا۔''

''اوہ! مگر تم ان سے چاہتے کیا ہو اور فوراً ہی کیوں نہیں ان کا علاج کرتے.....نہیں تم مجھے بہکا رہے ہو تم نے کنور کو مار دیا ہے۔ ختم کر دیا ہے۔ ورنہ تم انہیں تابوت میں کیوں لٹاتے۔''

کلدیب کور ایک بار پھر مجھ سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگی۔اسی وقت جہاز کا کپتان کیبن میں داخل ہوا اس کے ساتھ دو اور آدمی تھے شاید ان میں سے ایک کے ہاتھوں پر کھانے کی ٹرے تھی کیوں کہ کپتان نے آتے ہی کہا۔''لیجیے کھانا آ گیا۔راجکماری صاحبہ! آپ کھانا کھا لیجیے۔''

مگر کلدیب کور مجھ پر پڑی سسکتی رہی اسے نہ اپنی پوزیشن کا احساس تھا' نہ ہی دوسرے لوگوں کی موجودگی کا کوئی خیال وہ بالکل چھوٹی بچیوں کی طرح سسک رہی تھی جن کی کوئی قیمتی سی گڑیا چھن گئی ہو، شاید مسلسل پریشانیوں کا اثر تھا یا اس دوا کا ردعمل ہوگا۔جو اسے اس لیے کھلائی جاتی تھی کہ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تابوت میں بند پڑی رہے۔ورنہ پھر اس کا دماغ ہی چل گیا تھا۔اور اگر واقعی اس کا دماغ چل گیا ہو تو بھی کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی کیونکہ اس پر کچھ ایسی ہی بیت چکی تھی۔

شاید کیپٹ کے اشارے پر کپتان نے تابوت اُٹھوانا چاہا ہوگا کیوں کہ اچانک تابوت کو دھچکا سا لگا تھا۔جیسے اسے دونوں طرف سے اُٹھایا جا رہا ہو پھر کلدیب کور کی چیخ سنائی دی۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' وہ چیختے ہوئے بولی تھی۔

پراسرار چیخیں

اردو جاسوسی ادب کے بانی، ابن صفی کی عمران سیریز سلسلے کا تیسرا ناول۔اس ناول میں عمران نہ صرف فری لانسر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے بلکہ محکمہ سراغرسانی میں ایک علیحدہ سیکشن بھی تیار کر رہا ہے۔اس ناول میں عمران قتل کا ایک ایسا کیس حل کر رہا ہے جس میں مقتول دس برس کے بعد زندہ ہو کر واپس آ گیا ہے۔ابن صفی کے جادوئی قلم کا کرشمہ۔طنز و مزاح، حیرت اور تجسس سے بھرپور یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔جسے ناول سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''اسے یہیں رہنے دو۔تم اسے مجھ سے دور نہیں لیجا سکتے اگر یہ مر گیا ہے تو اسے میں خود دفناؤں گی۔ میں اس کی لاش کو سمندر کے حوالے نہیں ہونے دوں گی۔سنا تم نے۔!اسے چھوڑ دو۔

مجھے کلدیب کور کی آواز سے ہی دیوانگی کا احساس ہوا تھا اور اس کے بعد جو آوازیں سنائی دیں ان سے مجھے اپنے احساس کی حقیقت کا اندازہ ہوا۔ بالکل یوں لگا تھا جیسے کلدیب نے دیوانگی کے عالم میں تابوت اُٹھانے والوں پر حملہ کر دیا ہو۔تابوت کو ایک اور جھٹکا لگا تھا' پھر وہ ساکت ہو گیا اسی دھینگا مشتی کی آواز کے دوران کیپٹ کی آواز ابھری۔''رہنے دو۔جاؤ یہ پاگل ہو رہی ہے۔پھر دیکھا جائے گا۔''

خلاصی چلے گئے تو کیپٹ ایک بار پھر بولا۔''میرے خیال سے تم اس کیبن کے باہر اپنا کوئی قابل اعتماد آدمی چھوڑ دو جو کسی کو ادھر نہ آنے دے۔میں اب تھک گیا ہوں،آرام کروں گا۔'' چند لمحوں بعد وہ سب کیبن سے چلے گئے اور کلدیب کور میرے ساتھ تنہا رہ گئی۔کلدیب کور کی دیوانگی کے باعث مجھے اس کے ساتھ جو چند لمحے تنہائی کے میسر آئے تھے میں ان سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔مگر پہلے کلدیب کور کو تسلی دے کر اس کے جنون کو دور کرنا ضروری تھا۔نیم دیوانگی کی حالت میں مشکل ہی سے وہ میرے کسی کام آ سکتی تھی۔

میں نے اپنی ذہنی قوتیں یکجا کیں۔اور کلدیب کور کے ذہن کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔'کلدیب.....کلدیب کور!''

کلدیب کور مجھے نظر نہیں آ رہی تھی اس لیے میں اندازہ نہیں کر سکا کہ میری ذہنی لہریں اس کے ذہن کو متاثر کر سکیں!یا نہیں..... چند لمحے بعد میں نے ایک بار پھر کوشش کی

''کلدیب.....کلدیب.....!''

''تم.....تم کون ہو؟ کہاں.....ہو.....؟ کلدیب کی آواز میں متوقع لرزش تھی۔

''تم میری آواز نہیں پہچانتیں.....؟''

''پہچانتی ہوں.....مگر یہ کیسے ممکن ہے تم تو یہاں میرے سامنے مردہ پڑے ہو۔کنور!تم کس طرح بول سکتے ہو۔؟''

''میں مردہ نہیں ہوں مجھے ہونٹ ہلائے بغیر بولنے کا فن آتا ہے۔میں صرف تمہیں اطمینان دلانا چاہتا ہوں۔اپنی حالت سنبھالو۔خود سنبھالو کلدیب مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں.....''

''تو وہ بڈھا ٹھیک کہہ رہا تھا۔''کلدیب کی آواز میں خوشی کا عنصر شامل ہو چکا تھا۔''کنور.....تم زندہ ہو اور وہ بڈھا جلد ہی تمہارا علاج کر دے گا؟''

''میں زندہ ہوں.....مگر بڈھے کی نیت نیک نہیں ہے اسی نے تو مجھے زہر کھلا کر اس حالت کو پہنچایا ہے۔دیکھو تم ہرگز مجھے یہاں سے مت جانے دینا اور تابوت کو کھلا ہی رکھنا۔

''میرے کنور!تم جو کہو گے میں کروں گی' مجھے یقین ہے تم اس حالت کو میری ہی وجہ سے پہنچے ہو گے۔کیا تم مجھے چھڑانے کی فکر

میں یہاں تک آئے تھے۔؟''

''ہاں.....اور بلونت بھی میرے ساتھ تھا مگر اسے ان ظالموں نے ختم کر دیا۔''

''اوہ!'' کلدیب کور کی آواز سے صدمے کا اظہار ہو رہا تھا۔''

''بلونت بھی آیا تھا.....وہ.....وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ مجھے بے حد چاہتا تھا۔ حالانکہ میں نے اسے کبھی لفٹ نہیں دی تھی مہاراج البتہ اسے پسند کرتے تھے۔ اگر تم سے مڈبھیڑ نہ ہوتی.....''

''مجھے یہ سب معلوم ہے۔ راجہ شمشیر سنگھ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ بلونت واقعی تمہیں بہت چاہتا تھا سب کچھ جاننے کے بعد بھی وہ تمہاری تلاش میں یہاں تک آیا اور آخر تم پر اپنی جان نچھاور کر گیا۔''

کلدیب کے منہ سے سسکیاں نکل گئیں۔

''تم فکر مت کرو.....میں جیسے ہی حرکت کرنے کے قابل ہوا۔ ان لوگوں سے بلونت کی موت کا انتقام لوں گا۔ اس کا خون یقین جانو رائیگاں نہیں جانے دوں گا۔''

''تم.....تم.....کیسے ٹھیک ہو سکو گے؟ کیا میں کسی کام نہیں آسکتی؟''

''مجھے زہر کا توڑ چاہیے جو تم نہ لا سکو گی مگر ایک اور ہستی میرے لیے دوا کا انتظام کرنے کی کوشش کر رہی ہے اگر اس کی کوشش کامیاب نہ ہو سکیں تو دیکھیں گے۔ فی الحال تو تم اپنی حالت سنبھالو کھانا کھاؤ اور آرام کرو۔''

''میرا دل کھانے کو بالکل نہیں چاہتا!''

''جیسے بھی ہو سکے کھاؤ.....جسم میں توانائی ہو گی تو ضرورت پڑنے پر کام آئے گی۔''

کلدیب کور کو سمجھا سمجھا کر میں نے کھانا کھلوایا۔ کھانے کے دوران ہم باتیں بھی کرتے رہے۔ میں نے اس سے اپنے متعلق پوچھا اور اس نے جو کچھ بتایا اس سے مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ کلدیب کور میرے متعلق کوئی ایسی بات بتا سکے گی جو میری شخصیت کی طرف رہنمائی کر جائے لیکن میرا خیال غلط نکلا۔

ماضی میں کلدیب کور نے میری باتوں سے صرف یہ اندازہ لگایا تھا کہ میں کسی ریاست کا کوئی شہزادہ یا راجہ تھا جو کسی بنا پر کنور پرتاب سنگھ کا نام اختیار کر کے اپنی اصل شخصیت چھپائے ہوئے تھا۔

کلدیب کور کے پوچھنے پر مجھے بھی مختصراً اپنے اوپر بیتی ہوئی مصیبتوں کی داستان سنانا پڑی۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ اس کے بارے میں بڈھے کیشپ کا کیا ارادہ ہے۔ اسے غالباً اپنے بارے میں دشمنوں کی باتیں سن کر کچھ خوف محسوس ہوا لیکن میں نے تسلی آمیز باتوں سے اس کا خوف دور کر دیا اور اس کی جگہ دشمنوں کے لیے بے پناہ غم و غصے کا احساس اجاگر کرانے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر میں نے اس سے مزید گفتگو کرنے سے معذرت چاہی کیونکہ میں بے پناہ تھکن محسوس کرنے لگا تھا تاہم ایک بات میں نے

محسوس کی تھی کہ جوں جوں میں اپنے ذہن پر زور ڈال رہا تھا تھکن کا احساس کم سے کم تر ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے صرف چند سیکنڈ تک ذہنی قوت کے استعمال سے میرے پسینے چھوٹ جاتے تھے مگر اب مجھے یقین تھا کہ میں کئی منٹ تک مسلسل انتہائی ذہنی قوت کا استعمال بغیر کسی خاص تھکن کے جاری رکھ سکتا تھا۔

مجھے خاموش رہنے کا زیادہ موقع نہ مل سکا۔ شاید گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہی کیبن کا دروازہ کھلا کھسر پھسر کی آواز سنائی دی پھر کوئی اندر داخل ہوا۔ کیبن میں تاریکی تھی۔ کیونکہ کلدیب کور لائٹ آف کر کے شاید سو گئی تھی۔

میں چونک کر پوری طرح بیدار ہو گیا۔ آنے والی ہستی نے بتی جلائی اور میری طرف دوڑی پھر راستے ہی میں ٹھٹھک کر رہ گئی۔

وہ ششما تھی ..... میں اسے دیکھ سکتا تھا اس کی نظریں میرے بستر کی طرف تھیں ..... وہ وہاں میری بجائے کلدیب کور کو دیکھ کر چونک پڑی تھی۔ بستر کی طرف سے کلدیب کور کے کروٹ بدلنے کی آواز سنائی دی شاید وہ بھی جاگ گئی تھی۔

ششما نے ٹھٹھک کر سر کی طرف دیکھا پھر مجھ پر جھکتی ہوئی بولی۔ ''یہ..... یہ..... کون ہے؟''

''یہ راجکماری کلدیب کور ہیں۔'' میں نے ششما کے ذہن کو چھوا۔ ''نرنجن پور کے مہاراجہ شمشیر سنگھ کی بیٹی۔ بلونت سنگھ کی منگیتر!''

کلدیب کور بھی بستر سے اتر کر میرے پاس آ گئی۔ اس کی نظریں ششما کے خوبصورت چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ وہ ششما سے زیادہ سمجھ دار تھی مجھے اس کی آنکھوں سے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرے ششما کے بارے میں سب کچھ سمجھ گئی ہو مجھے شرمندگی کا احساس ہوا مگر صرف ایک لمحے کے لیے۔

میں اپالو تھا! ایک ایسا خودسر انسان جو خود پر کسی کا حق تسلیم نہیں کرتا!

کلدیب کور صرف ششما کو تک کر رہ گئی اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے جیسے دھڑکتے دل سے ششما سے پوچھا ''کیا ہوا..... تمہیں زہر کا توڑ مل سکا یا نہیں۔

ششما کے چہرے پر کامیابی کے آثار نظر آ رہے تھے اس نے اپنے لباس کو ٹٹولا اور فوراً ہی اس کے ہاتھوں میں درمیانے سائز کی ایک شیشی آ گئی۔ جس میں کوئی گہرے رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا۔ شیشی کو ہوا میں لہراتے ہوئے اس نے کہا ''یہ رہی تمہاری دوا۔ میں ابھی اسے تمہارے جسم پر ملوں گی اور پندرہ بیس منٹ میں تمہارا سویا ہوا بدن جاگ اٹھے گا۔''

''یہ کام میں کروں گی۔ لاؤ شیشی مجھے دو۔'' کلدیب کور نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

ششما نے ٹھٹک کر کلدیب کور کی طرف دیکھا مجھے یقین تھا کہ وہ شیشی کلدیب کور کو ہرگز نہیں دے گی۔ اس نے اس لمحے کے لیے کافی خطرہ مول لیا تھا۔ کیشپ کے پاس سے وہ لازماً وہ چرا کر ہی لائی ہوگی اور اس طرح اس نے خود کو کیشپ کے انتہائی عتاب کے لیے پیش کر دیا تھا جو چوری کھل جانے کی صورت میں یقیناً اس پر نازل ہوتا۔

''راجکماری صاحبہ!'' ششما نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''یہ کام داسی کو ہی انجام دے لینے دیجیے۔ یہ آپ کے شایانِ شان ہرگز

نہیں ہوگا کہ آپ.....''

ششما نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔ بات پوری کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ مطلب صاف تھا۔ کلدیب کور کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت نمودار ہوئی مگر پھر اچانک چہرے پر نرمی آ گئی۔ اس لڑکی نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے خود پر قابو پا لیا تھا۔

ششما نے میرے جسم کو تابوت میں سے نکالنے کی کوشش کی مگر یہ صرف اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس نے قدرے بے بسی سے کلدیب کور کی طرف دیکھا جو فوراً اس کا ہاتھ بٹانے پر تیار ہو گئی۔

دونوں نے مل کر مجھے تابوت کے خلاء سے باہر نکالا۔ پھر انہوں نے میرے جسم کو کپڑوں کی قید سے آزاد کیا۔ ان دونوں کے سامنے خود کو برہنہ دیکھ کر مجھے بڑا عجیب سا محسوس ہوا اور غالباً ہونا بھی چاہیے تھا۔

''تم کیبن میں آنے سے پہلے گھسر پھسر کس سے کر رہی تھیں؟'' میں نے ششما سے پوچھا۔

''ایک آدمی اس کیبن کی نگرانی پر مامور ہے وہ مجھے اندر نہیں آنے دے رہا تھا۔'' ششما نے خجالت آمیز لہجے میں کہا۔

''کچھ رشوت دینی پڑی.....اور.....'' ششما بات پوری نہ کر سکی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''کچھ وعدے کرنے پڑے ہوں گے۔'' کلدیب کور نے ہمدردی آمیز لہجے میں ششما کی بات پوری کر دی۔

''تم لوگوں کو میرے لیے کیا کرنا پڑے گا۔'' میں نے بیک وقت دونوں کے ذہنوں کو چھونے کی کوشش کی۔ ان کے چہروں سے میری کوشش کے کامیاب ہونے کی تصدیق ہو گئی۔

میرا جسم دوا لگائے جانے کے لیے تیار تھا۔ ششما نے بھی شاید کلدیب کور کے بارے میں کچھ اندازہ لگا لیا تھا کیونکہ اس نے دوا کی اچھی خاصی مقدار اپنی ہتھیلی پر لوٹ کر شیشی کچھ کہے بغیر کلدیب کور کی طرف بڑھا دی۔ کلدیب کور نے بھی خاموشی سے شیشی لے لی اور رنگین سیال کو اپنی سیدھی ہتھیلی پر لوٹنے لگی۔

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنی آسانی سے بڈھے کیشپ کے چنگل سے نکل جاؤں گا۔ یہ بات یقینی تھی کہ میں حرکت کرنے کے قابل ہو جاتا تو مجھ پر قابو پانا کوئی آسان بات نہ ہوتی۔ گو کہ بڈھے کے پاس غیر معمولی قوتیں تھیں مگر اب مجھے بھی اپنی صلاحیتوں کا کچھ احساس ہو چلا تھا۔ ششما اور کلدیب میرے جسم میں دوا سمونے کے لیے اپنے ہاتھوں پر انڈیل چکی تھیں۔

پھر عین اس وقت جب ششما کی دوا میں بھیگی ہوئی ہتھیلی میرے جسم کی طرح بڑھی کیبن کا دروازہ پرشور آواز سے کھلا اور دوسرے ہی لمحے بڈھے کیشپ کی غضب میں بھری ہوئی للکار کیبن کی مکدر فضا میں گونجی۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے۔؟''

دونوں لڑکیاں ٹھٹھک کر رک گئیں۔ کلدیب کور نے دوا کی شیشی آڑ میں کر لی..... کیشپ کی پھنکار ایک بار پھر گونجی۔ ''تو میرا خیال درست نکلا میرے کیبن سے غائب ہونے والی شیشی وہیں ہے جہاں کا میں نے اندازہ لگایا تھا۔ اور یہ حرکت یقیناً اس کتیا کی ہوگی۔ کیوں ششما! پچھلی بار جو سزا تجھے بھگتنا پڑی تھی کیا وہ تیرے لیے کافی نہ تھی؟''

کیشپ آگے بڑھ آیا تھا اور اب میں بھی اس کے چہرے کو دیکھ سکتا تھا۔ جو غصہ سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

ششما صیاد کے جال میں پھنسی ہوئی چڑیا کی مانند سہمی سہمی نظروں سے کیشپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اور خوف کی زیادتی سے چہرہ ایک دم سفید ہو گیا تھا۔

''لا..... دوا کی شیشی میرے حوالے کر!'' کیشپ نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے۔

ششما نے یوں ہاتھ پشت کی طرف کر لیے جیسے دوا کی شیشی اسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ اسے کیشپ کی نظروں سے بچانا چاہتی ہو۔

''ضد مت کر۔ دوا میرے حوالے کر دے۔ شاید میں ایک بار پھر تیری غلطی معاف کر دوں۔ تیرے باپ نے میری بہت خدمت کی ہے۔'' کیشپ نے یوں کہاں جیسے شریر بچے کو سمجھا رہا ہو۔

مگر ششما ہاتھ جسم کی آڑ میں کیے کھڑی رہی۔ وہ شاید کیشپ کی توجہ اپنی طرف مبذول کیے رکھ کر کلدیب کور کو دوا چھپانے کا موقع دینا چاہتی تھی اس کے چہرے پر اب خوف کے آثار نہیں تھے۔ بڑی پرسکون اور مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ جیسے آئندہ ہونے والی کسی بات کا اُسے کوئی خوف رہا نہ فکر۔

کیشپ ششما کی طرف جھپٹا۔ ششما نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی مگر اس کو حرکت کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا کیشپ نے اس کے دونوں ہاتھ کندھوں سے ذرا نیچے پکڑ لیے اور بڑی زور سے انہیں جھٹک کر سامنے کی طرف کھینچا۔ ششما کی تکلیف سے چیخ نکل گئی۔ اس کے ہاتھ کیشپ کے سامنے آ گئے جنہیں خالی دیکھ کر منحوس بڈھا بری طرح جھنجھلا اُٹھا۔

''تو مجھ سے بلی اور چوہے کا سا کھیل رہی تھی۔'' کیشپ نے ششما کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتی آواز میں کہا۔ ''میں ایسی گستاخیاں برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

گلریا کا آدم خور

گلریا کا آدم خور برٹش آرمی کے ایک سابق بریگیڈیئر جمشید ار جاسپ خان کیانی کی آپ بیتی ہے، جسے عبیدہ اللہ بیگ نے کہانی کی شکل میں تحریر کیا ہے۔ **گلریا کا آدم خور** ۴۰ کی دہائی کی ایک شکاری مہم ہے جو ایک طرف اُس وقت کے راجھستان اور راجھستانی راجاؤں کی آن بان کی خوبصورت تصویر پیش کرتی ہے تو دوسری طرف تقسیم ہندوستان اور قیام پاکستان کی راہ میں آنے والی سیاسی ریشہ دوانیوں اور ان دیکھی قوتوں کی پس پردہ سازشوں سے نقاب اُٹھاتی ہے۔ اس داستان میں بعض ایسے حقائق بیان کیے گئے ہیں جو اس خطہ کے جغرافیائی نقشہ کو کسی اور ہی رخ سے پیش کرتے ہیں۔ یہ کتاب آپ بہت جلد کتاب گھر پر دیکھ سکیں گے۔

پتا نہیں کیا بات تھی کہ خوفزدہ نہ ہوتے ہوئے بھی ششما پتے کی طرح لرز رہی تھی۔ یکلخت اس کے جسم کی لرزش رک گئی۔ اس کے ہونٹوں سے دبی دبی سسکیاں نکلیں پھر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ اور جسم یوں ڈھیلا پڑ گیا جیسے اس میں جان نہ رہی ہو۔ کیشپ نے اس کے ہاتھ چھوڑے تو وہ مجھ پر گر پڑی۔ گرتے ہوئے اس کے چہرے کی آخری جھلک مجھے نظر آئی۔ اگر میں کانپ سکتا تو یقیناً اس کی بانچھ سے بہہ نکلنے والی سرخ لکیر کو دیکھ کر کانپ اُٹھتا۔

مجھے ایک دم زرداد بیگ یاد آیا جس کی موت بالکل اسی انداز میں واقع ہوئی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ اس بار ششما موت کی دائمی نیند سو گئی تھی۔ اس نے مجھے بچانے کی کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھو لیے تھے۔ وہ مجھ پر نچھاور ہوگئی تھی۔

ایک اور پھول اپالو کی نذر ہوگیا تھا۔

ششما..... بڈھے کے غضب کا شکار ہوگئی تھی اور میں ذہنی طور پر سن کا سن رہ گیا تھا۔ بڈھے پر اتنے خون قرض ہو چکے تھے کہ میں اس کی ایک جان سے کس طرح ان کا بدلہ چکاتا؟

ششما کو چھوڑ کر کیشپ کلدیب کور کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ اندازہ لگانا کوئی دشوار امر نہ تھا کہ شیشی اگر ششما کے ہاتھوں میں نہ تھی تو کلدیب ہی کے پاس رہی ہوگی۔

وہ دونوں میری نظروں سے اوجھل تھے۔ اس لیے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ واقعات کس طرح پیش آئے ہوں گے کلدیب کور دوا کی شیشی چھپا سکتی تھی یا اس کی یہ کوشش ناکام رہی تھی بڈھے نے خود شیشی پالی تھی۔ اسے شیشی کلدیب کور نے لوٹائی تھی۔ میں کوئی بات صاف صاف نہیں دیکھ سکتا کیونکہ میں کچھ دیکھ ہی نہیں سکا تھا اور سنی جانے والی آوازوں میں سے کوئی واضح اندازہ بھی نہیں لگا سکا تھا۔ مجھے کلدیب کور کی دبی دبی چیخیں سنائی دی تھیں۔ کیشپ کے ہاتھ چلنے اور کلدیب کے جسم سے ٹکرانے کی آوازیں ابھری تھیں۔ چند لمحوں بعد کیشپ مجھے نظر آیا تھا۔ تو دوا کی شیشی اس کے ہاتھوں میں تھی۔

میں بڑا مایوس ہوا تھا۔ نتیجہ کچھ نہیں نکلا تھا۔ ایک معصوم زندگی کی قربانی رائیگاں گئی تھی۔ ایک پھول شبنم کے قطروں کو ترستا ہوا مسل دیا گیا تھا۔

کیشپ دوا لے کر جس برقی رفتاری سے کیبن میں داخل ہوا تھا اسی تیزی سے نکل گیا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ وہ جلدی واپس لوٹے گا۔ اب مجھے کلدیب کور کے پاس نہیں چھوڑا جائے گا۔ پھر ششما کی لاش بھی ٹھکانے لگانا ہوگی۔ اور یہ سب کچھ جلد از جلد ہونا اس کے لیے ضروری تھا۔ گویا میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ میرے ذہن میں کوئی واضح اسکیم بھی نہیں تھی۔ لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ اگر کیشپ میرے ساتھ جزائر کالدیب پہنچ گیا تو پھر اسے مجھ پر دوائیں آزمانے سے کون روک سکتا تھا۔

''کلدیب..... کلدیب!'' میں نے کلدیب کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔

کلدیب کی سسکیاں رک گئیں۔ وہ میرے پاس آگئی اور میں اس کا چہرہ دیکھ کر سناٹے میں آگیا۔ اس کا چہرہ بڈھے کے منحوس

ہاتھوں کی چوٹ کھا کر بری طرح داغدار ہو رہا تھا۔ کئی جگہ سے کھال پھٹ گئی تھی۔ اور خون رس رہا تھا۔

''کیا ہے؟'' اس نے خود کو سنبھال کر مجھے پوچھا۔

''بڈھا اب مجھے تمہارے پاس ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ تم مجھے روکنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔ ورنہ وہ تمہیں بھی نہ چھوڑے گا۔ اسے اب تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''کچھ بھی ہو..... میں اب تم سے جدا نہ ہوں گی۔'' کلدیب نے بچکانہ انداز میں ضد کی۔

''تو پھر ہمارا انجام ششما سے مختلف نہ ہوگا۔'' سنبھلو کلدیب! تم الگ رہ کر شاید کچھ کر سکو؟''

''میں کیا کر سکتی ہوں۔ کاش میں کچھ کر سکتی۔'' کلدیب نے بری حسرت سے کہا۔

''تم بہت کچھ کر سکو گی۔ غور سے سنو!''

کلدیب سنجیدہ ہو گئی اور پوری طرح میری طرف متوجہ ہو گئی۔

''میں چاہتا ہوں..... میرا کچھ بھی حشر ہو لیکن بڈھا کیپٹ نہ بچ پائے۔ تم جب تنہا رہ جاؤ تو کسی طرح کوشش کر کے کیبن سے بھاگ نکلنا۔ اس جہاز پر کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو کیپٹ کے لیے مشکلات کھڑی کر سکتے ہیں۔ اگر خوش قسمتی سے تم ان لوگوں تک پہنچ جاؤ تو ان کی حمایت حاصل کر لینا تمہارے لیے کوئی مشکل بات نہ ہوگی۔؟''

''کیسے.....؟''

''تم ان لوگوں کو بتانا کہ ان سب کی زندگیاں خطرے میں ہیں کیونکہ کیپٹ کے حکم پر کپتان نے جہاز کا رخ سیلون کے راستے سے جزائر کالدیب کی طرف موڑ دیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ جاننے کے بعد وہ لوگ خود ہی سب کچھ سمجھ لیں گے۔ اتنا اور بتا دینا کہ کیپٹ پر ایک یا دو آدمی قابو نہ پا سکیں گے۔ اس کی موت کے لیے ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے کہ سب مل کر ایک ساتھ حملہ آور ہوں اور اچانک حملہ کریں تو شاید وہ کامیاب ہو جائیں۔''

''مگر کنور.....! اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا۔''

''کیپٹ اگر راستے سے ہٹ گیا تو اس کا امکان ہے کہ تم دوا حاصل کر کے مجھ پر استعمال کر سکو۔''

خدا جانے بات پوری طرح کلدیب کی سمجھ میں آئی تھی یا نہیں مجھے کچھ اور کہنے یا سننے کی مہلت نہیں ملی کہ میں اس سلسلے میں اپنا طمینان کر سکتا۔

کیپٹ کیبن میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ جہاز کا کپتان اور شاید دو خلاصی تھے۔

کیپٹ نے فوراً کہا۔ ''پاتھا کو تم ہی اطلاع دینا کہ ششما کا کیا ہوا اسے اس طرح یہ بات بتانا کہ ششما کی موت کا باعث ارسلان ہی نظر آئے۔ اسے اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی میں نہیں چاہتا کہ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کوئی حماقت کر بیٹھے اور میں اسے بھی ختم کرنے

پر مجبور ہو جاؤں اور اس آدمی کو سزا دینا تمہارا اپنا کام ہے جس نے اپنے فرض سے کوتاہی برتی۔ اگر وہ کمبخت ششما کو اندر نہ آنے دیتا تو لڑکی اس انجام کو ہرگز نہ پہنچتی۔''

''میں اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔'' جہاز کے کپتان نے بڑی سفاکی سے کہا۔

''تم جانو..... اس لڑکی کو میں نے تمہیں سونپا۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ تابوت تم میرے کمرے میں پہنچا دو اور جہاز کی رفتار تیز کرا دو۔ میں جلد از جلد جزائر کالدیب پہنچ جانا چاہتا ہوں۔''

''جہاز پوری رفتار سے سفر کر رہا ہے۔ راستے کی دشواریاں آڑے آنے لگی ہیں۔ زیر آب چٹانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مگر خطرے کی بات یہ ہے کہ موسم خراب ہوتا جا رہا ہے۔ فضا میں کسی بڑے طوفان کی آمد کا سا سناٹا ہے۔ کسی بھی لمحے جہاز طوفان کی زد میں آ سکتا ہے۔ اگر جزائر کالدیب کا خیال.....''

''نہیں..... جزائر کالدیب تک پہنچنا میرے لیے انتہائی ضروری ہے ہم ان جزیروں سے کتنی دور ہیں۔''

''چند گھنٹے کا سفر باقی ہے۔''

کالدیب خاموشی سے بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔ جب خلاصیوں نے تابوت اُٹھایا تب بھی وہ خاموش رہی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

تابوت بند کر کے اُٹھایا گیا تھا۔ اس لیے میں نہیں دیکھ سکا کہ مجھے کس راستے سے لے جایا گیا اور کس کس نے تابوت دیکھا۔ کسی نے دیکھا بھی نہیں؟ مگر منزل کا مجھے علم تھا۔ خود کیپٹ نے حکم دیا تھا کہ مجھے اس کے کیبن میں لے جایا جائے۔ اس لیے جب تابوت کو دھچکے لگنا بند ہو گئے تو میں نے یقین کر لیا کہ میں کیپٹ کے کیبن میں پہنچ چکا تھا۔

''تابوت کو بند رہنے دیا گیا میں مکمل تاریکی میں بڑا ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ پتا نہیں کتنی دیر..... کتنے گھنٹے یونہی تاریکی میں کٹے۔ بظاہر ایک لمبی مدت کے بعد کسی نے تابوت کھولا۔ پہلا ڈھکن کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر ہڈیوں کے ڈھانچے کے حرکت کرنے کی آوازیں ابھریں میں نے کہیں قریب ہی کئی گراریوں کے حرکت کرنے کی آواز بھی سنی۔ اگر ہڈیوں کے ڈھانچے کے بارے میں کوئی شبہ رہتا تو وہ بھی اب دور ہو جانا یقینی تھا کیونکہ اس کی حرکت مشینی کل پرزوں ہی کی مرہون منت تھی جو شاید خودکار تھے یا پھر بیٹری سے بجلی پا کر حرکت میں آتے تھے جو تابوت ہی میں کسی جگہ پر پوشیدہ ہو سکتی تھی۔

چند لمحوں کے بعد دوسرا ڈھکن بھی اُٹھا دیا گیا لیکن کیبن میں مکمل تاریکی تھی۔ اس لیے میں فوری طور پر اندازہ نہ لگا سکا کہ تابوت کس نے کھولا تھا۔ امکانات اسی بات کے تھے کہ تابوت بڈھے نے خود کھولا ہو گا مگر کیوں؟..... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

لیکن میرا پہلا خیال بھی غلط نکلا۔ تابوت کھولنے والا کیپٹ نہیں پاتھا تھا۔ مجھے اندھیرے میں اس کے چہرے کے نقوش نظر نہیں آ سکے۔ صرف دھندلا سا خاکہ ہی دکھائی دیا۔'' لیکن اگر کوئی شبہ تھا تو وہ اس کی آواز سن کر دور ہو گیا۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں مجھے

مخاطب کر کے کہا تھا۔

''تم..... بڑے منحوس..... ثابت ہوئے..... میری معصوم بیٹی تمہاری وجہ سے موت کی نیند سو گئی ہے تم میرے سینے میں جلتی ہوئی آگ کا اندازہ نہیں لگا سکتے ایک جہنم سا دہک رہا ہے۔ اور اس جہنم کو بجھانے کے لیے مجھے تمہارے خون کی ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہے، تم زندہ ہو، لیکن اب نہ رہو گے۔''

مجھے کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے جیسے ہی تاریکی میں بجلی سی لہرائی میں پوری یکسوئی سے اسے حکم دیا۔

''رک جاؤ۔''

پاتھا کا تیزی سے حرکت کرتا ہوا ہاتھ نیچے آتے آتے رک گیا اس کے ہاتھ میں چمکدار پھل والا چاقو تھا جس کی چمک مجھے بجلی کی لہر کی طرح نظر آئی تھی۔ چاقو کے پھل پر پڑنے والی روشنی شاید پورٹ ہول سے آتی ہوئی تاروں کی چھوٹ رہی ہوگی۔ ورنہ اندھیرے میں کیسا بھی چمکدار چاقو ہو چمک نہیں سکتا۔''

''تم..... میری..... آواز سن رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں..... مگر کیسے؟'' پاتھا کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

''میرا جسم بے حس و حرکت ہے مگر میں بے بس تو نہیں ہوں۔ میں تمہیں اپنے اوپر چاقو کیسے چلانے دیتا؟''

''مگر تم کیسے روک سکتے ہو؟''

''میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ چاہوں تو تم یہیں فرش پر خون چاٹتے نظر آؤ۔''

''مگر کیسے؟'' پاتھا کی آواز میں خوف کی لرزش تھی۔

''یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ نہ میں سمجھانے کے موڈ میں ہوں مجھے تم پر غصہ آ رہا ہے۔ اپنی بیٹی کی موت کے باعث تم خود ہو اور پھر یہ کیا حماقت ہے کہ جس نے تمہاری بیٹی کو مارا اسے کچھ نہیں کہتے مجھے ختم کرنے کی سوچ رہے ہو۔''

''مقدس بابا کے خلاف..... کچھ نہیں کیا جا سکتا وہ مقدس ہے بڑی عظیم طاقت والا..... خدا کا مخصوص بندہ!''

''تم دنیا کے سب سے بڑے احمق ہو!'' میں نے جیسے غصے میں کہا۔ ''میں تمہارے اس بڈھے سے زیادہ عظیم قوتوں کا مالک ہوں جسے تم اپنی حماقت سے مقدس گردانتے ہو اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس کو ختم کر دو۔''

''جیسی آپ کی مرضی!'' پاتھا کے انداز سے بے بسی جھلکنے لگی۔

''وہ کہاں ہے؟''

''کپتان کے کیبن میں مگر وہ یہاں آتا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔ اسے آنے دو۔ تم یہیں کہیں چھپ جاؤ بینکر کے نیچے جگہ ہو تو وہاں ورنہ پھر باہر کہیں۔ جب بڈھا آئے اور آرام

کرنے کے لیے بستر پر چلا جائے تو اس کے سونے کا انتظار کرو..... پھر..... پھر اسی چاقو سے..... اس کو ختم کر دو سمجھے!''

''سمجھ گیا..... ایسا ہی کروں گا۔!'' پاتھا نے کہا اور کیبن میں چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ پھر شاید جگہ نہ ملنے پر وہ باہر چلا گیا۔

کیپٹ چند منٹ بعد لوٹا۔ تو مجھے احساس ہوا کہ مجھ سے ایک غلطی ہوگئی تھی مجھے چاہیے تھا کہ میں پاتھا کو حکم دیتا کہ جانے سے پہلے وہ تابوت کو بند کرتا جائے میرا خیال ہے کہ بڈھا تابوت کھلا دیکھ کر ضرور چونکے گا لیکن یا تو مجھے معلوم نہیں ہو سکا یا پھر اس نے دھیان ہی نہیں دیا کہ تابوت کھلا ہوا تھا۔ دھیان نہ دینے کی وجہ تھکن کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی کیونکہ کیپٹ نے فوراً بستر کا رخ کیا تھا اور بستر پر لیٹنے کے چند منٹ بعد ہی کیبن میں اس کے خراٹے گونجنے لگے تھے پندرہ بیس منٹ اور گزرے پھر کیبن کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور تقریباً بے آواز کوئی کیبن میں داخل ہوا۔ جب اس نے دبے قدموں چلتے ہوئے کیپٹ کے بستر کا رخ کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پاتھا ہی تھا۔

پھر اچانک کیبن میں کیپٹ کی آواز گونجی۔ ''پاتھا..... رک جاؤ۔'' عموماً کیپٹ کا حکم فوراً مان لیا جاتا ہوگا اس لیے غالباً حکم دینے کے بعد کیپٹ نے کوئی حرکت نہیں کی یا پھر دیر میں حرکت کی ہوگی۔ کیونکہ پہلے کیپٹ کی ہلکی سی چیخ سنائی دی پھر پاتھا سے ہاتھا پائی کی آواز آنے لگی۔ کیپٹ نے دو تین بار پھر پاتھا کو ہاتھ روکنے کا حکم دیا تھا مگر شاید پاتھا پر اس کے حکم کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی تھی کہ وہ میری ذہنی قوت کے تابع رہتے ہوئے کیپٹ کی بات نہیں مان سکتا تھا یا پھر اس کے دل میں واقعی یہ بات گھر کر گئی ہوگی کہ کیپٹ ششما کا قاتل تھا۔ اور اگر کسی کا خون اس کے سینے کی آگ کو ٹھنڈا کر سکتا تھا تو یہ کیپٹ ہی ہو سکتا تھا وجہ بہر حال جو بھی ہو میرا خیال تھا کیپٹ پاتھا سے کمزور پڑ جائے گا۔ اور اس کے ہاتھوں اس فتنے کا خاتمہ آخر کار ہو ہی جائے گا۔ مگر محض میری خوش نصیبی تھی۔ لڑنے والوں کے منہ سے جو آوازیں نکل رہی تھی ان سے مجھے یہی اندازہ ہوا کہ ابتدائی لمحات کے فوراً بعد ہی بڈھا کیپٹ پاتھا پر حاوی آنے لگا تھا۔ اگر مجھے کوئی امید باقی رہی تھی تو وہ بھی اس وقت خاک میں مل گئی جب جہاز کا کپتان بڈھے کی مدد کو پہنچ گیا۔

کپتان نے پہلے کیبن کے دروازے پر دستک دی تھی۔ مگر کوئی جواب نہ پا کر دھینگا مشتی کی آوازیں سن کر اندر آ گیا تھا آتے ہی اس نے بتی روشن کی تھی اور پھر چند سیکنڈ میں حالات کا جائزہ لے کر وہ بڈھے کی مدد کے لیے پاتھا پر پل پڑا تھا۔

چند لمحے بعد دھینگا مشتی کی آوازیں معدوم ہو گئیں۔ صرف ہانپنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

''کیوں..... پاتھا! یہ کیا حرکت تھی؟'' کیپٹ کی لرزتی ہوئی آواز بھری۔ ''آخر تم اس وقت یہاں کیوں آئے تھے؟ کیا یہ تابوت تم نے ہی کھولا تھا۔؟''

شاید پاتھا نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا ہوگا۔ کیونکہ کیپٹ نے دوبارہ کہا۔ ''میرا بھی کچھ ایسا ہی اندازہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے اور امید تھی کہ تم یقیناً میرے گھات میں کہیں آس پاس ہی موجود ہوں گے جبھی تو میں نے کیبن کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور سوتا بن گیا۔ مگر یہ سب کیوں؟ آخر تم نے تابوت کیوں کھولا تھا۔؟''

''میں اسے مارنے آیا تھا۔ میری بیٹی کی موت کا باعث جو تھا۔'' پاتھا نے جواب دیا۔ شاید وہ میرے اثر سے نکل چکا تھا۔

''پھر تمہیں کس نے روکا تھا۔تم تابوت کھول ہی چکے تھے پھر تم نے اسے کیوں نہیں مارا؟''

''مجھے خود اس نے روک دیا تھا؟'' پاتھا نے کہا۔

مجھے اپنی ایک اور غلطی کا احساس ہوا۔میں نے پاتھا کو احکامات کے علاوہ باقی سب کچھ بھول جانے کا حکم نہیں دیا تھا۔میں نے اس کی یا تو ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی یا یہ نکتہ میرے ذہن سے بالکل ہی نکل گیا تھا۔بہرحال گزشتہ پر پچھتانا میں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

''اس نے روک دیا تھا۔؟'' کیشپ نے حیرت سے کہا پھر جیسے بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔کیونکہ اس نے فوراً ہی اضافہ کیا۔

''تو پھر اسی نے مجھے مارنے کے لیے بھی کہا ہوگا اور اسی لیے تم میری بات نہیں سن سکے تھے۔''

''پپ..... پتہ.....نہیں!'' پاتھا نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''ضرور یہی بات رہی ہوگی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ذہن میں ابھی کہیں نہ کہیں مجھے مارنے کا خیال ضرور چھپا ہوا ہوگا اور موقع ملتے ہی.....ادھر دیکھو۔'' کیشپ کی آواز سخت ہوگئی تھی۔

اس کے بعد چند لمحے خاموشی رہی پھر اچانک میرے برابر فرش پر کسی بھاری چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی۔مجھے خیال آیا کہ یہ پاتھا کا بے جان جسم ہوگا۔اس کی موت بھی اسی طرح ہوئی ہوگی جس طرح اس کی بیٹی مری تھی۔میرے خیال کی فوری تصدیق ہوگئی۔

''اسے کیا ہوا؟'' کپتان کی تحیر آمیز آواز سنائی دی۔''یہ اس کے منہ سے خون کیسا بہہ رہا ہے۔کیا یہ مر گیا؟''

''ہاں۔'' بڑی سفاکی سے کیشپ نے جواب دیا۔''میں آستین میں سانپ پالنے کا قائل نہیں ہوں میں نے اس کو مار دیا۔''

''بابا.....تو عظیم ہے!'' کپتان کی آواز میں شاید خوف کی لرزش تھی۔

''مگر تم عین وقت پر کیونکر آ گئے تھے؟''

''میں آپ کو بتانے آیا تھا کہ کلدیب کور کسی طرح میرے آدمی کو چوٹ دے کر اپنے کیبن سے فرار ہوگئی ہے۔''

ریشمی خطرہ

مسعود جاوید کے باصلاحیت قلم کی تحریر۔جرم وسزا اور جاسوسی وسراغرسانی پر ایک منفرد تحریر۔ایک ذہین قابل اور خوبصورت خاتون (پرائیوٹ) سراغرساں کا دلچسپ قصہ،ایک مجرم اس پر فریفتہ ہوگیا تھا۔ان کی ممکنہ شادی کی شرط بھی عجیب وغریب تھی۔ایک نہایت دلچسپ سنسنی خیز ناول۔سراغرساں کے نام کی مناسبت سے ایک خاص ترتیب سے کون قتل کر رہا تھا؟ جاننے کے لیے پڑھیے.....**ریشمی خطرہ**.....جو کتاب گھر کے **جاسوسی ناول** سیکشن میں دستیاب ہے۔

''اوہ!'' کیپٹ چونک پڑا۔ لیکن دوبارہ جب وہ بولا تو اس کی آواز پرسکون تھی۔ اسے تلاش کرو۔ وہ ہمارے لیے کوئی نئی مشکل کھڑی کردے گی۔''

''وہ کیا کرسکتی ہے؟'' کپتان نے ہنس کر کہا۔

''یقیناً کچھ کرسکتی ہے ورنہ فرار نہ ہوتی۔ جاؤ اسے جلد از جلد تلاش کرو۔ اور اس مرتبہ اسے زندہ نہ چھوڑنا سمجھے۔ یہ میرا حکم ہے؟''

''جیسا بابا کہتے ہیں۔ ویسا ہی ہوگا۔'' کپتان نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور کیبن سے چلا گیا۔

اب کیپٹ میری طرف مڑا۔ وہ مجھ پر جھکا اور میری آنکھوں میں یوں دیکھنے لگا جیسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو۔ مجھے اس کی آنکھوں میں ناکامی کا درد اور اپنے لیے گہری موت کے سائے نظر آئے۔

وہ کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ میرا زہر تمہارے ذہن کو ناکارہ نہیں کرسکے گا۔ شاید اس وجہ سے کہ مجھے ابھی تک علم نہیں تھا کہ تم اپنی غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں سے واقف ہو چکے ہو۔ میرا خیال تھا کہ تم ابھی تک خود فراموشی کے عالم میں ہو۔''

''وہ تو میں ہوں!'' میں نے اس کے ذہن کو چھونے کی کوشش کی مجھے کامیابی کی کم ہی امید تھی۔ کیونکہ میرا خیال تھا' وہ میری صلاحیتوں سے واقف ہونے کی بناء پر میری طرف سے ہوشیار ہوگا۔ مگر جب وہ بولا تو میرا دل جیسے مسرت سے اچھلنے لگا۔

اس نے کہا۔ ''حیرت انگیز! بالکل یہی محسوس ہوا تھا جیسے تم بول اُٹھے ہو؟'' اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے غور و فکر کے آثار نمودار ہوئے پھر وہ بولا۔ ''مگر یہ نہ سمجھنا کہ تم اپنی ذہنی قوت پر مجھ پر استعمال کرسکو گے۔ اگر میں اپنے ذہن کو کھلا نہ چھوڑتا تو تم میرے ذہن کو ہرگز متاثر نہ کرسکتے!''

''تو پھر تم بھی مجھ پر اپنی غیر معمولی قوتیں استعمال نہیں کرسکتے۔ ہمارا مقابلہ محض جسمانی رہ گیا ہے اور یہ اندازہ تو تمہیں ہوگا ہی کہ کس میں جسمانی قوت زیادہ ہے۔'' میں نے کہا۔

جواب میں کیپٹ نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔ پھر وہ بولا۔ ''میں تم پر بھاری پڑتا ہوں کیوں کہ میں حرکت کرسکتا ہوں اور تم اپاہج ہو، مجبور و بے بس اور محض چند گھنٹوں کے مہمان۔''

''کیا مطلب؟'' میں جیسے چونک پڑا۔

''کیوں..... سمجھے نہیں؟'' کیپٹ نے لطف لیتے ہوئے کہا۔ ''پہلے میرا خیال تھا کہ میں تمہیں زندہ رکھوں گا۔ تمہارے ذہن کو دواؤں کے ذریعے ناکارہ بنا کر تمہیں اپنا مطیع کرلوں گا۔ اور کٹھ پتلی کی طرح استعمال کروں گا۔ مگر تمہارے ذہن کی غیر معمولی قوتوں کے بیدار رہنے کی صورت میں یہ کام بہت مشکل ہو جاتا ہے اور میں غیر معمولی خطرے مول لینے کا قائل نہیں ہوں۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔!''

اس کا اشارہ پا تھا اور اس کی لڑکی کی طرف رہا ہوگا۔ مگر میں ان کے بارے میں کچھ نہیں سوچ رہا تھا۔ اصل خطرہ جو مجھے درپیش تھا وہ میری سمجھ میں آنے لگا تھا۔ تصدیق کی خاطر میں نے پوچھا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔؟''

جواب میں کیپٹن میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ وہ دوبارہ مجھے نظر آیا تو اس کے ہاتھ میں وہی شیشی تھی۔ جس میں زہر کا توڑ کرنے والی دوا تھی۔ میرا دل جیسے ڈوبنے لگا۔

''یہ دوا تمہارے مرض کا واحد علاج تھی۔ اس کی تیاری میں کم سے کم چوبیس گھنٹے لگتے ہیں اور اب میں اس دوا کو پورٹ ہول کے ذریعے باہر پھینک رہا ہوں تم اپنے انجام کے بارے میں خود سوچ لو کیا ہوگا؟''

میں نے بوکھلا کر کیپٹن کے ذہن کو متاثر کرنے کی کوشش کی اور اسے ذہنی طور پر حکم دیا۔ ''کیپٹن! رک جاؤ! تم یہ دوا نہیں پھینک سکتے۔''

مگر کیپٹن پر میرا یہ غیر معمولی حربہ بیکار ہی ثابت ہوا۔ مجھے پورٹ ہول کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر شیشی کے خالی ہونے کی آواز ابھری اور پھر کسی چیز کے پانی میں گرنے کی بہت ہلکی آواز کانوں میں آئی۔ پانی میں گرنے والی چیز خالی شیشی کے سوا کیا ہو سکتی تھی۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے گرنے کی آواز میرے ذہن کی پیداوار رہی ہو۔ کیونکہ پورٹ ہول کھلنے پر سمندر کا غضبناک شور سنائی دیا تھا۔ اور اس شور میں بھلا شیشی کے گرنے کی نحیف و نزار آواز کیا سنائی دیتی۔

کیپٹن کی فکرمند آواز سنائی دی۔ ''جہاز طوفان میں گھرا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ شاید ہم جزیروں کے بے حد قریب پہنچ چکے ہیں۔ حالانکہ اب وہاں تک جانے کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہی۔''

مگر مجھے اس کی باتوں سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ میں تو اس وقت بھی نہیں چونکا جب جہاز کا کپتان گھبرایا ہوا سا کیبن میں داخل ہوا اور بغیر کسی تمہید کے جلد از جلد کہنے لگا۔ ''لڑکی نے واقعی ایک مشکل پیدا کر دی ہے۔ اس نے سارے مسافروں کو بتا دیا ہے کہ آپ کے حکم سے جہاز کا رُخ جزائر کالدیب کی طرف موڑا گیا تھا جہاز اس وقت واقعی ایک طوفان میں پھنسا ہوا ہے۔ اس لیے لوگوں کو اس کا یقین آ گیا ہے اور وہ بہت غصے میں جمع ہو کر اس طرف آ رہے ہیں۔''

کیپٹن نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''گھبراؤ مت انہیں آنے دو میں ان سب کو بیک وقت سنبھال سکتا ہوں۔ پھر تم انہیں یقین دلا دینا کہ تم جہاز کا رخ واپس سیلون کی طرف موڑ رہے ہو اور تم حقیقتاً جہاز کا رخ موڑ سکتے ہو۔''

''واقعی.....'' کپتان کی آواز میں اطمینان لہرا اُٹھا۔

''ہاں..... میں نے جزائر کالدیب جانے کا ارادہ بدل دیا ہے۔''

کیپٹن کی بات پوری نہ ہو پائی تھی کہ کیبن کے دروازے پر کئی ہاتھ اکٹھے پڑے اس کے ساتھ ہی لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دی۔ وہ کپتان اور اس کے ساتھیوں کو سامنے آنے کے لیے للکار رہے تھے۔

کپتان جیسے ہی باہر نکلا لوگوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ مجھے کچھ ایسی ہی آوازیں سنائی دی تھیں جن میں کپتان کی خوفزدہ آواز بھی احتجاج کرتی ہوئی شامل تھی۔

پھر کیپٹ کیبن سے باہر نکلا اور یکلخت مجمع پر یوں خاموشی طاری ہوگئی۔ جیسے موت کے فرشتے نے بیک وقت ان سب کی روحیں قبض کر لی ہوں یا انہوں نے کوئی انتہائی خوفناک چیز دیکھ لی ہو۔''

میرا خیال ہے دوسری بات ٹھیک رہی ہوگی۔ کیپٹ نے ذہنی قوتوں کو کام میں لاتے ہوئے خود کو ان سب کے سامنے انوکھے اور خوفناک کردار میں پیش کیا ہوگا۔ وہ سب جس کیپٹ کو دیکھ رہے ہوں گے وہ یقیناً بڈھا اور نحیف ونزار نہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ کسی جن، دیو یا کسی آتشیں وجود کو اپنی آنکھوں کے سامنے پا رہے ہوں۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ کیپٹ نے بولنا شروع کر دیا تھا بڑے اطمینان اور سکون سے وہ انہیں اپنے اپنے کیبن میں جانے کا حکم دے رہا تھا اور اس کے خاموش ہوتے ہی اس کی ہدایت پر عمل بھی شروع کر دیا گیا ہوگا کیونکہ مجھے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

پھر سمندر کے خوفناک شور کے سوا ہر آواز معدوم ہوگئی۔

خاموشی چھانے پر مجھے احساس ہوا کہ جہاز بہت بری طرح ڈول رہا تھا۔ پہلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ تابوت پر جھٹکے سے اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر کھسک جاتا تھا۔ جھٹکے اتنے ہی شدید رہے ہوں گے کہ تابوت ہلکے پھلکے ڈبے کی طرح اپنی جگہ سے حرکت کر اُٹھتا تھا۔

کیپٹ کیبن میں داخل ہوا۔ اس نے دروازہ بند کر کے میری طرف منہ کیا۔ پھر بولا۔ ''تم نے دیکھا وہ سب بھگی بلی بنے ہوئے اپنے اپنے کیبنوں کی طرف چلے گئے۔ صرف کلدیب رہ گئی تھی اسے جہاز کے کپتان نے سنبھال لیا۔ اب وہ اس کا گلا گھونٹ رہا ہوگا یا شاید وہ اسے فوری طور پر ہلاک نہ کرے۔ اپنے لیے چند لمحے لطف ومسرت کے مہیا کرے۔ میں نے اسے اجازت دے دی تھی۔ اس کا جو دل چاہے کرے مگر اسے جلدی مرجانا چاہیے۔''

مجھے اس لمحے کسی بات کو ہوش نہیں تھا۔ میری موت یقینی ہو چکی تھی۔ پھر بھلا کسی کے بارے میں کیا سوچ سکتا تھا۔ میرا دل اگر چاہ سکتا تو یہی چاہتا کہ میں آنکھیں بند کر لوں اور آرام سے سو جاؤں۔

اپالو تھک گیا تھا!

بہت تھک گیا تھا!

اور سو جانا چاہتا تھا!

موت کی میٹھی نیند!

کیپٹ نے جھک کر فرش پر سے کچھ اٹھایا پھر وہ میری طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں پاتھا کا چمکدار چاقو تھا۔

''پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں تمہاری بے بسی کا مزہ کچھ دیر اور دیکھوں گا۔ مگر اب میں بہت تھک گیا ہوں اور کچھ دیر آرام سے بے فکر ہو کر سو رہنا چاہتا ہوں۔ اور اب بے فکری اسی وقت نصیب ہوگی جب تمہاری موت کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا۔''

میں سمجھ گیا کہ اس کا کیا ارادہ تھا۔ مگر مجھے کوئی ڈر یا خوف محسوس نہیں ہوا۔ میں شاید خود ہی اپنی زندگی سے تنگ آ گیا تھا۔

میں اپالو تھا!

جو میرے قریب آیا فنا ہو گیا!

میں تباہی و بربادی کا مجسمہ!

تباہی و بربادی دیکھتے دیکھتے تنگ آ گیا تھا۔!

اور خود فنا ہونا چاہتا تھا!

کیشپ چمکدار پھل والا چاقو لے کر میرے اوپر جھکا۔ اس کا ارادہ میرے دل کو چھیدنے کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ یا وہ میری گردن کاٹ ڈالنا چاہتا ہوگا۔ ہو سکتا ہے۔ میرے ذہن کو کچوکے لگانا چاہتا ہو۔

''کیا میں کچھ تکلیف محسوس کروں گا؟'' میں نے سوچا۔

''تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔'' جیسے کیشپ نے میرے تردد کو دور کرنا چاہا۔

اس کا خنجر والا ہاتھ میری آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ پھر آہستہ آہستہ چاقو نیچے آنے لگا۔ پھر چاقو نیچے آنے کی رفتار تیز ہو گئی۔ خنجر کی نوک میری آنکھوں کے بیچ میں پیشانی کو نشانہ بنانا چاہتی تھی۔

اگر میں آنکھیں بند کر سکتا تو شاید آنکھیں بند کر لیتا۔ اگر چیخ سکتا تو چیخ پڑتا۔ مگر میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا بے بسی سے پڑا خنجر کی نوک کو اپنی پیشانی کی طرف آتا دیکھتا رہا۔

دیوانہ ابلیس

عشق کا قاف اور **پکار** جیسے خوبصورت ناول لکھنے والے مصنف سرفراز احمد راہی کے قلم سے حیرت انگیز اور پراسرار واقعات سے بھرپور، سفلی علم کی سیاہ کاریوں اور نورانی علم کی ضوفشائیوں سے مزین، ایک دلچسپ ناول۔ جو قارئین کو اپنی گرفت میں لے کر ایک ان دیکھی دُنیا کی سیر کروائے گا۔ سرفراز احمد راہی نے ایک دلچسپ کہانی بیان کرتے ہوئے ہمیں ایک بھولی کہانی بھی یاد دلا دی ہے کہ گمراہی اور اَن دیکھی قباحتوں میں گھرے انسان کے لئے واحد سہارا خدا کی ذات اور اس کی یاد ہے۔ **کتاب گھر پر جلد آرہا ہے۔**

اسی وقت ایک بڑے جھٹکے کا احساس ہوا۔ خنجر میری پیشانی میں گھسنے کی بجائے تابوت کی دیوار سے لگا اور اسے چیرتا ہوا نیچے تک چلا گیا۔

کیپٹ نے گندی سی گالی دی اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اچانک جھٹکے سے وہ شاید فرش پر جا رہا تھا۔

''یہ طوفان معلوم ہوتا ہے کچھ کر کے رہے گا۔'' کیپٹ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''وہ شاید دوبارہ چاقو اُٹھانے کی سوچ رہا تھا کہ جہاز کو ایک اور جھٹکا لگا پھر ایک اور..... پھر ایک اور!

پھر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی۔

چیزیں ٹوٹنے لگیں۔ لہروں کا شور، لوگوں کی چیخ و پکار اور کیپٹ کی ایک طویل لرزہ خیز چیخ! میرے کان پھٹنے لگے۔

تابوت اب یوں ہچکولے کھا رہا تھا جیسے وہ خود ایک تنکا ہو اور سمندر کی طوفانی موجوں کے تھپیڑے کھا رہا ہو۔

پھر تابوت الٹ گیا میں اس میں چند لمحے الجھا رہا پھر اس میں سے نکل کر سمندر کے پانی میں جا رہا۔

میرا بے حس و حرکت جسم سمندر کی سطح پر ڈولتا محسوس ہوا اور پھر نیچے تہہ کی طرف بیٹھنے لگا۔ آہستہ آہستہ پانی کے بے پناہ بوجھ میں اضافہ ہوتا گیا اور زیادہ.....اور زیادہ!

یقینی موت کا سامنا کرتے کرتے اچانک میرے دل میں جذبات کا طوفان اُمڈ آیا۔ زندہ رہنے کی بے پناہ اور شدید خواہش طوفان انداز میں کروٹیں لینے لگی۔ میرا انگ انگ جیسے زندہ رہنے کے لیے تڑپنے لگا۔

مگر کیا میرے لیے زندہ بچ رہنے کا کوئی امکان باقی رہا تھا۔؟

کیا بچ نکلنے کی کوئی راہ باقی تھی؟

کیا ہاتھ پاؤں مارے بنا بے رحم سمندری موجوں سے نپٹنے کی کوئی صورت تھی۔؟

زندگی مجھے عزیز تھی لیکن کیا میں بھی اسے کسی صورت عزیز ہو سکتا تھا۔؟

میں نے جتنا ان سوالوں پر غور کیا میں نے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔

دل ڈوبتا محسوس کیا۔

دل ڈوبتا محسوس کیا؟

اوہ! میں چونک پڑا.....کیا واقعی میرا دل ڈوب رہا تھا۔؟

مجھے واقعی اپنا دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تکلیف کا بھی احساس ہونے لگا تھا اور یہ ایک عجیب و غریب بات تھی آخر ایسا کیونکر ہو سکتا تھا جب سے میرے جسم نے حرکت کرنی چھوڑی تھی۔ مجھے کسی بھی تکلیف کا احساس نہیں رہا تھا۔ پھر اب اچانک آخر کیا بات ہو گئی تھی میرے ذہن میں استعجابی سوالات کے جھماکے سے ہونے لگے تھے اور میں نے حقیقتاً دھڑکتے دل کے ساتھ سوچا کہ میرا جسم کیا

واقعی اب حرکت کرنے کے قابل ہو چکا ہے؟

مجھے فوراً ہی اس بات کا جواب اثبات میں ملا میں سمندر کی تہہ میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ خود کو سطح کی طرف اُٹھانے کے لیے میں نے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی اور پھر یہ محسوس کر کے مسرت سے کانپ اُٹھا کہ میرے ہاتھ پاؤں حرکت کر رہے تھے۔ میرا جسم اب بے حس نہیں رہا تھا کیپٹ کے دیے ہوئے زہر کا اثر حیرت انگیز طور پر زائل ہو چکا تھا۔ اور مجھے اپنے جسم میں پہلے کی سی پھرتی اور توانائی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اندرون جسم ایک عجیب سی کیفیت کا بھی احساس ہوا تھا۔ جیسے ہزاروں لاکھوں چیونٹیاں، میرے جسم پر رینگ رہی ہوں۔ یہ احساس بالکل ایسا تھا جیسے دیر تک کسی دباؤ میں رہنے سے ہاتھ پیر سن ہو جاتے ہیں اور پھر اچانک حرکت کرنے پر ایک عجیب سی لذت آمیز تکلیف کا احساس ہوتا ہے دراصل یہ کیفیت رکے ہوئے دوران خون کا اچانک جاری ہونے کا ردِعمل ہوتی ہے۔

لیکن میں اپنی اس کیفیت پر زیادہ غور نہیں کر سکا میرا ذہن دوسرے مسائل میں الجھا ہوا تھا جن میں سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ میں جلد از جلد سطح سمندر تک پہنچ جاؤں۔ دم گھٹنے کی تکلیف اب انتہا کو پہنچ رہی تھی۔

پاؤں باندھ کر میں نے ماہرانہ انداز میں ہاتھوں کو حرکت دی اور میرا جسم تیر کی طرح اوپر کو اُٹھنے لگا۔ ذرا ہی دیر بعد میں اپنا سر پانی سے باہر نکالے ہوئے لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ خود کو سطح آب پر رکھنے کے لیے میں نے اپنے ہاتھ پیروں کی حرکت جاری رکھی تھی اور مجھے اس میں عمل میں کسی بھی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا تھا۔ یقینی امر ہے کہ مجھے تیرنا آتا تھا۔ میں کسی ماہر پیراک کی طرح موجوں کے تھپیڑے جھیل سکتا تھا۔ ان سے لڑتے ہوئے انہیں کاٹتے ہوئے فاصلے طے کر سکتا تھا لیکن مجھے اپنی اس نئی اور حیرت انگیز صلاحیت کے بارے میں جان کر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی۔ مجھ پر یہ راز بتدریج منکشف تھا اس لیے اب مجھے اپنی کسی نئی صلاحیت کی دریافت پر حیرت نہیں ہو سکتی تھی۔

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ رات بے حد تاریک تھی۔ سمندر کی موجیں بھی سیاہ عفریتوں کی طرح اچھلتی نظر آ رہی تھی۔ ڈوبتے ہوئے جہاز کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ غرق ہو چکا تھا اور یہ بات بھی ممکن تھی کہ سطح آب کی طرف ابھرتے ہوئے اس سے دور نکل آیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس جہاز کے مسافروں پر کیا گزری ہوگی۔ خاص طور پر کلدیب کور اور کیپٹ میرے ذہن میں آ رہے تھے۔ نہ جانے وہ زندہ بچے ہوں گے یا نہیں؟

لیکن اس وقت میرے لیے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ سمندر کی ان بپھری ہوئی لہروں سے لڑنے میں میرے قویٰ کب تک میرا ساتھ دے سکیں گے؟

بے رحم سمندر کی چنگل سے بچ نکلنے کے لیے ضروری تھا کہ میں فوری طور پر کسی سمت میں تیرنا شروع کر دوں لیکن سمت کا صحیح تعین ضروری تھا اگر خشکی کہیں قریب ہی موجود تھی تو مجھے اس سمت میں آگے بڑھنا چاہیے تھا کسی اور سمت کا چناؤ میری یقینی موت کا باعث ہوتا اور مجھے ابھی موت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

سمت کا انتخاب کرتے وقت میرے ذہن میں یہ خیال موجود تھا کہ موجوں کا رخ ہمیشہ مرکز سے دوری کی طرف ہوتا ہے اس لیے اگر ساحل قریب تھا تو موجوں کے ساتھ ساتھ چل کر اس تک پہنچا جا سکتا تھا۔ میں نے اٹھتی ہوئی لہروں کا رخ بھانپا اور سمت کا تعین کر کے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

میں برہنہ تھا اس لیے مجھے کپڑوں کے بوجھ سے بھی نجات ملی ہوئی تھی۔ میرے قویٰ مضبوط تھے اور میں تیرنے کے فن سے بھی واقف تھا اس لیے میری رفتار خاصی تیز تھی میں موجوں کو کاٹتا ہوا، بڑے اعتماد سے آگے بڑھ رہا تھا لیکن میں خود کو خطرے سے باہر اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا تھا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ مجھے کتنی دور تک تیرنا ہوگا۔

اچانک کوئی چیز مجھ سے ٹکرائی۔ میں نے اسے ایک ہاتھ سے ٹٹولا تو وہ انسانی جسم نکلا۔ بے جان انسانی جسم.....! اگر پانی میں کسی شخص کے رونگٹے کھڑے ہو سکتے ہیں تو اس وقت میرے رونگٹے بھی یقیناً کھڑے ہو گئے ہوں گے کیونکہ مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرا انجام بھی اس بدنصیب سے مختلف نہیں ہوگا۔ یقیناً وہ حرماں نصیب اسی جہاز کے مسافروں میں سے ہوگا۔ شاید اس کی بیوی بھی ہو۔ بچے بھی ہوں، والدین بھی ہوں اور بہن بھائی بھی! وہ سب اس کے منتظر ہوں گے لیکن جب انہیں اس جہاز کی غرقابی اور اس کے لاپتا ہونے کا علم ہوگا تو ان کی حالت دیدنی ہوگی کرب کے عالم میں وہ پچھاڑیں کھائیں گے مگر جانے والا لوٹ کر نہیں آ سکے گا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے ذہن میں خیال آیا کہ کیا اس دنیا میں ایسا بھی ہے جو میری موت کی اطلاع پر کرب والم سے گزر سکے؟ اگر کوئی ہستی ایسی اس دنیا میں موجود تھی تو میں اس سے بے خبر تھا ابھی تک تو مجھے یہی بات نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ کہ میں خود کون ہوں۔ میری شخصیت بدستور پردۂ اسرار میں پوشیدہ تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس لاش کو دھکیل کر اپنی راہ سے ہٹایا اور کچھ تیزی سے ہاتھ چلانا شروع کر دیے۔ میری پرامید نظریں تاریکی کا سینہ چیر رہی تھیں۔ لیکن ساحل کے آثار نہیں آ رہے تھے میرے ذہن میں یہ سوال چکرانے لگا کہ کیا میں خود آگاہی سے پہلے ہی موت کی آغوش میں پہنچ جاؤں گا۔؟ یہ قدرت کی کتنی بڑی ستم ظریفی ہوگی کہ میں مرتے وقت اس بات سے بے خبر ہوں گا کہ میں کون ہوں۔؟

اچانک میرا جسم پھر کسی چیز سے ٹکرایا۔ لکڑی کا ایک بڑا سا تختہ تھا جو شاید جہاز ہی کا کوئی حصہ رہا ہوگا۔ میرے لیے یہ تختہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بن گیا میں نے اپنے جسم کا اوپری حصہ تختے پر ٹکا دیا اس طرح مجھے خود کو پانی کی سطح پر رکھنے کی مشقت سے نجات مل گئی۔ اب میں پیروں کی حرکت سے اور ایک ہاتھ سے پانی کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اگرچہ اس طرح میری رفتار خاصی سست ہو گئی تھی لیکن تھک کر ڈوب جانے کا خطرہ ٹل گیا تھا۔

اب میں نے قدرے مطمئن دل و دماغ کے ساتھ اردگرد کا جائزہ لیا تاروں کی مدھم سی چھوٹ میں مجھے آس پاس عجیب عجیب سی چیزیں پانی پر ڈولتی نظریں آئیں۔ اندھیرے کے باعث میں ان چیزوں کی ہیت کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں سوچ سکتا تھا لیکن میرے اندازے کے مطابق ان چیزوں میں بے جان جسم بھی رہے ہوں گے اور جہاز کا ٹوٹا پھوٹا سامان بھی میں ان چیزوں سے بچتا بچاتا

ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

اب مجھے اپنے بارے میں بھی سوچنے کا موقع ملا۔

مجھے کیا ہوا تھا؟ یہ بات کس طرح ممکن ہوئی تھی کہ منحوس کیشپ کے دیئے ہوئے زہر کے اثرات ختم ہو گئے۔ یہ کوئی معجزہ تھا یا محض اتفاق تھا؟ میں نے غور کیا تو مجھے دو امکانات قرین قیاس معلوم ہوئے ان میں سے کوئی سا بھی امکان درست ہو سکتا تھا۔ یہ بات مجھے یاد تھی کہ جہاز پر نچے اڑنے سے پہلے صرف چند لمحے کیشپ نے زہر کا تریاق سمندر میں پھینکا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ تیل جیسی کوئی چیز رہی ہو جو پانی میں حل نہ ہو سکی ہو اور میں اتفاق سے سمندر کے اسی حصے میں جا پڑا ہوں جہاں تریاق موجود تھا اس طرح وہ میرے مساموں تک پہنچ گیا اور جسم میں داخل ہو کر زہر کے اثرات ختم کر دیے لیکن یہ توجیہ مجھے کچھ زیادہ وزنی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ششما نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تریاق زہر کا اثر ختم کرنے میں پندرہ بیس منٹ لگاتا ہے جب کہ میرا جسم پانی میں ڈوبنے کے چند لمحے بعد ہی متحرک ہو گیا تھا۔

دوسری امکانی توجیہہ جو میری سمجھ میں آ سکی وہ یہ تھی کہ شاید سمندر کا پانی ہی زہر کا توڑ ثابت ہوا ہو۔ ایسا توڑ جو اصل تریاق سے کہیں زیادہ زور اثر ثابت ہوا تھا اور اسی لیے میں پانی میں ڈوبنے کے فوراً بعد ہی حرکت کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ یہ توجیہہ مجھے کچھ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوئی۔ کیونکہ سمندری پانی میں سینکڑوں مرکبات اور دھاتیں موجود ہوتی ہیں۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ ان مرکبات میں وہ اجزاء بھی شامل رہے ہوں جو اس زہر کا توڑ ثابت ہوئے۔

اگر میری یہ دوسری توجیہہ بھی درست نہیں تو پھر میرا ٹھیک ہو جانا ایک معجزہ ہی ہو سکتا تھا اور چونکہ معجزے سمجھ میں نہیں آتے اس لیے میں نے اس معاملے میں دماغ سوزی کرنا فضول سمجھا میرے لیے یہی بات کافی تھی کہ میں ٹھیک ہو گیا تھا اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ میں کیسے ٹھیک ہوا۔

بیشک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن میرا دماغ انہی باتوں میں الجھا رہتا اگر اچانک آگے اندھیرے میں کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی نظر نہ آتی، مجھے کچھ ایسی آوازیں بھی سنائی دیں جیسے کوئی تھکا ماندہ جسم خود کو سطح آب پر رکھنے کے لیے آخری کوششیں کر رہا ہو۔ میں نے ذرا سا رخ بدلا اور تیزی سے ہاتھ پاؤں چلانا شروع کیے۔ میں ڈوبنے والے کو بچانا چاہتا تھا۔ جو اتنی دیر تک تند و تیز موجوں سے لڑتا رہا ہو۔ وہ یقیناً بڑے عزم و ہمت کا مالک رہا ہوگا۔ ایسے کسی شخص کی مدد نہ کرنا میرے خیال میں بڑی افسوس ناک بات ہوتی۔ میں ایسے انسان کی مدد کرنے کے لیے خود کو خطرے میں بھی ڈال سکتا تھا لیکن میں اسے آسانی بچا سکتا تھا

مگر اچانک ہی مجھے خیال ہوا کہ جسے میں بچانے کا خواہشمند ہو گیا ہوں، وہ منحوس بوڑھا کیشپ نہ ہو۔! وہ کیشپ جو میرے لہو سے غسل کرنا چاہتا تھا جس نے مجھے ذلیل و رسوا کرنے کی کسی بھی ممکن کوشش کو صرف نظر نہیں کیا تھا۔ جس نے میری محبوب ہستیاں مجھ سے جدا کر دی تھیں اور غالباً یہ ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی تھی کہ میں اپنے ماضی سے بچھڑ گیا تھا اپنے ماضی سے یہ جدائی میرے لیے کسی بڑی اذیت سے کم نہیں تھی۔ اب اگر ان تمام تر باتوں کی ذمہ دار ہستی میرے سامنے موت کے جبڑوں کے قریب مچل رہی تھی تو مجھ پر یہ فرض ہرگز

عائد نہیں ہوتا تھا کہ میں اسے تشنۂ اجل رکھنے کی سعی کروں۔ میری آنکھیں تو ایک پر مسرت چمک کے ساتھ اسے ڈوبتا ہوا دیکھنا پسند کرتیں۔ اور میں طمانیت قلب کے ساتھ فرشتۂ اجل کو مبارکباد دیتا کہ اس نے زمین کو ایک گندی روح کے بوجھ سے نجات دلا دی۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے تیرنے کی رفتار خود بخود سست ہوگئی تھی مگر اچانک ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میرا ماضی تو اب بھی مجھ سے بچھڑا ہوا ہے اور کیشپ ہی وہ واحد ہستی ہے جو مجھے میرے ماضی سے آشنا کر سکتی ہے۔ میں اسے اپنے قابو میں کر کے اس سے بہ جبر یہ معلوم کر سکتا تھا کہ میں کون ہوں؟ اگر وہ ڈوب کر مر جاتا تو مجھے خود کو تلاش کرنے میں نہ جانے کتنا عرصہ لگتا۔ اور نہ جانے کیا کیا منزلیں سر کرنی پڑتیں۔

میرے دماغ میں ان سب خیالات کی نمو ہوتے ہی میری جسمانی حرکات پھر تیز ہوگئیں۔ میں حتی الامکان سرعت سے تیرتا ہوا اس طرف بڑھا جہاں وہ اجنبی موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ابھی میں اسے اجنبی ہی کہوں گا۔ کیوں کہ یہ بات بہر حال سند نہیں پا سکی تھی کہ وہ منحوس کیشپ ہی ہوگا۔ وہ جہاز کا کوئی اور بدنصیب مسافر بھی ہو سکتا تھا۔

اب میں نے یہ بات بھی محسوس کی کہ اجنبی کی جدوجہد انتہائی کمزور پڑ گئی تھی۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو ہاتھ پیر ہلانے کی آوازیں قطعی معدوم ہو چکی تھیں۔ اس خیال سے میرا دل ڈوبنے لگا کہ شاید مجھے پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی اور موت کے نوکیلے پنجوں سے نبرد آزما ہونے والا وجود سپرد ڈال چکا تھا۔

سمندر میں اب تلاطم کی کوئی کیفیت باقی نہیں رہی تھی۔ پانی بڑے سکون سے رواں دواں تھا اور مچلتی ہوئی لہریں ہزاروں آدمیوں کو نگلنے کے بعد اب جیسے خوابیدہ ہوگئی تھیں۔

وہ نامعلوم وجود جسے میں بچانے کا خواہشمند تھا، ڈوبنے سے قبل شاید آخری مرتبہ سطح آب پر ابھرا تو میں نے اس پر ہاتھ ڈال دیا۔ یہ ضروری تو نہیں تھا کہ وہ مر ہی گیا ہو۔ بے ہوشی بھی ممکن تھی میں نے تختے کو چھوڑ کر اسے دونوں ہاتھوں سے سنبھالا اور قوت صرف کر کے اسے تختے پر ڈالنے کی کوشش کی۔ یہی وہ وقت تھا جو مجھے ادراک ہوا کہ وہ کیشپ نہیں تھا۔ وہ تو کوئی عورت تھی۔ میرے ہاتھ اس کے جسم کا گداز محسوس کر رہے تھے۔ یہ جان کر مجھے ناآسودگی کا احساس ہوا کہ وہ کیشپ نہیں تھا۔ کاش وہ کیشپ ہی ہوتا! میرا دشمن، دشمن جانی جس کو اپنے رحم و کرم پر پا کر میری انا کو تسکین ملتی اور جو میرے تشدد کے روبرو شکست کھا کر میرا گم شدہ ماضی مجھے واپس لوٹا دیتا۔

جب میری مچلتی ہوئی ان خواہشوں نے دم توڑا تو میرے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکل گئی اور میں اس عورت کو تختے پر ڈالنے کی کوشش کرنے لگا مجھے اس میں دقت تو ہوئی لیکن میں کامیاب ہوگیا۔ مجھے یہ خیال بے چین کیے ہوئے تھا کہ شاید یہ جسم میری مدد کا محتاج نہیں رہا ہے۔ مُردوں کو کسی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہیں زمین کا جگر چیر کر دفن کر دو یا سمندر کی پہنائیوں میں ڈوب جانے دو، کیا فرق پڑتا ہے! اور اگر کوئی فرق پڑتا بھی ہے تو اسے محسوس کرنے کی صلاحیت کسی مردے میں نہیں ہوتی۔

عورت کے تختے پر لٹا دینے کے بعد میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ زور زور سے دھڑکتے ہوئے دل کی حرکت میرے

ہاتھ نے واضح طور پر محسوس کی اور گداز سینے کے زیر و بم سے تنفس کی آمد و رفت کا بھی پتہ چل گیا۔ وہ یقیناً کوئی جوان عورت تھی۔ میرے ہاتھ نے کچھ ایسا ہی محسوس کیا تھا اور یہ احساس محض تجربے کی بات تھی۔ میں اس دشت کا ایک پرشوق اور گرم جوش سیاح تھا۔ مجھے بڑی تسکین بخش مسرت کا احساس ہوا جیسے میں نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔ جیسے اچانک کوئی انمول و بے بہا شے میرے ہاتھ لگ گئی ہو۔ کیا ایک انسانی زندگی کو انمول و بے بہا نہیں کہا جا سکتا؟

خدا جانے میں کب تک پانی میں رہا؟ نہ جانے کتنی دیر تک میرے ہاتھ پاؤں سمندر کے پانی کو چیرتے رہے؟ مجھے احساس نہیں کہ تختہ کب کنارے لگا اور کس طرح میں نے اسے کھینچ کر باہر نکالا۔ مجھے وہ سب کچھ بس ایک دھندلے دھندلے سے خواب کی طرح یاد ہے۔ وہ یقیناً ایک بھیانک خواب تھا۔ اگر ساحل قریب ہی نہ ہوتا تو مجھے زندگی کے ساحل سے بھی بچھڑنا پڑتا اور موت کا سفاک بھنور میری تقدیر بن جاتا.....

تختے پر پڑا ہوا نازک وجود جس کی جوانی کا احساس مجھے ہاتھ کے لمس سے ہو چکا تھا۔ عالم بے خبری میں لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ میں نے شاید اس کے پیٹ سے سمندری پانی نکالنے کی ناکام کوشش بھی کی تھی۔ یا شاید کے اس بارے میں صرف سوچ کر ہی رہ گیا تھا۔ میں اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیوں کہ اس وقت میری حالت ہوش اور بے ہوشی کے بین بین تھی۔ میرا آخری احساس یہ تھا کہ میرا تھکن سے چور چور جسم وہیں تختے پر ریت کے پاس گر پڑا تھا۔ اور ذہن پر چھائی ہوئی دھند کی تہہ دبیز سے دبیز تر ہوتی چلی گئی تھی۔ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا تھا۔ یہ وہ کیفیت ہوتی ہے جسے زندگی اور موت کی درمیانی کڑی کہا جا سکتا ہے۔ جب میری آنکھیں وا ہوئیں تو میں چند ثانیے تو ادھر ادھر دیکھتا ہوا پلکیں جھپکاتا رہا اور پھر اچانک بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گرم گرم خوشگوار دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں میں نمی اور ٹھنڈک کا عنصر رچا بسا ہوا تھا۔ آسمان پر نظروں کو ٹھنڈک پہنچانے والی نیلاہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ خوش رنگ پرندوں کی ٹولیاں چکراتی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور ان کی خوش گلوئی سے فضا میں گویا جلترنگ بج رہے تھے۔

لیکن یہ سب چیزیں ایسی نہیں تھیں جو مجھے بوکھلا کر اٹھنے پر مجبور کر دیتیں۔ خطرے کا احساس تو ان لوگوں کو دیکھ کر ہوا تھا جو مجھ سے کچھ دور ایک دائرہ بناتے ہوئے خاموش و ساکت بیٹھے ہوئے تھے بیشک ان کے چہروں پر ایک گمبھیر سکوت تھا اور جسم حرکت سے عاری نظر آ رہے تھے۔ مگر ان کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔ وہ سب کے سب بڑی دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں کھالوں اور کپڑوں کے زیر جاموں میں دیکھ کر مجھے اپنی برہنگی کا احساس ہوا اور اس وقت خجالت و انفعال کی جو کیفیت مجھ پر طاری ہوئی اس کا اظہار کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اس کیفیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ صرف سمجھا ہی جا سکتا ہے اور سمجھ بھی وہ لوگ سکتے ہیں جو کبھی اچانک بھرے مجمع میں برہنہ ہو گئے ہوں۔

میرے قریب ہی وہ پرشباب وجود بھی پڑا ہوا تھا۔ جس کی زندگی گزشتہ رات سمندر کی سفاک لہروں کے رحم و کرم پر تھی اور جسے

میں موت کی سرحد سے گھسیٹ لایا تھا۔ میری نظریں اس کے چہرے پر پڑیں تو اسے پہچان کر مجھے کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ شاید میرے لاشعور کی کسی تہہ میں یہ خیال پہلے ہی سے الجھا ہوا تھا کہ وہ کلدیب ہوگی۔ راجکماری کلدیپ کور! اسے اپنے قریب پا کر مجھے مسرت کا احساس ہوا لیکن یہ مسرت سینکڑوں گنا زیادہ ہوتی اگر حالات اپنی سنگینی کا احساس نہ دلا چکے ہوتے۔ میں اس وقت نامعلوم وحشیوں کے نرغے میں تھا اور ابھی یہ بات طے نہیں پا سکی تھی کہ میرے ساتھ ان کا رویہ دوستانہ ہوگا یا معاندانہ!

میں نے آس پاس نظریں دوڑائیں میں کوئی ایسی چیز تلاش کرنا چاہتا تھا جس سے اپنی برہنگی کو ختم کر سکتا۔ لیکن ایک ویران ساحل پر ایسی کوئی شے کیونکر دستیاب ہو سکتی تھی اس وقت شاید میرے چہرے پر خجالت اور انفعال کے ساتھ ساتھ بے بسی کا احساس بھی نمو پا گیا ہوگا۔ کیونکہ غالباً اسی کو محسوس کر کے وہ وحشی قہقہے لگانے لگے تھے۔ ان کو ہنستے دیکھ کر میرا خون کھول اُٹھا۔ یہ ذلت میرے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو اس وقت وہاں لہو کے فوارے اچھل جاتے۔ میں ان میں سے ایک ایک کی گردن اڑا دیتا۔ ان کی لاشوں کو پیروں تلے روند ڈالتا۔ سفا کی اور زندگی کا وہ کھیل کھیلتا کہ جنون کی منزل سے گزرنے کے بعد نکتہ تجرد پر آ کر میں خود بھی دم بخود رہ جاتا۔

مگر یہ سب کچھ کر گزرنا میرے دائرہ اختیار سے بعید تھا یہ انتہائی بے بسی کی منزلیں تھی جہاں میں نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اس اذیت ناک لمحے میں مجھے اپنی پراسرار ذہنی قوت کا خیال آیا۔ کیوں نہ میں اس قوت کو استعمال کروں۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی ذہنی قوت کو ان وحشیوں کے اذہان سے ٹکرانے کی کوشش کی۔ میں پہلی مرتبہ بیک وقت بہت سے ذہنوں کو چھونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر میرے ذہن کی پراسرار قوت ان سب کے اذہان تک رسائی پا لیتی تو میرے مقصد کی بارآوری میں کوئی شبہ نہ رہ جاتا۔ میں انہیں باور کرانا چاہتا تھا کہ میں برہنہ نہیں ہوں اور میرے جسم پر مکمل لباس موجود ہے۔

چند لمحے بعد میں نے آنکھیں کھولیں اور میری نظریں امید و بیم کی لہروں میں ہچکولے کھاتی ہوئی ان لوگوں کے چہروں پر گئیں۔

چناروں کے آنسو

نوجوانوں کے پسندیدہ ترین مصنف طارق اسماعیل ساگر کا کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا پہلا ناول **چناروں کے آنسو** کہانی ہے ایسے سرپھرے آزادی کے متوالے لوگوں کی جو اپنی حریت اور آزادی کی سانس کے بدلے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔ تحریک آزادی کشمیر اور ہندوستان میں سکھوں کے خالصتان کی تحریک کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناول جلد ہی کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا۔ چناروں کے آنسو کو **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے دھڑک اٹھا کہ ان میں سے بعض کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے اور بعض کے چہروں پر حیرت کے ساتھ خوف کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔ یقیناً میرے ذہن کی پراسرار قوت عروس کامیابی سے ہمکنار ہو چکی تھی۔ وہ لوگ جو ایک لمحہ قبل تک مجھے برہنہ دیکھ رہے تھے اب اچانک مجھے لباس میں دیکھ کر سٹپٹا گئے تھے۔ اس عمل کی ظہور پذیری ان کے لیے ایک ناقابل یقین بات تھی اس لیے ان کا خوفزدہ ہو جانا فطری امر تھا۔ گو کہ میری برہنگی کا اچانک خاتمہ کوئی ایسا زیادہ خوفناک معاملہ نہیں تھا۔ لیکن پراسرار باتیں، خواہ کتنی ہی معمولی اور سادہ کیوں نہ ہوں، غیر مہذب ذہنوں کو خوف میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

میں نے اپنی پراسرار ذہنی قوت کو استعمال کر کے ان کے اذہان سے اپنی برہنگی کا احساس تو حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا لیکن جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس طرح میں نے ایک خطرے کو آواز دے لی ہے۔ وہ خطرہ بھی کوئی معمولی خطرہ نہیں تھا میری زندگی کے لمحات مجھ پر دشوار ترین بن سکتے تھے کیونکہ ان وحشیوں کے ہاتھوں میں نوکیلے پھل والے نیزے موجود تھے خوف کے عالم میں وہ ماورائے عقل چیزوں پر اپنے ان ہتھیاروں کا استعمال کرنے سے دریغ نہ کرتے۔

میرے ان خدشات نے جلدی جلدی بصارت کو نوازا۔ میں نے نیزوں کو بلند ہوتے ہوئے دیکھا۔ نیم وحشی قوم کے وہ افراد اچانک بے حد پرجوش ہو گئے تھے اور انہوں نے زور زور سے باتیں شروع کر دی تھیں۔ ان کی زبان مہذب دنیا کی کوئی زبان ہرگز نہیں تھی۔ لیکن مجھے حیرت انگیز طور پر یہ احساس ہوا کہ وہ زبان میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ مجھے تو کچھ یوں لگا تھا جیسے میں عرصہ دراز تک اس زبان کو نہ صرف سنتا بلکہ شاید بولتا بھی رہا ہوں۔ یہ احساس میرے لیے عجیب تر ہی نہیں بلکہ عجیب ترین تھا۔ آخر میں نے یہ زبان کب اور کہاں سنی تھی یہ سوال میرے ذہن کے لیے کسی بچھو کا ڈنگ بن کر رہ گیا۔ کیا یہ میری مادری زبان ہو سکتی تھی؟ کیا میں اتفاق سے انہی لوگوں میں پہنچ گیا تھا جو میرے اپنے تھے؟ نہیں نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے لیے اور میں ان کے لیے اجنبی تھا۔ میری تو خیر یادداشت چلی گئی تھی۔ مگر ان سب نے تو اپنے ماضی کو فراموش نہیں کیا ہوگا۔ اگر ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق ہوتا تو وہ مجھے پہچان گئے ہوتے۔

میری نظریں ان لوگوں پر جمی ہوئی تھیں اور ان کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کی آوازیں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں اور چند الفاظ کو چھوڑ کر ساری گفتگو میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ اس گفتگو سے پتا چل رہا تھا کہ ان میں دو مختلف الخیال گروپ بن گئے تھے اور ان میں سے کچھ اس قسم کی بحث ہو رہی تھی۔

''یہ جادوگر ہے اسے نیزوں سے چھلنی کر دینا چاہیے۔''

''نہیں..... ایسا کرنا خطرناک ہوگا ساحرہ دیوی کو بلا لینا چاہیے وہ کوئی دانشمندانہ فیصلہ کر سکے گی۔''

''اس جادوگر کو ختم کر دینا ہی سب سے بڑی دانشمندی ہوگی ورنہ یہ ہماری سرزمین پر تباہیاں پھیلا سکتا ہے۔ ہمارے نیزے سورج کی کرنوں سے زیادہ تیز ہیں۔ اگر ہم سب مل کر حملہ کر دیں تو یہ کس کس کا حملہ روکے گا.....؟ ایک ہی نیزہ اسے آکاش کے پانچویں حصے میں پہنچا دیگا۔''

''نہیں نہیں! اسے مت چھیڑو کہیں یہ غصے میں ہم سب کو جلا کر بھسم نہ کر دے۔ ساحرہ دیوی ہی اسے اپنی دانشمندی سے زیر کر سکے گی۔''

اس گفتگو سے مجھے ان لوگوں کے نظریات و خیالات کا کچھ اندازہ ہو گیا۔ یقیناً وہ لوگ انسانی ارتقاء کی دوڑ میں ابھی بہت پیچھے تھے۔ سحر اور دیویوں پر ان کا ایمان تھا۔ ان پر کوئی عورت ہی حکومت کرتی تھی جسے وہ لوگ ساحرہ دیوی کہہ رہے تھے۔ یقیناً وہ سحر و افسوں سے تعلق نہ رکھتی ہو گی۔ مگر اس نے اپنی ذہانت سے ان لوگوں کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہو گا۔ اس کی پر مغز تراکیب ان لوگوں کو سحر و افسوں معلوم ہوتی ہونگی۔

جلد ہی ان لوگوں کی دونوں ٹولیاں ایک دوسرے سے کٹ گئیں۔ ساحرہ دیوی کو بلاتا جس ٹولی کا مؤقف تھا وہ پیچھے ہٹ گئی اور باقی لوگ نیزے اپنے ہاتھوں میں تولتے ہوئے چند قدم آگے بڑھ آئے وہ مجھ پر حملہ کرنے ہی والے تھے اور میں بیک وقت بیس پچیس نیزوں سے بچنے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

''ٹھہرو! رک جاؤ!'' میں نے اچانک ہاتھ اُٹھا کر ان لوگوں کو مخاطب کیا۔ وہ سب ٹھٹھک کر رہ گئے۔ اور ان کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی کیوں کہ میں انہی کی زبان بولا تھا۔ خود مجھے بھی اس امر پر حیرت تھی۔ میں غیر ارادی طور پر ایسی زبان بول گیا تھا جو میں نے شاید کبھی نہیں بولی تھی۔ کم از کم مجھے یاد نہیں تھا کہ میں نے کبھی یہ زبان بولی ہو گی۔

''میں جادوگر نہیں ہوں۔'' میں نے چلا کر ان سے کہا: ''مجھے اپنا دوست سمجھو! میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

مجھے اس طرح بولتے دیکھ کر وہ لوگ چند لمحے تو حیرت زدگی کے عالم میں بے حس و حرکت کھڑے رہے تھے مگر چند لمحے بعد ان میں سے چند ایک نے حرکت کی اور اپنے نیزوں کو پر جوش انداز میں ہلاتے ہوئے چیخنے لگے۔ ''یہ کالا بھی ہے۔ کالا بھی جادوگر۔ اسے فوراً مار ڈالنا چاہیے۔''

ان لوگوں پر اپنی باتوں کا یہ ردِ عمل میری سمجھ میں نہ آ سکا مگر یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں اس پہلو پر غور و فکر کے گھوڑے دوڑا سکتا۔ لمحات جیسے تیزی سے سکڑ رہے تھے اور مجھے ان سکڑتے ہوئے لمحات میں اپنے بچاؤ کے لیے کوئی فوری فیصلہ کرنا تھا۔ زندگی کی بازی جیتنا تھی۔ میں نے اپنی پراسرار قوت سے ان کے ذہنوں کو چھونے کی کوشش کی اور انہیں یہ باور کرانا چاہا کہ میں ایک آتشی وجود ہوں جس پر ان کے نیزے مہرِ اجل ثبت نہ کر سکیں گے۔

دوسرے ہی لمحے ان سب کو ٹھٹھک کر رکتے دیکھا یوں معلوم ہوا تھا جیسے انہوں نے دنیا کی کوئی سب سے زیادہ عجیب چیز دیکھ لی ہو۔ غالباً میری پراسرار ذہنی قوت کام کر گئی تھی لیکن میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ انہوں نے مجھے کس شکل میں دیکھا ہو گا۔ شاید انہوں نے مجھے کسی الاؤ کی طرح دہکتے ہوئے دیکھا ہو۔ شاید انہوں نے مجھے سورج کی طرح دہکتا ہوا پایا ہو۔ میں اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔

لیکن یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی دیکھا ہو وہ اتنا ہی حیرت انگیز اور خوفناک رہا ہوگا کہ دہشت سے ان لوگوں کے چہرے مسخ ہو کر رہ گئے اور پھر وہ اپنے نیزے پھینک پھینک کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اب صورتحال اطمینان بخش ہوگئی تھی۔ میں نے کلدیب کور کی طرف توجہ دی۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں مگر یہ سمجھنا حماقت ہوگی کہ وہ بے ہوش تھی۔ ہاں یہ ضرور سوچا جا سکتا تھا کہ وہ گہری نیند میں تھی اتنی گہری نیند میں کہ ان وحشیوں کی آوازیں بھی اسے نہیں جگا سکتی تھیں اب جو میں نے اسے غور سے دیکھا تو گھبرا گیا۔ اس کے لباس کا کمر سے نیچے کا حصہ خون آلود نظر آ رہا تھا۔ شاید جہاز کی تباہی نے اس کے زیریں جسم کے کسی حصے کو مضروب کیا تھا۔ میں جلدی سے اس کے قریب گیا اور شانہ ہلاتے ہوئے اسے آوازیں دینے لگا۔

''کلدیب کلدیب!''

میں ان لمحات میں یہ بھول گیا تھا کہ میں برہنہ ہوں اور کلدیب کور جب آنکھیں کھول کر مجھے اس حالت میں دیکھے گی تو کتنی جھینپے گی بیشک اس نے میرے ساتھ وہ تمام منزلیں طے کی تھیں۔ جن کی اساس ہی برہنگی ہوتی ہے' تاہم اس طرح دن کی روشنی میں مجھے برہنہ دیکھ کر وہ منفعل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

یہ اور بات ہے کہ اس نے آنکھیں ہی نہیں کھولیں اور جلد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ واقعی اب تک بے ہوش تھی۔ وہ نہ صرف بے ہوش تھی بلکہ اس کی سانسیں بھی اکھڑی سی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جانکنی کے عالم سے گزر رہی ہو۔ میں نے غور کیا تو اس کا چہرہ بھی بالکل زرد معلوم ہوا۔ شاید اس کا خون بہت زیادہ مقدار میں بہہ چکا تھا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی آیا کہ اسے بہت گہرے زخم آئے ہوں گے میں ان زخموں کو دیکھنے کے لیے بیتاب ہوگیا وہ ساڑھی باندھے ہوئے تھی اس لیے ان زخموں کو فوری طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ میں نے اس کی ساڑی اور پیٹی کوٹ کو نیچے سرکا دیا۔ اس کی سڈول وسفید پنڈلیاں۔ بالکل بے داغ نظر آئیں۔ کہیں بھی زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ میں نے ساڑی کو کچھ اور اوپر سرکایا کوئی زخم اب بھی دکھائی نہیں دیا۔ لیکن اس کے چند لمحے بعد ہی مجھے حقیقت کے سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ایک اندوہناک حقیقت تھی اسے جان کر میرے دل و دماغ کو دھچکا سا لگا۔ کلدیب کور کا حمل ساقط ہوگیا تھا۔ اس کے بطن میں پرورش پاتی ہوئی میری اولاد اس دنیا میں تو آ گئی تھی مگر خون کے لوتھڑوں کی شکل میں!

کچھ دیر کے لیے میرے ذہن پر سناٹا سا چھا گیا۔ سوچنے سمجھنے کی قوت سلب ہو کر رہ گئی۔ اور میں بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا۔ بے حس، بے حرکت! اور جب میرے حواس کچھ سنبھلے تو میرا پہلا خیال یہ تھا کہ کلدیب کو جلد از جلد طبی امداد ملنی چاہیے ورنہ وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس جزیرے پر طبی امداد کیونکر مل سکتی ہے یہاں اگر آبادی تھی بھی تو ایسے وحشیوں کی جو شاید طب کی ''ط'' سے بھی واقف نہ ہوں۔ صرف اس عورت سے کسی قسم کی مدد مل سکتی تھی جسے وہ لوگ ''ساحرہ دیوی'' کے نام سے پکارتے تھے۔

اب دوسرا سوال یہ تھا کہ میں اس عورت کو کیسے تلاش کروں۔ نہ جانے یہ جزیرہ کتنا بڑا تھا اور وہ عورت اس جزیرے کے کون سے حصے میں فروکش تھی۔

میں کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک طرف تو وہ بے رحم سمندر ہی تھا جس سے کسی بھی قسم کی مدد نہیں مل سکتی تھی اور باقی تینوں اطراف میں بہت دور تک کسی آبادی کے آثار نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ ریت کی لہروں اور اونچے نیچے ٹیلوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک ویرانی سی ویرانی تھی۔

اب اچانک مجھے پھر اپنی برہنگی کا احساس ہوا اور بے ساختہ میری نظریں کلدیب کی طرف گئیں۔ اس کی ساڑھی میری ستر پوشی کر سکتی تھی ساڑھی اترنے کے بعد کلدیب نیم برہنہ تو ہو جاتی لیکن برہنہ بہر حال نہ ہوتی پیٹی کوٹ اور بلاؤز تو اس کے جسم پر موجود ہی رہتا۔

سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا جا رہا تھا اور اس کی تپش میں اضافے کے ساتھ فضا میں چہچہاتے ہوئے پرندوں کی تعداد میں کمی ہوتی جا رہی تھی' وہ جنوب کی طرف اُڑتے چلے جا رہے تھے۔ اس سے میں نے یہ قیاس کیا کہ آبادی جنوب ہی کی طرف ہوگی۔ میں نے کلدیب کی ساڑھی اتار کر اپنے زیریں جسم پر باندھ لی اور ایک بار پھر کلدیب کی جسمانی حالت کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کا سانس اب بھی اکھڑا اکھڑا سا چل رہا تھا اور یہ بات یقینی نظر آ رہی تھی کہ طبی امداد نہ ملنے کی صورت میں وہ سانس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اکھڑ جائے گا۔ ایک شگفتہ پھول کو یوں مرجھائے دیکھ کر مجھے اپنے وجود پر غصہ آنے لگا تھا۔ کیا اپالو صرف تباہی و بربادی اور موت ہی کا پیغامبر تھا؟..... کیا میرے جلو میں موت ہی کی آہٹیں گونجتی تھیں؟ کیا زندگی کی مہکار سے میرا کوئی واسطہ، کوئی تعلق نہیں تھا؟ مجھ پر جنون سا طاری ہونے لگا۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو شاید اس وقت میں کلدیب کی بقا کے لیے خود کو فنا کر لینے سے بھی دریغ نہ کرتا لیکن میرے بس میں اگر کچھ تھا تو صرف یہ کہ آبادی تک پہنچ کر کلدیب کے لیے کسی قسم کی طبی امداد حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ میرے قدم جنوب کی طرف اُٹھنے لگے کیونکہ پرندوں کے علاوہ ان نیم وحشی لوگوں نے بھی وہی راہِ فرار اختیار کی تھی اس لیے قوی امکان تھا کہ آبادی اسی سمت ہوگی۔

چند قدم چلنے کے بعد میں یکلخت رک گیا۔ مجھے خیال آیا تھا کہ اگر میں کسی قسم کی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو واپس آتے آتے بہت دیر ہو جائے گی۔ شاید اس وقت تک کلدیب کسی قسم کی امداد کی احتیاج سے بے نیاز ہی ہو جاتی۔ اس خدشے کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ میں کلدیب کو اپنے ساتھ ہی لیجاؤں میں مڑا اور پھر کلدیب کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے اُٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور چل پڑا۔

گزشتہ روز سے اب تک ایک کھیل بھی اُڑ کر میرے منہ میں نہیں پہنچی تھی اور میں پیاسا تھا لیکن میری جسمانی طاقت اتنی کم نہیں تھی کہ صرف چوبیس گھنٹوں میں مجھ پر اس کا کوئی شدید ردعمل ہو جاتا۔ میں کلدیب کو اپنے کندھے پر اُٹھائے بڑے اعتماد سے قدم اُٹھاتے چلا جا رہا تھا۔

موت!

ہاں..... موت!

خوف و ہراس کی دیوی، موت! زندگی کے ایوانوں میں دھول اُڑا دینے والا موت، عناصر حیات کو تاخت و تاراج کر دینے والی

موت۔اس گلبدن کو بھی اپنی ازلی اور ابدی بھوک کا نشانہ بنالینا چاہتی تھی، جس کو میں اپنے ایک کندھے پر ڈالے اس صحرا میں سرگرم سفر تھا۔ میرے قدم نہ تھکنے والے انداز میں مسلسل اُٹھ رہے تھے۔ میں کلدیب کور کے حشر سامان جسم کو مٹی کے ڈھیر میں ملتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چمن حیات کے ایک نوشگفتہ پھول کو اتنی جلدی تو بادِ سموم کی زد میں نہیں آنا چاہیے۔ پھر ویسے بھی کلدیب کور ایک ایسی لڑکی تھی جس نے میرے لیے عظیم قربانیاں دی تھیں جس نے مجھے پوری شدت سے چاہا تھا۔ بیشک کچھ اور لڑکیوں کے پیار میں بھی میرے لیے اتنی ہی شدت رہی تھی۔لیکن کلدیب کور کا مقام ان سے بلند تھا۔اس کی گود ایک ایسے بیج سے ہری ہوئی تھی جو میں نے بویا تھا۔پھر وہ ممتا کے عظیم جذبے کی رفعتوں میں کھو کر اس پودے کو اپنے خون سے سینچتی رہی تھی۔جس کا مالی میں تھا۔آج تک وہ میری اس امانت کو اپنے وجود میں سمیٹے ہوئے اس کی حفاظت کرتی رہی تھی۔اس کی خاطر اس نے کئی طوفانوں کا مقابلہ کیا تھا۔باپ کے مقابل آئی تھی۔سماج کے خوف کو نظر انداز کیا تھا۔ اور بالآخر کیشپ کی قیدی بھی اسی لیے بنی تھی کہ اس کے بطن سے ارسلان کا ایک قطرۂ حیات کونپل بن کر پھوٹنے والا تھا۔

ارسلان!

ہاں ارسلان!

میرا نام ارسلان تھا!

میرا نام ارسلان ہے!

میں اپنے ذہن کی تاریک بھول بھلیوں میں گم تھا اور اس وقت تک مجھے اپنے بارے میں صرف یہی ایک بات معلوم ہو سکی تھی کہ میں ارسلان ہوں، میرا نام ارسلان ہے۔کیشپ نے مجھے اسی نام سے مخاطب کیا تھا۔اور حالات وشواہد سے یہ بات صاف ظاہر ہو چکی تھی کہ منحوس کیشپ میرے بہت قریب رہا ہے اس لیے میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔مستقبل میں اس کی یہ بات بھی درست ہی ثابت ہوئی کہ وہ میرا استاد تھا۔اس نے مجھے ایسی باتیں تعلیم کی تھیں جو شاید دُنیا کے کسی اور استاد نے اپنے شاگرد کو تعلیم نہیں کی ہوں گی۔

وہ میرا دشمن تھا اس لیے کلدیب کور کو لے اڑا کیونکہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔وہ میرے دوسرے روپ کو جنم دینے کا فخر حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن ایک حادثے نے اس کے ارمانوں کو ایک لہو رنگ غسل دے دیا۔حیات کی ایک کونپل نمو پانے سے پہلے ہی خود اپنی جڑوں میں جل کر ختم ہو گئی وہ روح اس دنیا میں نہ آسکی جسے میرا دوسرا روپ کہا جا سکتا تھا۔

اسی حادثے کے باعث اب کلدیب کور موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھی۔اور میں اس کشمکش کو صرف زندگی کی نکھوں پر ختم ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔میری خواہش تھی کہ جلد از جلد کلدیب کور کو طبی امداد فراہم کر دیجائے۔

لیکن کیا یہ ممکن تھا؟

ممکن ہوتا یا نہ ہوتا لیکن میرے قدم اسی امید پر اُٹھ رہے تھے کہ میں جلد یا بدیر ان جنگلیوں کی بستی تک پہنچ جاؤں گا اور اپنی پراسرار ذہنی قوت سے کام لے کر انہیں اس بات پر مجبور کر دوں گا کہ وہ اپنے ہی طریقے سے سہی لیکن کلدیب کور کا علاج کریں۔

میرے قدم اُٹھتے رہے، مسلسل اُٹھتے رہے!

ایک گھنٹہ!

دو گھنٹے!

تین گھنٹے!

مجھے یاد نہیں کہ میں کتنی دیر تک چلتا رہا تھا۔ ہاں مجھے اتنا احساس ضرور ہے کہ تھکن میرے ریشے ریشے میں رچ بس گئی تھی۔ میرا وہ کندھا جس پر کلدیب کور تھی بری طرح اینٹھنے لگا تھا۔ اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے میرے اعصاب کسی بھی لمحہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے۔ زبان خشک ہو کر تالو سے جا لگی تھی اور سورج کی بڑھتی ہوئی تپش کے ساتھ میرے حلق میں پڑے ہوئے کانٹوں کی تعداد جیسے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

ایک مرتبہ میرے قدم اس طرح ڈگمگائے جیسے میں ابھی گرنے والا ہوں۔ میں فوراً رک گیا نظروں کے سامنے دھندسی چھانے لگی تھی۔ میں نے آنکھ میچ میچ کر اس دھند کو صاف کرنے کی کوشش کی اور اسی لمحے میں نے کافی فاصلے پر کچھ غبار سا اڑتے دیکھا۔ میری متجسس نظریں اس غبار پر جم کر رہ گئیں۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ کھڑا رہنا اب میرے بس کی بات نہیں رہ گئی ہے۔ لیکن میں اس وقت تک ضرور کھڑا رہنا چاہتا تھا۔ جب تک اصل معاملے کی وجہ سامنے نہ آجاتی۔ ہاں میں نے اتنا ضرور کیا کہ کلدیب کو اپنے کندھوں سے اتار کر زمین پر لٹا دیا۔ اس کی سانسوں کا زیر و بم اس بات کی ضمانت تھا کہ وہ ابھی زندہ تھی۔

فضا میں گھوڑوں کی ٹاپوں کا ارتعاش پیدا ہوا اور میں نے دیکھا کہ اس غبار کے پیش منظر میں قدیم وضع کی ایک رتھ نما گاڑی، سورج کی کرنوں سے چمک رہی تھی۔ دو سفید گھوڑے اس گاڑی کو برق رفتاری سے کھینچے ہوئے میری طرف آرہے تھے۔ فاصلہ ابھی زیادہ تھا اس لیے اس گاڑی پر سوار افراد مجھے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ادھر میری حالت بہت زیادہ دگرگوں ہو چکی تھی۔ میں کوشش کے باوجود اپنے حواس پر قابو رکھنے سے قاصر تھا۔ گھٹنوں کے جوڑ جواب دے چکے تھے۔ میں کلدیب کے قریب ہی بیٹھتا چلا گیا۔ غشی اپنی پوری طاقت کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ میرا آخری احساس یہ تھا کہ رتھ نما گاڑی میرے قریب آکر رک گئی تھی اور اس کے گھوڑے ایک مرتبہ بہت زور سے ہنہنائے تھے۔ میں نے گاڑی پر ایک ایسی عورت کو دیکھا جو اپنی وضع قطع سے کوئی دیوی ہی معلوم ہو رہی تھی اسکا حسن بھی ارضی نہیں معلوم ہو رہا تھا وہ سفید حریری لبادے میں تھی۔ سفید پروں کا تاج اس کے سر پر بہت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن ایک بات ایسی بھی تھی جس نے اسے بے حد خوفناک بنا دیا تھا۔ اس کے دونوں شانوں پر سانپ بیٹھے ہوئے تھے ان کی انگاروں کی طرح سرخ زبانیں بار بار لپک رہی تھیں اور وہ مستی میں جھوم رہے تھے۔

اس کے بعد مجھے کچھ بھی یاد نہ رہ گیا۔ گھور تاریکی میرے ذہن پر اپنے پنجے گاڑ چکی تھی۔ غالباً میں زمین پر کسی طرف لڑھک گیا تھا۔

لیکن جب مجھے ہوش آیا تو میں زمین پر نہیں بلکہ نرم گدیلے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور میری برہنگی بھی ختم ہو چکی تھی۔ میرے جسم پر نرم نرم ریشم کا لباس تھا۔ فضا میں مخمور کن خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں اور ایک عجیب سی مدھم مدھم موسیقی میری سماعت کو نواز رہی تھی۔ میں نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔

یہ کمرہ تاریخ قدیم کے کسی شہزادے کی خوابگاہ معلوم ہو رہا تھا۔ چھت سے جھاڑ فانوس لٹکے ہوئے تھے اور دیواروں پر قدرتی مناظر کی تصویریں آویزاں تھیں۔ ہرن اور بارہ سنگھوں کے سر بھی بڑی خوبصورتی سے لگائے گئے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مدھم مدھم موسیقی ان ہی سروں سے خارج ہو رہی ہو۔

کمرے میں میرے علاوہ کوئی نہیں تھا لیکن جیسے ہی میں بستر سے اُٹھا۔ کمرے کے دروازے پر پڑا ہوا ریشمی پردہ لہرایا اور اس کی اوٹ سے بیک وقت کئی چاند طلوع ہو گئے۔ بے اختیار میری پلکیں جھپک گئیں۔ وہ لڑکیاں قدیم طرز کے ایسے لباس میں تھی جو ان کے کندن جیسے جسم کی تڑپا دینے والی جھلکیاں پیش کر رہا تھا۔ تینوں لڑکیاں اپنے ہاتھوں پر خوان اُٹھائے ہوئے تھیں۔ ان کی چال میں بانکپن تھا اور ہونٹوں پر بھیگی بھیگی دلآویز مسکراہٹ۔

خوان ایک آبنوسی میز پر رکھ دیے گئے ان کی خوشبو میری اشتہا کو جھنجھوڑ چکی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں بھوکا تو ہوں لیکن پیاس کی کیفیت ختم ہو چکی ہے۔ حالانکہ جب میں بے ہوش ہوا تھا اس وقت میرے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ اب ان کانٹوں کا عدم وجود اس بات پر دلیل تھا کہ بے ہوشی کے عالم میں میرے حلق میں پانی ٹپکایا ہوگا۔

تینوں لڑکیاں اب مؤدبانہ انداز میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک آہستہ سے بولی۔ ''کھانا حاضر ہے اجنبی مہمان!''

میں نے وہ زبان بخوبی سمجھ لی۔ اس سے قبل میں ان جنگلیوں کی باتیں بھی سمجھ گیا تھا جو مجھے ساحل پر ملے تھے۔ لیکن یہ مجھے اب بھی یاد نہیں آ سکا تھا کہ میں نے پہلے کبھی یہ زبان سنی ہو۔

''کھانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میں کہاں ہوں؟'' میں نے ان لڑکیوں کو گھورتے ہوئے انہی کی زبان میں کہا

''تم دیوی کے مہمان ہو اجنبی؟''

''دیوی کون ہے؟''

''کچھ دیر بعد دیوی خود ہی تمہیں درشن دے گی۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ میرے سوالوں کو جواب دینے سے احتراز کرنا چاہتی ہے۔ میں بستر سے اُٹھ کر آبنوسی میز کے قریب کرسی پر جا کر بیٹھا۔ میرے معدے کا خلو اس بات کا متقاضی تھا کہ میری تمام تر توجہ کھانے کی طرف مبذول ہو جائے لیکن میری نظریں بار بار ان لڑکیوں کی طرف اُٹھ رہی تھیں ان کا پرشباب جسم ایک ایسی ہی دعوتِ نظارہ تھا جو نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ آخر مجھے ان سے کہنا پڑا کہ وہ کمرے سے چلی جائیں۔ وہ چلی گئیں اور جاتے جاتے کہہ گئیں کہ جب مجھے ان کی ضرورت ہو تو دو مرتبہ تالی بجا دوں۔

ان کے جانے کے بعد میں پوری طرح کھانے کی طرف متوجہ ہو سکا۔ کھانے کا ذائقہ اجنبی ہونے کے باوجود بھی میرے لیے اجنبی نہیں تھا میری نوک زبان اس ذائقے سے آشنائی کا اظہار کر رہی تھی۔

اس جزیرے کے باسیوں کی زبان اور اس کھانے سے آشنائی کا عجیب سا احساس مجھے اس الجھن میں ڈالے ہوئے تھا کہ کیا ماضی میں میرا تعلق اسی جزیرے سے رہا ہے۔؟

میرے دل کی گہرائی سے بار بار یہ آواز اٹھ رہی تھی کہ میں بہت جلد اپنے ذہن کو تاریک بھول بھلیوں سے نکلنے والا ہوں۔ وہ وقت اب قریب آ گیا تھا جب مجھے اپنے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جاتا اسرار میں لپٹی ہوئی اپالو کی شخصیت اب بے نقاب ہونے کو تھی شاید وہ سب کچھ مجھے اسی عورت سے معلوم ہو جاتا جو اس جزیرے پر ساحری دیوی کہلاتی تھی۔ اس کا دھندلا دھندلا سا چہرہ میرے تصور کے پردے پر لہرانے لگا۔ نقوش واضح اس لیے نہیں تھے کہ میں نے اسے نیم بے ہوشی کے عالم میں دیکھا تھا۔ جب اس کی رتھ نما گاڑی میرے قریب آ کر رکی تھی جو میں ہوش و خرد کے کنارے پر پہنچ چکا تھا میں زمین پر کلدیب کور کے قریب ہی آ کر لڑھک گیا تھا۔

اوہ!

اچانک میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ آخر کلدیب کور کہاں گئی۔؟ میں کچھ دیر کے لیے اسے بھول ہی گیا تھا۔ اس محل نما عمارت کی رنگین اور خوابناک فضا میں میرے ذہن کے گوشے گوشے کلدیب کے خیال کو فراموش کر چکے تھے۔

میں ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اور میں نے دو مرتبہ تالی بجائی اور اس بار ان تینوں لڑکیوں میں سے صرف ایک کمرے میں داخل ہوئی یہ وہی تھی جس نے مجھ سے چند باتیں کی تھیں۔ میں نے اس سے سوال کرتے ہوئے اسے گھور کر دیکھنا چاہا تھا لیکن میری نظریں اس کے پر شباب جسم پر پھیل گئیں وہ مسکرا پڑی۔ شاید اس نے میری کیفیت کو بھانپ لیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ انداز تفاخر سے لبریز تھی۔ غالباً اس کے ذہن پر یہ احساس بیدار ہوا تھا کہ وہ اپنے حسن کی طاقت سے مجھے اپنے قدموں پر سجدہ ریز کرانے پر قادر ہے یہ سوچ کر میں جھنجھلا سا گیا۔ یہ اپالو کی سراسر توہین تھی۔ اپالو تو عورتوں کو اپنے قدموں پر جھکایا کرتا تھا۔ خود جھکنا اپالو کی سرشت نہیں۔ میں نے اپنی نظروں کی بے لگامی کو روکنے کی کوشش کی اور اس حسن مغرور کو سخت نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

''سنو لڑکی! میں اس عورت کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں جسے میرے ساتھ ہی یہاں لایا گیا ہے۔''

''تمہیں اپنے سوالوں کا جواب صرف دیوی ہی سے مل سکے گا اجنبی!'' وہ اٹھلاتی ہوئی بولی۔

''تو پھر دیوی کو بلاؤ!'' میں نے جھنجھلا کر کہا۔

''دیوی کبھی کسی کے بلانے سے نہیں آتی خود آتی ہے۔''

''ہوں۔'' میں اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔ یہ لڑکی اپنی اداؤں سے مجھے لبھانے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ میری دانست میں اپالو کی توہین تھی میں نے فیصلہ کیا کہ اس بتِ مغرور کو اس سرکشی کی سزا ضرور دوں گا۔

''ادھر آؤ، میرے قریب!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ وہ اس طرح لہرا کر میری طرف آئی جیسے نسیم صبحگاہی کا پہلا جھونکا ملائم ملائم، معطر معطر..... میں نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر بڑی مضبوطی سے جمائے اور پھر اسے ایک جھٹکے سے اپنے سینے سے لگالیا۔ اب میرے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر پہنچ چکے تھے۔ میں نے بائیں ہاتھ کی مٹھی سے اس کے ریشمی بالوں کو پکڑا کر ایک جھٹکا دیا۔ ایک ہلکی کراہ کے ساتھ اس کی گردن پیچھے کی طرف مڑی اور اس کا چہرہ میرے سامنے آگیا۔ اس کے مہکتے اور دہکتے ہوئے تنفس کی گرمی مجھے اپنے گالوں پر محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے بھیگے بھیگے سے ہونٹ مجھے خوشہ چینی کی دعوت دے رہے تھے اور اس کی کالی آنکھوں میں خود سپردگی کی تمام تر علامات چمک رہی تھیں۔ اس کے شباب کی سرکشی میں اپنے سینے میں محسوس کر رہا تھا اور اس کے بدنی گداز کے لمس سے میرے بازو کی مچھلیاں پھڑکنے لگی تھیں۔ عام حالات میں شاید میں اس چمن شباب میں گلگشت کرنے کی خواہش کرتا۔ لیکن اس وقت میں اپنے جذبات کے آتش فشاں کو پھٹ پڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ یہ لمحات تو سزا کے تھے۔ میں حسن مغرور کی اَنا کا بت پاش پاش کر دینا چاہتا تھا۔ یہ بات عام ہو جانی چاہیے تھی کہ اپالو کو جھکانے کی خواہش کرنا فعل عبث ہے۔

''لڑکی!'' میں نے سرگوشی کی

''ہوں۔'' وہ مخمور ہو چکی تھی۔

''تمہارے کان میں یہ کس نے پھونک دیا کہ تم بہت حسین ہو۔''

میرا یہ جملہ اتنا غیر متوقع اور معنی خیز تھا کہ لڑکی کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ وہ کچھ بول بھی نہ سکی۔ بس ایک ٹک مجھے دیکھتی رہی۔

میں پھر بولا: ''میرا نام اپالو ہے۔ مجھ پر کوئی عورت فتحیاب نہیں ہو سکی۔ عورتوں نے ہمیشہ میرے پاؤں چاٹے ہیں۔ حسن کے گلستانوں کو میں نے بڑی بیدردی سے پامال کیا ہے۔ عورتیں مجھے پامال نہیں کر سکتیں۔ سمجھیں!''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

دوسری فصل

اکثر خواب سچے ہوتے ہیں۔ وہ انسان کو نیند میں اس کی بھولے ہوئے ماضی بلکہ مستقبل کی تصویر بھی دکھاتے ہیں۔ خواب میں وہ ماضی میں گم شدہ اپنی شخصیت کی شناخت بھی کر سکتا ہے۔ قدرت کبھی کبھی انسان کو ایسے موقع فراہم کرتی ہے۔ علیم الحق حقی نے ایک بار پھر ایک نہایت منفرد موضوع پر قلم اُٹھایا اور تخلیق پائی یہ کہانی..... دوسری فصل، جسکی بُنیاد ہندوؤں کے عقیدہ آواگون (دوسرا جنم) پر رکھی گئی ہے۔ ناول

دوسری فصل کو ناول سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آخری لفظ میں نے اتنی زور سے چیخ کر کہا تھا کہ وہ گھبرا گئی اس نے کسمسا کر میری آغوش سے نکلنا چاہا۔ میں نے گرفت ڈھیلی کردی۔ وہ میری آغوش سے نکل گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میرا دایاں ہاتھ بڑی تیزی سے گھوما۔ تڑاخ سے ایک تھپڑ اس کے بائیں رخسار پر پڑا اور وہ ایک چیخ کے ساتھ دیوار سے جا ٹکرائی۔ اگر وہ جبلی طور پر اپنے ہاتھوں کو کام میں نہ لے آئی ہوتی تو دیوار سے شاید اس کا سر ہی ٹکراتا۔

''نکل جاؤ اس کمرے سے۔'' میں نے چیخ کر کہا: ''اب اگر اس کمرے میں داخل ہو تو تمہاری نظریں جھکی ہونی چاہییں۔ جاؤ اور جا کر اپنی دیوی سے کہہ دو کہ وہ مجھ سے فوراً ملاقات کرے۔''

لڑکی کے چہرے کی شادابی کافور کی طرح اڑ چکی تھی اور میری طرف دیکھتے ہوئے اس کی نظروں سے خوف جھانک رہا تھا۔

''جاؤ۔'' میں پھر ڈپٹ کر بولا: ''کیا تم نے سنا نہیں؟''

وہ تیر کی طرح کمرے سے نکل گئی۔ اپنے پیچھے وہ دروازے کے پردے کو ہلتا ہوا چھوڑ گئی تھی اور میری نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اس لڑکی کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ محض ایک جذباتی ردِعمل تھا اور اب میرے ذہن میں اس سوال نے کھد بد مچا رکھی تھی کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ احتیاط کا تقاضہ وہ نہیں تھا جو میں نے کیا۔ ابھی تو اس عمارت میں میری حیثیت کا تعین ہی نہیں ہو سکا تھا۔ گو کہ وہ لڑکی مجھے ''اجنبی مہمان'' کہہ کر مخاطب کرتی رہی تھی۔ لیکن حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس ''اجنبی مہمان'' کے ساتھ اس عمارت کے مکینوں کا رویہ کیا ہوگا خاص طور سے ان حالات میں جب کہ وہ مہمان اس عمارت کی ایک لڑکی کو اس بری طرح ذلیل کر چکا تھا۔

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا بستر تک گیا اور بیٹھ گیا۔ خیالات نے میرے ذہن میں خلفشار سا برپا کر رکھا تھا۔ میں اپنی حرکت کے نتائج کی طرف سے خوفزدہ یا پریشان ہو گز نہیں تھا۔ صرف تجسس کی ایک لہر تھی کہ میں مستقبل قریب میں کسی قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہونے والا ہوں۔؟

ابھی تو مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس جزیرے کے باسی کس قسم کے لوگ ہیں میں صرف اتنا جان سکا تھا کہ یہاں کی آبادی دو متضاد قسم کے انسانوں پر مشتمل ہے۔ ساحل پر نظر آنے والے جنگلوں اور اس عمارت کے مکینوں میں بعد المشرقین تھا۔ لیکن یہ بات یقینی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تعلق ہرگز نہیں تھے۔ ان جنگلیوں کی زبان پر ساحرہ دیوی کا نام آ چکا تھا۔ اور غالباً میرے بارے میں اس عورت کو اطلاع دینے والے بھی وہی جنگلی تھے ورنہ وہ اس ویرانے میں اس وقت کیوں جاتی۔؟

میں سوچتا رہا اور پھر اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

کمرے کی فضا میں پھیلتی ہوئی موسیقی کی لہریں اب غائب ہو چکی تھی ذہنی انتشار کے عالم میں مجھے خیال نہیں رہ سکا تھا کہ اس خاموشی نے کن لمحات میں جنم لیا تھا۔ موسیقی کی آواز کب بند ہوئی تھی۔ غالباً یہ اس وقت ہوا ہوگا جب میں اس لڑکی کے غرور کا بت توڑ رہا تھا۔ اسی وقت میرے ذہن کی حالت ایسی ہوئی تھی کہ میں اردگرد کے ماحول کو فراموش کر بیٹھا تھا۔

ٹہلتے ٹہلتے ایک بار میرے جی میں آئی کہ اس کمرے سے نکلوں لیکن پھر میں یہ سوچ کر رہ گیا کہ چندے اور انتظار کرنا چاہیے۔ حالات کا خود بخود ایک واضح شکل اختیار کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہوتا ہے کہ کوشش کر کے صورتِ حال کو اپنے ذہن پر منکشف کیا جائے۔

دفعتاً میں ٹہلتے ٹہلتے ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس وقت میرا رخ دروازے ہی کی طرف تھا اور مجھے دروازے میں جو ہستی نظر آئی تھی اسے میں نے پہلی مرتبہ عالمِ غشی میں دیکھا تھا۔ اب بقید ہوش و حواس جو اسے دیکھا تو میری نظروں کو اتنا ہوش نہیں رہ گیا کہ اس شعلہ سراپا سے ہٹ سکتیں۔ وہ سرخ رنگ کا باریک سا لبادہ زیبِ تن کیے ہوئے تھی اور اس کا گلابی گلابی بدن اس باریک لباس میں دہکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت اس کے شانوں پر وہ سانپ موجود نہیں تھے جن کو میں نے عالمِ غشی میں دیکھا تھا وہ جو لبادہ پہنے ہوئے تھی اس کا گلا خاصا کشادہ تھا اور وہاں نظر آنے والے دو ہلال ایک توبہ شکن دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔

''اجنبی!'' ایک کھنکھناتی ہوئی آواز کمرے میں گونج اُٹھی۔

میں ایک دم چونک سا پڑا۔ اس آواز نے مجھے خوابوں کے جزیرے سے اُٹھا کر حقیقت کی سنگلاخ چٹانوں پر لا پھینکا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اب اس عورت کے سامنے کھڑا ہوا ہوں جو غالباً اس جزیرے کی حکمراں ہے اور جو بلاشبہ اتنی خوبصورت ہے کہ قلب و جگر کو برما دے لیکن مجھے اپالو کو زیب نہیں دیتا کہ اس جمالِ دلفریب کو یوں اپنے حواس پر چھا جانے دوں۔

''تم..... ساحرہ دیوی ہو!'' میں اسے گھورتا ہوا بولا۔

''اس محل میں مجھے صرف دیوی کہا جاتا ہے۔'' اس نے مسکراہٹ کی بجلیاں گراتے ہوئے کہا۔ ''ساحری دیوی صرف تیسرے طبقے کے لوگ کہتے ہیں۔''

''تیسرا طبقہ؟'' میرا لہجہ سوالیہ تھا۔

''ہاں، تیسرا طبقہ..... اس جزیرے پر تین طبقے آباد ہیں لیکن یہ ساری باتیں تم کو آہستہ آہستہ معلوم ہوں گی۔'' وہ پروقار انداز میں چلتی ہوئی، کرسی کیطرف گئی اور پھر میری طرف مڑ کر بولی۔ ''کھڑے کیوں ہو، بیٹھ جاؤ۔!

''تم بہت دیر سے ٹہل رہے ہو تھک گئے ہو گے۔''

''کیا تم کافی دیر سے دروازے پر کھڑی تھیں؟''

''نہیں میں ابھی آئی تھی۔''

''پھر تم نے کیسے جان لیا کہ میں بہت دیر سے ٹہل رہا ہوں۔''

''کوئی پل ایسا نہیں گزرتا جب اس محل کا ایک ایک گوشہ مجھ پر بے نقاب نہ ہو۔ یہاں ہونے والی ہر بات و حرکت میرے علم میں آجاتی ہے۔''

وہ ایسے لہجے میں بولی جیسے مجھ پر اپنی روشن ضمیری کا رعب ڈالنا چاہتی ہو۔ لیکن میں ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوا۔ یہ امکان

بہر حال موجود تھا کہ دروازے پر لٹکے ہوئے پردے کے پیچھے سے کچھ آنکھیں مجھے دیکھتی رہی ہوں۔ اور اس عورت کو میری نقل و حرکت سے آگاہ کیا جاتا رہا ہو۔

میں نے لاپروایانہ انداز میں اپنے شانے جھٹکے اور آگے بڑھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔

''تم بہت دلیر ہو خوبصورت مہمان!'' وہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''اور میں دلیر مردوں کو بہت پسند کرتی ہوں۔ کیا تم بتاؤ گے کہ اس جزیرے پر تمہاری رسائی کیونکر ہوئی اور اس عورت سے تمہارا کیا تعلق ہے جو تمہارے ساتھ تھی۔''

''کچھ بتانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری ساتھی کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے۔؟''

''وہ اسی محل کے ایک کمرے میں موجود ہے اور بینا حکیم اس کا علاج کر رہے ہیں۔ اب اس کی حالات خطرے سے باہر ہے۔ کل تک وہ اس قابل ہو جائے گی کہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔''

کلدیب کور کی زندگی کا مژدہ سن کر میرے سینے سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا۔ اب تک مجھے یہی کرب لاحق رہا تھا کہ وہ بچ سکی ہو گی یا نہیں۔؟

''کیا تم اب میری خواہش پوری نہیں کرو گے۔؟'' وہ بولی۔

''کیسی خواہش؟'' میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔

''میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم کون ہو اور اس عورت سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ نیز یہ کہ تم دونوں اس جزیرے تک کیسے پہنچے اور وہ کیسا حادثہ تھا جس نے عورت کو ممتا کے جذبے سے سرفراز نہیں ہونے دیا۔''

''ہم ایک بحری جہاز میں سفر کر رہے تھے اور وہ جہاز ایک زیر آب چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا تھا۔ ہم نے تیرتے ہوئے بمشکل تمام اس جزیرے تک پہنچے تھے' وہ عورت میری بیوی ہے۔''

''لیکن تم برہنہ کیوں تھے۔؟''

اس سوال پر میرے چہرے پر سرخی پھیل گئی ہو گی کیوں کہ میں نے اس عورت سے نظریں چرانے کی بھی کوشش کی تھی۔ پھر میں آہستہ سے بولا۔

''میں اس وقت باتھ روم میں تھا جب یہ حادثہ ہوا۔''

''خوبصورت مہمان!'' وہ مسکرائی۔ ''شاید تم کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ حالانکہ ممکن ہے تم مجھے رازداں بنا کر کوئی فائدہ حاصل کر سکو۔''

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ نہ جانے کیسے سمجھ گئی تھی کہ میں کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس کے شبہے کی بنیاد محض یہ تو نہیں ہو سکتی تھی کہ میں اسے برہنہ حالت میں ملا تھا۔

''وہ عورت جسے تم اپنی بیوی کہہ رہے ہو۔ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے۔'' دیوی بولی اور میں بے اختیار ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

''عورت محبّ کی بھوکی ہوتی ہے۔'' وہ کہتی رہی۔ ''میرے ہمدردانہ رویے سے وہ موم کی طرح پگھل گئی اور اس نے سب کچھ اگل دیا ہے۔ اب میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ اس بوڑھے کیشپ کو تم سے کیا دشمنی ہے۔''

''تم یہ جاننے کے لیے بے چین کیوں؟'' میں نے اسے متجسس نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اب اس کے چہرے کا رخ میری طرف نہیں تھا۔ وہ کسی خیال میں کھوئی تھی اور اس کی نظریں فانوس پر جمی ہوئی تھیں وہ آہستہ سے بولی۔

''میری بے چینی کا سبب فطرت ہے۔ انسانی فطرت جو عجیب و غریب واقعات کی گہرائی میں پہنچنے کے لیے مضطرب ہو جاتی ہے۔''

میں غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا میں اس کے چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے جو سبب بیان کیا ہے وہی حقیقت ہے یا اس کی بے چینی کے پس منظر میں کچھ اور متحرکات بھی ہیں۔؟

میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر میں اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں تو اس سے مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ بظاہر تو کسی نقصان کا احتمال نہیں تھا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے ذہن میں یہ بات بھی موجود تھی کہ ماضی میں اس سرزمین سے میرا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ یہ عورت میرے بارے میں کچھ جانتی ہو۔

اچانک مجھے اپنی پراسرار ذہنی قوت کا خیال آیا کیوں نہ میں اپنی اس قوت کو استعمال کر دوں اس طرح میں یہ معلوم کر سکتا تھا کہ اس وقت وہ عورت کیا سوچ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ میرے ہی بارے میں سوچ رہی ہوگی۔ میرے ذہن میں پوری شدت سے یہ سوال ابھرا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ میں نے ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ آخر ارسلان نے مجھ سے اس طرح کیوں گفتگو کی ہے جیسے میں اس کے لیے اجنبی ہوں۔ اس میں تو کوئی شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا کہ یہ ارسلان ہے۔ میں اس کے پیر کے تلوے پر تین سروں والے شیر کی تصویر دیکھ چکی ہوں۔ وہ نشان دنیا کے کسی اور آدمی کے تلوے پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔

میں یہ جان کر چونک گیا کہ عورت کے ذہن پر میرا نام موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ میرا اصل نام کلدیب نے تو اسے ہرگز نہیں بتایا ہوگا کیوں کہ وہ خود ہی اس سے ناواقف تھی تو پھر دیوی کو اس کا علم کیسے ہوا۔ وہ نہ صرف میرے نام سے واقف تھی بلکہ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میرے تلوے پر تین سروں والے شیر کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

''کیوں!'' وہ اچانک میری طرف مڑ کر بولی: ''تم نے ابھی تک کچھ بتایا نہیں۔ کس خیال میں کھوئے ہوئے ہو؟ کیا تم مجھ پر

اعتماد کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔؟''

''نہیں۔'' میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''دراصل میں یہی سوچ رہا ہوں کہ مجھے تم پر اعتماد کر لینا چاہیے۔ شاید تم میرے کسی کام آسکو۔''

''میں یہی کہنا چاہتی تھی۔'' اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔

اس وقت میں نے پھر اسکے ذہن میں جھانکا۔ کسی کے ذہن میں جھانکنا میرے لیے ایک عجیب سا عمل تھا۔ شاید دنیا کی کسی بھی زبان نے ایسے الفاظ نہیں تراشے ہوں گے جو اس عمل اور اس کے ردِعمل کا اظہار کر سکیں۔ میں اگر اس کیفیت کو بیان کرنا چاہوں تو بس زیادہ سے زیادہ کہہ سکتا ہوں کہ جیسے ہی میں نے دیوی کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی۔ میرے ذہن میں ایک غبار سا اُٹھا اور اس غبار سے کچھ الفاظ متشکل ہو کر میرے شعور کی سطح پر پھیل گئے۔ دیوی سوچ رہی تھی کہ اگر ارسلان نے مجھے سب کچھ بتا دیا تو مجھے مستقبل میں اپنا لائحہ عمل مرتب کرنے میں شاید کچھ آسانی ہو جائے۔

بس!

میں دیوی کے ذہن سے اور کچھ نہ پڑھ سکا۔ لیکن جتنا پڑھ سکا تھا اس سے مجھے یہ ضرور معلوم ہوگیا کہ وہ کوئی منصوبہ بنا رہی تھی چونکہ حالات میں اس منصوبے سے متعلق کوئی خاص بات اس کے ذہن میں نہیں تھی اس لیے میں اسے جاننے سے قاصر رہا۔

وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا: ''میں اپنی یادداشت کھو چکا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ماضی میں میری شخصیت کیا تھی۔'' میں بولتا ہی چلا گیا۔ میں نے اپنی اس کہانی کا آغاز اسی وقت سے کیا تھا جب حادثے کے بعد ایک ہاسپٹل میں میری آنکھ کھلی تھی اور میں اس بات سے بے خبر تھا کہ میں کون ہوں۔

دیوی بڑی دلچسپی سے میری روئیداد سنتی رہی۔ میں اس بات سے بے خبر رہا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھی۔ دراصل یہ ناممکن ہے کہ میں سوچتا بھی رہوں اور دوسرے کے ذہن میں جھانکتا بھی رہوں۔ اس عمل کے لیے مجھے مکمل ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے جو ظاہر ہے کہ بولنے کے دوران حاصل نہیں ہو سکتی۔

جزیرے پر دھماکہ

ابن صفی کے دوست اور شاگرد ایچ اقبال کے تخلیق کردہ کردار میجر پرمود کا جاسوسی کارنامہ۔ ایک سنسان جزیرے پر ملک دشمن عناصر کی قائم کردہ، اسلحہ فیکٹری کو تباہ کرنے کا مشن۔ یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

دیوی نے میری کہانی سننے کے دوران میں مکمل خاموشی اختیار کیے رکھی۔

مجھے کسی بھی مرحلے پر نہیں ٹوکا۔ ویسے اسے ٹوکنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ میں نے سب کچھ بڑی تفصیل سے بیان کر ڈالا تھا۔ میں نے اپنی کہانی کا اختتام اپنی اس بے ہوشی پر کیا جو اس جزیرے پر پہنچنے کے بعد مجھ پر غالب ہوئی تھی۔

اور جب میں خاموش ہو گیا تو وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔

''بہت خوب! تمہاری کہانی بہت دلچسپ ہے خوبصورت مہمان! نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس پر یقین کر لوں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید یقین نہ کرتا۔''

میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ دراصل میں پھر اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی وہ سوچ رہی تھی کہ ارسلان کی کہانی سو فیصدی درست ہے۔ کیپٹ اس کا اتنا ہی شدید دشمن ہے کہ اسے نقصان پہنچانے کے لیے دنیا کے آخری سرے تک جا سکتا ہے۔

خوب میں نے سوچا تو یہ عورت نہ صرف کیپٹ کو جانتی ہے بلکہ اسے یہ بھی علم ہے کہ وہ میرا شدید دشمن ہے۔

'خوبصورت مہمان! وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''ممکن ہے کہ میں اس سلسلے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں لیکن اس کے لیے تمہیں چند دن انتظار کرنا ہوگا۔''

''تم میری کیا مدد کر سکو گی؟''

''یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ اچھا اب تم آرام کرو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو تالی بجا کر کنیزوں کو بلا لینا۔'' وہ کھڑی ہوئی۔

''سنو!'' میں نے بے چینی سے ہاتھ اُٹھا کر اسے روکا۔ ''کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ میں کس جزیرے پر پہنچ گیا ہوں اور یہاں پر تمہاری شخصیت.....''

''یہ سب کچھ تمہیں آہستہ آہستہ معلوم ہوتا رہے گا اور یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' وہ میری بات کاٹتی ہوئی بولی۔

''اور کلدیب کور.....؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''بینا حکیموں کا خیال ہے کہ اسے مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ کل تک اسے آرام کرنے دو پھر تم اس سے مل سکو گے۔''

میں اس سے کئی اور باتیں بھی معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن اب اچانک وہ بہت زیادہ عجلت میں نظر آنے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کہیں پہنچنے کی جلدی ہو۔ مجھے اتنا موقع بھی نہیں مل سکا کہ اس کے ذہن میں جھانک کر اس کی عجلت کا سبب جان سکتا۔ وہ چلی گئی اور میں اپنے ذہن کو مختلف خیالات کی آماجگاہ بنائے دروازے پر پڑے ہوئے پردے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اب صورت حال یہ بتا رہی تھی کہ میں اپنی گمشدہ شخصیت کے بہت قریب پہنچ گیا ہوں۔ دیوی مجھ سے خوب اچھی طرح واقف تھی

اور مجھے بھی اس جزیرے پر پہنچنے کے بعد سے اب تک یہ محسوس ہوتا رہا تھا کہ وہ سب کچھ جو مجھے بظاہر اجنبی سا معلوم ہو رہا تھا، حقیقتاً میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہاں بولی جانے والی زبان، وہاں کے کھانے اور وہاں کا ماحول میرے ذہن کے تاریک گوشوں میں روشنی بکھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میں بستر پر بیٹھا سوچتا رہا کہ اگر مجھے اس جزیرے کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتیں تو ممکن تھا کہ مجھے فوری طور پر بہت کچھ یاد آ جاتا۔ دیوی نے مجھے کوئی بات نہیں بتائی تھی لیکن کیا اس کا امکان بھی نہیں تھا کہ میں وہ معلومات کسی اور ذریعے سے حاصل کر لیتا؟ دراصل میرے ذہن میں ان کنیزوں کا خیال موجود تھا۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور میرے کام آ سکتی تھی۔ مجھے صرف اس کنیز کو نظر انداز کرنا تھا جو میرے وحشیانہ سلوک کا نشانہ بنی تھی۔ وہ میرا ''ذریعہ'' بننا پسند نہیں کرتی۔ گو کہ میں اپنی پراسرار قوت سے کام لے کر اسے زبان کھولنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن یہ بات مناسب نہیں تھی کہ میں معمولی دشواریوں پر قابو پانے کے لیے اپنی اس قوت کو استعمال کروں۔ اس عمل میں معمول کی ہلاکت کا خدشہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ماضی میں ایسی کئی مثالیں میرے سامنے آ چکی تھیں۔

تو پھر یہی ٹھہری کہ اپالو کی وجاہت کو کام میں لایا جائے۔

رات بھیگتی جا رہی تھی جب میں نے تالی بجائی کسی توقف کے بغیر ان تینوں میں سے ایک کنیز پردہ اُٹھا کر اندر آ گئی۔ یہ وہ نہیں تھی جس نے اپالو کو فتح کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ اگر وہ آتی تو مجھے اس سے کہنا پڑتا کہ وہ واپس چلی جائے اور کسی اور کنیز کو اندر بھیجے۔

وہ قریب آ کر مؤدبانہ کھڑی ہو گئی اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں میں نے اس کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے محسوس کیا کہ یہ پرشباب جسم میری کئی روزہ گرسنگی کا ازالہ کرنے پر قادر ہو گا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا نام کیا ہے لڑکی!'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''پشمین'' وہ بدستور نظریں جھکائے رہی۔

''خوبصورت نام ہے۔'' میرے لہجے میں مٹھاس تھی۔

اس کی بڑی بڑی پلکیں اوپر اٹھیں۔ گہری گہری نیلی آنکھوں نے مجھے ایک پل کیلئے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے بڑی بڑی پلکیں ایک بار پھر بصارت کی راہ میں حائل ہو گئیں۔

''اب مجھے نیند آ رہی ہے۔'' میں پھر بولا: ''لیکن جب تک کوئی میرا جسم نہ دبائے میں سو نہیں سکتا۔''

''جو حکم۔''

''تو پھر دروازے بند کر دو۔ کوئی مخل نہ ہونے پائے۔''

پشمین کے چہرے پر شفق چھٹک گئی۔ وہ پرحجاب انداز میں دروازے کی طرف مڑی اور میں زیرلب مسکراتا ہوا اس کی حرکات و سکنات دیکھتا رہا۔ دروازہ بند کر کے وہ میری طرف لوٹی۔ اب میں بستر پر لیٹ چکا تھا۔ اس کی نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں چہرے پر شہابی

رنگ بکھرا ہوا تھا اور سینے کے زیر و بم سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ اس کے جذبات میں تموج پیدا ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ عورت، مرد کی نظروں کو فوراً پہچان لیتی ہے۔ پشمین کو بھی اندازہ ہو گیا کہ حسن و عشق کی چھیڑ چھاڑ کیلئے فضا پوری طرح ہموار ہو چکی ہے۔

جب وہ قریب آ کر کھڑی ہوئی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بستر پر بٹھا لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی اوپر اُٹھاتے ہوئے سرگوشی کی۔

''مجھے یقین ہے پشمین! تمہارے گداز ہاتھوں کے لمس سے میری تھکی ہوئی ٹانگوں کو بہت آرام ملے گا۔''

پشمین نے ایک فرمانبردار باندی کی طرح اپنے ہاتھ میرے پیروں کی طرف بڑھا دیے۔ جیسے ہی اس کے ہاتھ میرے پیروں کی انگلیوں سے چھوئے میرے تمام جسم میں سنناہٹ پھیلتی چلی گئی۔ اس خفیف سے لمس کا اتنا فوری ردِعمل میری کئی روزہ گرسنگی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے میرے تلوے سہلاتی اور دوسرے ہاتھ سے انگلیاں دباتی رہی۔ پھر اس نے میرے ٹخنوں کو سہلانا شروع کیا اور اس کے ہاتھ میری پنڈلیوں کی طرف سرکنے لگے۔ اس کے سینے کا سائز اب اور بڑھ چکا تھا۔ وہ نہ صرف مجھ سے مسحور ہو چکی تھی بلکہ اپنے جذبات کے تند و تیز دھارے کی بھی زد میں آ گئی تھی۔ اِدھر میرے جذبات کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا جیسے کوئی لاوا پھٹ پڑنے کے لیے بیتاب ہو۔

پشمین کے ہاتھوں کی مسلسل حرکت ہم دونوں کو نکتۂ اتصال کی طرف بڑھاتی رہی۔

پھر جب ہم دونوں اس نکتے پر پہنچے تو پشمین جذبات سے پوری طرح مغلوب تھی۔ جذبات تو میرے بھی ابلے پڑ رہے تھے لیکن میں نے اپنے مقصد کو فراموش نہیں کیا تھا۔ اس مقصد کو میں کیسے بھلا دیتا جبکہ محض اسی کیلئے جذبات کا یہ کھیل رچانا پڑا تھا۔ پشمین میری آغوش میں تھی اور میں اس کے ہونٹوں کو چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے اپنے سوالوں کا آغاز کر چکا تھا۔ پشمین کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے اور پلکیں جذبات کے خمار سے جھکی پڑی تھی وہ میری باتوں میں آ گئی اور وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی جو میں جاننا چاہتا تھا اس سلسلے میں خاموش رہنے کی تنبیہ ضرور کی گئی ہو گی لیکن وہ لمحات ایسے تھے جب ماسوائے جذبات، کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ عقل و خرد کا شیرا جاتا ہے اور ذہن انسانی پر صرف جنون کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے انسانی فطرت کی اسی کمزوری سے فائدہ اُٹھایا تھا۔

پشمین سے مجھے معلوم ہوا کہ اس جزیرے کا نام دیبال ہے اور یہ ان جزیروں میں سے ایک ہے جو جزائر کالدیب کہلاتے ہیں۔ کچھ عرصے پہلے تک اس جزیرے پر کالدیب کے فرمانروا کا حکم تھا اور اس حکومت کی نمائندگی زرتاش کو دی گئی تھی۔ وہ گویا اس جزیرے کا گورنر تھا۔ اس کی رہائش اسی محل میں تھی۔ کوئی دو ماہ پہلے ایک محلاتی سازش کا شکار ہو گیا اور وہ عورت برسرِ اقتدار آ گئی جسے دیوی کہا جاتا تھا۔ زرتاش کو دیوی کے سانپوں نے ڈس لیا اور اس کی لاش جو بالکل نیلی پڑ گئی محل کے صدر دروازے پر جلا دی گئی۔

''کالدیپی حکومت نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اُٹھایا؟'' میں پشمین سے پوچھا۔

''کالدیپی جنگی کشتیاں کئی مرتبہ دیبال پر حملہ کر چکی ہیں لیکن ہر مرتبہ ان کو بری طرح ناکامی ہوئی ہے۔ دیوی کی پراسرار قوتوں سے ٹکرا کر صرف فنا ہی بنتی ہے دیوی کا محافظ دستہ سارے کالدیپ کی فوج پر بھاری پڑ سکتا ہے کہ عنقریب کالدیپی حکمراں دیبال پر کوئی بہت

زبردست حملہ کرنے والا ہے۔''

''کیا تمہاری دیوی اس بڑے حملے سے خوفزدہ ہے۔؟''

''دیوی کبھی خوفزدہ نہیں ہوسکتی اس کے محافظ دستے کا سالار بھی مطمئن ہے۔

''وہ کون ہے۔؟''

''اسے پہلے کبھی دیبال نہیں دیکھا گیا۔اس کا نام شیموئل ہے۔اس دستے کا کوئی آدمی بھی دیبال سے تعلق نہیں رکھتا۔دیوی ان سب کو آسمانی دنیا سے اپنے ساتھ لائی ہے۔''

''آسمانی دنیا؟''میں نے تعجب سے کہا۔

''ہاں تو اور کیا.....تم دیوی کو کیا سمجھتے ہو وہ ہماری تمہاری طرح انسان تو نہیں۔''

میں جواب میں کچھ کہنے کی بجائے ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔اس عورت نے ان لوگوں کے ذہنوں پر اچھی طرح اپنی دھاک جما رکھی تھی۔

''اجنبی!''پشمین تیز تیز سانسیں لیتی ہوئی بولی۔''تم ان لمحات کو ایسی باتوں میں کیوں ضائع کر رہے ہو؟''

میں زیرلب مسکرا دیا۔میرے جذبات میں بھی شدید اُبال آچکا تھا لیکن یہ معلومات حاصل کرنے کے لیے میں خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔اب میں نے اس کے لب لعلیں پر اپنے ہونٹ رکھ دے اور وہ اس بری طرح مجھ سے لپٹ گئی جیسے میرے وجود میں مدغم ہوجانا چاہتی ہو۔

جذبات کے تند و تیز طوفان کو روکنا اب میرے بس میں نہیں رہا تھا گرسنگی ناقابل برداشت ہوچکی تھی۔جذبات کا ریلا بہا تو بہتا ہی چلا گیا۔نشیب و فراز ہوتے رہے اور کچھ دیر بعد،اُجڑی اُجڑی سی پشمین میرے دائیں بازو پر سر رکھے،آنکھیں بند کیے ہوئے لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی اس کے ہونٹوں کے اوپر پسینے کی ہلکی سی چمک اس کے نڈھال ہوجانے کی غماز تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

عشق کا عین

عشق کا عین.....علیم الحق حقی کے حساس قلم سے،عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے سفر کی داستان،ع.....ش.....ق کے حروف کی آگاہی کا درجہ بہ درجہ احوال۔دورِ حاضر کا مقبول ترین ناول.....ایک ایسا ناول جو آپ کے سوچنے کا انداز بدل کر آپ کی زندگی میں مثبت تبدیلی لے آئے گا۔ **کتاب گھر کے معاشرتی اصلاحی ناول سیکشن میں دستیاب ہے۔**

''پشمین'' میں نے اسے آہستہ پکارا۔

''ہوں۔''پشمین جیسے گنگنائی۔اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

''اگر تمہاری دیوی کو اس کا علم ہو گیا تو؟ میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''خود دیوی ہی نے ہم تینوں کو حکم دیا تھا کہ تمہاری دلبستگی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔''

''تمہاری دیوی کچھ زیادہ ہی مہمان نواز ہے۔!''

''وہ پھول بھی ہے اور زہر بھی۔''پشمین بڑی عقیدت سے بولی۔

''کیا وہ کسی سے محبت نہیں کرتی؟''

''شیوئل اس کا محبوب ہے۔''

''اس کے محافظ دستے کا سالار؟''میں نے حیرت سے کہا۔''وہ اپنے ایک ادنیٰ خادم سے محبت کرتی ہے۔؟''

پشمین اس طرح چونک پڑی جیسے اب تک خواب دیکھتی رہی ہو۔اس کے چہرے پر خوف کا سایہ پھیلتا چلا گیا۔

''تم مجھ سے ایسی باتیں کیوں پوچھ رہے ہو اجنبی!''وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔''میں نے تمہیں بہت کچھ بتا دیا ہے جبکہ مجھے ایک لفظ بھی نہیں بتانا چاہیے تھا۔''

''مجھ پر اعتماد کرو جانِ من.....!میں دیوی کے سامنے ان باتوں کا اظہار نہیں کروں گا۔

''نہیں نہیں.....اب تم مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔''

''اچھا بس اتنا اور بتا دو کہ میرے ساتھ جو عورت آئی تھی وہ محل کے کس حصے میں ہے۔؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''پشمین نے جواب دیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

میں فوراً اپنی پراسرار ذہنی قوت کو حرکت میں لے آیا اور پشمین کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی۔قریب قیاس یہی تھا کہ وہ اس لمحے کلدیب کور کے بارے میں سوچنے لگی ہوگی اور میرا یہ خیال غلط بھی نہیں ثابت ہوا۔یہ دوسری بات ہے کہ اس خیال کے صحیح ثابت ہونے سے بھی مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔پشمین صرف یہ سوچ رہی تھی کہ اجنبی مہمان کا اس عورت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔؟ کیا یہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب رہے ہیں۔؟

اب مجھے اس بات پر افسوس ہونے لگا کہ میں نے پشمین سے شروع میں کلیدب کور کے بارے میں کیوں نہ پوچھ لیا۔اب وہ کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہیں تھی اور میں اس کے ذہن میں جھانک کر بھی کچھ معلوم کرنے سے قاصر رہا تھا۔

جزیرۂ دیبال کے بارے میں جو معلومات مجھے پشمین سے حاصل ہوئی تھیں ان سے مجھے اپنا ماضی یاد تو نہیں آ سکا تھا مگر ذہن کے تاریک گوشوں میں ہونے والے روشن جھماکوں کی تعداد کچھ بڑھتی ہوئی سی معلوم ہوئی تھی یقیناً یہ ساری باتیں میرے گمشدہ ماضی سے کچھ نہ

کچھ تعلق ضرور رکھتی تھیں۔

پشمین میرے بازو پر سر رکھے ہوئے کچھ ہی دیر میں نیند کی آغوش میں پہنچ گئی لیکن میں اب اسے فراموش کر چکا تھا۔ میرے ذہن میں وہ ساری باتیں چکرا رہی تھیں جن کا علم مجھے پشمین سے ہوا تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا، کیوں نہ میں اپنی پراسرار قوت کو کام میں لاؤں اور دیوی کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کروں۔ ظاہر ہے کہ وہ محل ہی کے کسی حصے میں ہوگی۔ بیشک وہ میرے سامنے نہیں تھی لیکن میں اس امکان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میری ذہنی قوت عدم موجود شخص کے ذہن تک بھی پہنچ سکتی ہے۔

میں اپنے ذہن کو دیوی کے خیال پر مرتکز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے مکمل ذہنی یکسوئی کی ضرورت تھی اور اس کے لیے خاصی محنت کرنا لازم تھا۔ میں نے تمام باتوں کو فراموش کر دیا۔ اپنے ماحول کو بھلا دیا۔ حتی کہ اپنی ذات بھی بھلانے کی کوشش کی۔ اس عالم میں کئی منٹ گزر گئے اور پھر اچانک میرا دل خوشی سے دھڑک اُٹھا۔ میرے ذہن کی پراسرار لہریں دیوی کے ذہن تک پہنچ گئی تھیں اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ اس وقت ایک بہت ہی خاص نکتے پر غور کر رہی تھی۔ وہ نکتہ میرے لیے بیحد اہمیت رکھتا تھا۔ دیوی اس وقت یہ سوچ رہی تھی کہ اب فرمانروائے کالدیب کو دیبال پر حملہ کرنے سے بہ آسانی روکا جا سکتا ہے۔ کل صبح میں اسے یہ پیغام بھیج دوں گی کہ اگر اب اس نے دیبال پر وہ خوفناک حملہ کیا تو اسے ارسلان کی لاش دیکھنا ہوگی۔ ناممکن ہے کہ وہ یہ داغ سہنے کے لیے آمادہ ہو جائے۔ کیشپ تو اسے ہر قیمت پر حملہ کرنے کی ترغیب دے گا لیکن اس کی آمادگی ممکن نہیں۔ بیشک وہ کیشپ کے اشاروں پر ناچتا ہے لیکن اس معاملے میں ایسا ممکن نہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے کہ کالدیپ کی طاقت دو حصوں میں منقسم ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ میرے حق میں بہتر ہوگا۔ دونوں طاقتیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر فنا نہ ہوئیں تو بھی کمزور ضرور ہو جائیں گی اور میں ان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا سکوں گی۔

دیوی سوچتی رہی اور میں پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے ذہن کی غیر مرئی آنکھیں اس کے ذہن پر گاڑے رہا۔ مجھے جو معلومات حاصل ہو رہی تھیں وہ میرے لیے انتہائی سنسنی خیز تھیں لیکن پھر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ دیوی کی سوچ ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگی۔ میرا مطلب ہے کہ اس کا تسلسل قائم نہیں رہا۔ ایک آدھ بات میری سمجھ میں آتی اور پھر سناٹا چھا جاتا۔ پھر ایک آدھ نکتہ سامنے آتا اور اس کے بعد خاموشی چھا جاتی۔ پھر یوں ہوا کہ سناٹے اور خاموشی کا وقفہ طویل ہوتا چلا گیا۔

یہاں تک کہ مکمل خاموشی! گمبھیر سکوت!..... اب دیوی کا کوئی خیال بھی میرے ذہن تک نہیں پہنچ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی سوچ کے ٹکڑے اس وقت شروع ہوئے ہوں گے جب اس پر غنودگی نے حملہ کیا ہوگا اور مکمل رکاوٹ اس بات کی علامت تھا کہ اب وہ گہری نیند میں ڈوب چکی ہوگی۔

میں نے تھکے تھکے سے انداز میں ایک طویل سانس لے کر اپنی توجہ اس نکتے سے ہٹالی اور سر گھما کر پشمین کی طرف دیکھنے لگا جو بے خبر سو رہی تھی۔ میرا بازو بدستور اس کے سر کے نیچے دبا ہوا تھا۔ میں نے آہستگی سے اس کا سر اُٹھا کر اپنا بازو نکال لیا۔ وہ بے خبر سوتی

رہی۔ میں نے بستر سے اُٹھ کر ایک گلاس پانی پیا اور پھر کرسی ہی پر بیٹھ کر ان نکات پر غور کرنے لگا جو مجھے دیوی کے ذہن سے حاصل ہوئے تھے۔

دیوی کا خیال تھا کہ فرمانروائے کالدیپ میری موت برداشت نہیں کر سکتا اس لیے جزیرۂ دیبال پر حملہ کرنے سے باز رہے گا۔ اب میری سوچ کے گھوڑے اس رخ پر دوڑ رہے تھے کہ کالدیب کے فرمانروا کو میری ذات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔

یقیناً اس دلچسپی کی نوعیت بڑی اہم ہوگی کیونکہ دیوی کے خیال کے مطابق وہ میری خاطر اپنے اقتدار کو بھی خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

دیوی ہی کی سوچ سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ بوڑھا کیشپ جزائر کالدیب سے تعلق رکھتا تھا اور اسکی شخصیت اتنی اہم ہے کہ وہ فرمانروائے کالدیب کو کسی کام کی ترغیب تک دے سکتا ہے۔

ماضی قریب میں یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ میری تعلیم و تربیت میں کیشپ کا ہاتھ رہا ہے لہٰذا اب میں اس بات پر یقین کر سکتا تھا کہ میرا بھی تعلق جزائر کالدیب سے ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی تھا کہ یہاں کی زبان اچھی طرح میری سمجھ میں آتی تھی۔

میں کرسی سے اُٹھا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میرے جذبات میں بھونچال سا آیا ہوا تھا کیونکہ میری منزل اب بہت قریب آ چکی تھی۔ شاید جزائر کالدیپ ہی میرا وطن تھا۔ وہاں پہنچ کر مجھے اپنے ماضی کی تمام باتیں یاد نہ آتیں تو بھی کم از کم علم میں ضرور آ جاتیں۔ اب یہ میرے لیے بیحد ضروری ہو گیا تھا کہ میں جلد از جلد فرمانروائے کالدیپ تک پہنچوں۔ اس سے ملاقات میرے ذہن کی تاریکیوں میں روشنی بکھیر سکتی تھی میرا بچھڑا ہوا ماضی مجھ سے مل سکتا تھا۔

لیکن..... میں سوچ رہا تھا' کیا یہ بات ممکن ہے.....؟ دیوی تو مجھے جزیرۂ دیبال سے ہرگز نہ جانے دے گی۔ صرف میری ہی ذات اس کی کامیابی کی ضمانت بن سکتی تھی۔ غالباً اسے خوف تھا کہ وہ کالدیپی حکومت کے اس زبردست حملے کا مقابلہ نہ کر سکے گی جو اس کے لیے متوقع تھا۔

ان حالات میں صرف یہی بات سوچی جا سکتی تھی کہ میں یہاں سے فرار ہونے کی تدبیر کروں اور فرار ہونا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اگر معاملہ میری ذات تک محدود ہوتا تو شاید زیادہ پریشانی نہ ہوتی لیکن میرے ساتھ کالدیب کور بھی تھی۔ اسے ساتھ لیے بغیر یہاں سے فرار ہو جانا اصول مردانگی کے خلاف تھا۔ میرے فرار کے بعد دیوی یقیناً اس کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی۔

نیند میری آنکھوں سے اُڑ چکی تھی اور میں مسلسل سوچ رہا تھا۔ جب ٹہلتے ٹہلتے تھک جاتا تو کرسی پر بیٹھ جاتا اور کچھ دیر سستا کر پھر ٹہلنے لگتا۔ رات اپنے تیسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی جب میں بری طرح تھک گیا۔ نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی طور پر بھی اور ذہنی تھکن چونکہ انسان کو آمادۂ خواب کر دیتی ہے اس لیے اس مرحلے پر میرے قدم خود بخود بستر کی طرف اُٹھ گئے۔

دوسری صبح میں کافی دیر تک سوتا رہا اور جب بیدار ہوا تو پشیمن بستر پر موجود نہیں تھی۔ میں اُٹھ بیٹھا اور دروازے کی طرف دیکھنے

لگا جو کھلا ہوا تھا میں نے تالی بجائی۔ فوراً ہی ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی۔

''پشمین کہاں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

کنیز کی آنکھوں میں خوف کی ایک لہر امنڈتی محسوس ہوئی اور پھر اس نے سر جھکا کر کانپتی ہوئی آواز میں آہستہ سے کہا: ''مجھے علم نہیں اجنبی مہمان..... آپ جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہوں وہ دیوی سے معلوم کیا کیجیے ہمیں کسی سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں ہے۔''

میں چند لمحے اسے گھورتا رہا اور پھر طنزیہ لہجے میں بولا: ''کیا تم مجھے یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ غسل خانہ کہاں ہے۔؟''

''اُدھر..... اس پردے کے عقب میں۔'' اس نے بتایا۔

میں اُٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا۔ جب نہا کر کمرے میں آیا تو وہ کنیز میرے لیے دوسرا لباس تیار کر چکی تھی۔

''یہ لباس زیب تن کر لیجیے!'' اس نے کہا اور میرے بولنے کا انتظار کیے بغیر کمرے سے چلی گئی۔

میں کپڑے تبدیل کر کے کنیز کو بلانے کے لیے تالی بجانے ہی والا تھا کہ پردہ اٹھا کر دیوی کمرے میں داخل ہوئی وہ اس وقت بھی سرخ حریری لبادے میں ملبوس تھی۔

''صبح بخیر خوبصورت مہمان۔!'' وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''صبح بخیر!'' میں بھی مسکرا دیا۔

دیوی کے پیچھے پیچھے وہی کنیز بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوان تھا۔

''ناشتہ حاضر ہے۔'' دیوی بولی۔

''یہ میرے لیے باعث مسرت ہے کہ تم بھی ناشتے میں میرے ساتھ شریک ہوگی۔''

''اوہ..... نہیں!'' وہ ہاتھ اُٹھا کر بولی میں تو ناشتہ کر چکی ہوں۔ ارادہ تو یہی تھا کہ تمہارے ساتھ کروں گی لیکن تم اس وقت تک بیدار نہیں ہوئے تھے شاید رات کو زیادہ دیر تک جاگتے رہے!'' آخری فقرہ کہتے ہوئے اس نے میری طرف بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔

''آں..... ہاں..... مجھے دیر سے نیند آئی تھی۔'' میں نے بڑے شرمندگی کے انداز میں جواب دیا۔

کنیز ناشتہ میز پر رکھ کر خاموشی سے چلی گئی۔

''تو کیا تمہاری رات اچھی نہیں گزری؟'' دیوی بولی۔

''نہیں رات تو بہت اچھی گزری۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہاری کنیزیں خوبصورت ہیں۔''

خاص طور پر پشمین..... کیوں!'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ یقیناً.....'' میں بھی بڑی ڈھٹائی سے ہنس دیا۔

''اگر یہ بات کلدیب کور کو معلوم ہو جائے تو؟''

کلدیب کور کا نام آتے ہی میں سنجیدہ ہوگیا۔ ''وہ اب کیسی ہے۔''

''تم شام تک اس سے مل سکو گے۔''

شام تک کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟'' میں بیتابی سے کہا۔

''شام تک کا وقت کس طرح گزاروں۔ ویسے بھی اس کمرے میں میرا دم گھٹنے لگا ہے۔'' میں نے یہ جملہ بظاہر بڑے سرسری انداز میں کیا تھا لیکن میں یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا کہ وہ جواباً کیا کہے گی۔

''تو یہ تم سے کس نے کہا کہ اس کمرے تک محدود ہو۔ تم آزاد ہو گھومو پھرو۔ اس جزیرے کا ہر شخص تمہارا احترام کریگا، کیونکہ تم دیوی کے مہمان ہو۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''گھومنے پھرنے میں زیادہ وقت گزر جائے گا۔ ویسے بھی اجنبی فضاؤں میں گھومنے کا مجھے بیحد شوق ہے۔''

''یہاں کی فضا کو تم بہت زیادہ اجنبی پاؤ گے۔''

''تم نے مجھے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم کیسی دیوی ہو!'' میں پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

اس سوال پر وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔ ہنستی ہوئی بولی۔ اس کی جلدی کیا ہے آہستہ آہستہ سب کچھ جان لوگے۔ میرا جزیرہ بہت خوبصورت ہے۔ تم یہ خواہش نہیں کرسکو گے کہ یہاں سے جلد از جلد چلے جاؤ۔''

''میں کیشپ کے سلسلے میں ذہنی الجھاوے کا شکار ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ اس سلسلے میں میری کچھ مدد کرسکو گی۔''

''ہاں.....'' وہ سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ''میں کل تک کچھ ایسی معلومات حاصل کرلوں گی کہ تمہیں کچھ مشورہ دے سکوں۔''

''کیا کیشپ تمہارے ہی جزیرے سے تعلق رکھتا ہے۔؟''

''نہیں.....'' لیکن وہ قریب ہی کے ایک جزیرے کا باشندہ ہے۔''

''کیا سمندر کے اس حصے میں پائے جانیوالے جزیرے ہماری دنیا سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔؟''

''بالکل کٹے ہوئے تو نہیں لیکن بڑی حد تک کٹے ہوئے ہیں۔'' دیوی نے جواب دیا اور پھر اچانک کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ ''اچھا اب میں چلتی ہوں۔ تم ناشتہ کرنے کے بعد گھومنے چلے جانا کنیز سے کہہ دینا کہ وہ تمہیں صدر دروازے تک چھوڑ آئے ورنہ تم محل ہی میں بھٹکتے رہو گے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ زیادہ دیر تک میرے پاس رکنے سے احتراز کرنا چاہتی تھی۔ اگر وہ رکتی تو اسے میری باتوں کے جواب میں کچھ نہ کچھ ضرور کہنا پڑتا۔ اس صورت میں یہ احتمال تھا کہ وہ بے خیالی میں کوئی ایسا فقرہ کہہ جاتی جس کا میرے علم میں آنا اس کے لیے مناسب نہ ثابت ہوتا۔

وہ چلی گئی اور میں ناشتہ کرتے ہوئے سوچتا رہا کہ میرا محل سے نہ نکلنا تو میرے لیے کسی طرح بھی مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔ ہاں باہر نکلنے سے فرار کی کوئی راہ سوجھ سکتی تھی۔ مجھے باہر نکلنے کا فیصلہ کرنا پڑا لیکن اس سلسلے میں جلد بازی مناسب نہیں ہوتی۔ دیوی پر یہ ظاہر نہیں ہونا چاہیے تھا کہ میں باہر نکلنے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے ناشتہ کرنے کے بعد دو ڈھائی گھنٹے کمرے ہی میں گزار دیے اور پھر تالی بجا کر کنیز کو بلایا۔

''تمہارا نام؟ میں نے اس سے پوچھا۔

''فلزا۔''

''فلزا۔'' میں نے زیر لب دہرایا اور پھر بولا۔ ''کیا تم مجھے صدر دروازے تک چھوڑ آؤ گی؟''

''آیئے!''

میں کھڑا ہوگیا۔ اس کے ساتھ کمرے سے نکلا۔ کشادہ راہداریوں اور پیچ دار راستوں سے گزرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ یہ محل واقعی بہت بڑا ہے۔ کلدیب کو اس محل کے نہ جانے کس گوشے میں ہوگی!

کنیز مجھے صدر دروازے کے باہر چھوڑ کر واپس چلی گئی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میری نظروں کے سامنے قدیم اندلس کا ایک چھوٹا سا شہر پھیلا ہوا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اس جزیرے پر اس قسم کے فن تعمیر کو دیکھنے کا موقع ملے گا۔

لیکن پھر وہی بات کہ وہ سب کچھ مجھے اجنبی ہونے کے باوجود بھی اجنبی نہیں محسوس ہو رہی تھیں۔

میرے قدم اُٹھتے رہے اور میں وہاں کی چہل پہل میں ڈوب گیا لوگ وہاں پیدل چل رہے تھے یا اونٹوں پر سوار تھے، اِکا دکا افراد گھوڑوں پر بھی نظر آئے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اونٹ وہاں کے عام لوگوں کی سواری ہے اور گھوڑے صرف خواص استعمال کرتے ہیں۔ جو اکا دکا افراد مجھے گھوڑوں پر نظر آئے تھے ان کی زرق برق پوشاک اسی بات پر دال تھی کہ وہ عام لوگوں میں سے نہیں ہیں۔

عورتیں بھی نظر آئیں لیکن میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا۔ وہ اپنے چہروں پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھیں۔

میں چاروں طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا لیکن میری طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ ظاہر ہے کہ میں وہیں کے لوگوں کی وضع قطع میں تھا اور انہی میں سے ایک معلوم ہو رہا تھا لیکن میں یہ دیکھ کر مسکرا دیا کہ بعض عورتوں نے ضرور مجھے مڑ مڑ کر دیکھا تھا۔

بعض چھوٹی چھوٹی عمارتوں کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے دف اور گھنگھروؤں کی آوازیں بھی سنائی دیں اور میں نے سوچا کہ یہ قہوہ خانوں جیسی چھوٹی موٹی تفریح گاہیں ہوں گی۔ تھک جانے کے بعد میں ان میں سے کسی بھی تفریح گاہ میں گھس کر اپنی تھکن اتار سکتا تھا۔ میری جیب میں کوئی دھیلا کوڑی نہیں تھی لیکن مجھے یہ اطمینان تھا کہ دیوی کا حوالہ ملنے پر کوئی بھی مجھ سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرے گا۔

میں چونکہ مڑ مڑ کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اس لیے اچانک مجھے ایک شخص پر اس بات کا شبہ ہوا کہ وہ میری نگرانی کر رہا تھا۔ اس کی شکل مجھے کئی مرتبہ نظر آئی تھی۔

اب یہ ضروری ہوگیا کہ میں اس بات کی تصدیق کرلوں۔ ایک عمارت کے قریب سے گزرتے ہوئے جب مجھے دف اور گھنگھروؤں کی آواز سنائی دی تو میں فوراً اس عمارت میں داخل ہوگیا۔ داخل ہوتے ہی ایک عجیب سی بو میری قوت شامہ سے ٹکرائی۔ وہ ایک چھوٹا سا ہال تھا جس میں چھوٹے چھوٹے تخت بچھے ہوئے تھے۔ ایک تخت پر تین چار آدمیوں کی گنجائش تھی۔ لوگ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے بیچ میں کھانے کے سامان کے ساتھ ایک بڑا سا جگ نما برتن اور چھوٹے چھوٹے پیالے رکھے ہوئے تھے۔ ان پیالوں میں کوئی چیز پی جارہی تھی۔ غالباً اسی کی بو نے ہال کی ساری فضا کو مسموم کررکھا تھا اور یقیناً وہ شراب سے ملتی جلتی کوئی نشہ آور چیز تھی۔

معمولی شکل وصورت کی ایک نیم عریاں رقاصہ دف ہاتھ میں لیے سارے ہال میں تھرکتی پھر رہی تھی۔

میں ایک خالی تخت پر جا بیٹھا اور کنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔ جلد ہی مجھے وہ شکل نظر آگئی جس پر مجھے شبہ ہوا تھا میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اب اس بات پر یقین کیا جاسکتا تھا کہ میری نگرانی کی جارہی تھی۔ غالباً مجھے اس کے بارے میں پہلے ہی سوچ لینا چاہیے تھا کہ مجھ پر نظر رکھی جائے گی۔ دیوی مجھے کھو دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ میں اس کے لیے بیحد اہمیت رکھتا تھا۔

وہ اجنبی جو میری نظروں میں مشکوک ہو چکا تھا ایک خالی تخت کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس وقت اس کی پشت میری طرف تھی۔ اسی لمحے ایک آدمی بڑی تیزی سے میرے تخت کے قریب سے گزرا۔ گزرتے ہوئے اسنے ایک چھوٹا سا پرچہ میرے سامنے گرادیا تھا۔ بے اختیار میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ پرچہ اُٹھالیا اور حیرت سے اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جو پرچہ گرا کر تیزی سے چلتا ہوا دروازے کی طرف جارہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ باہر نکل گیا۔ اب میری نظریں پرچے کی طرف گئیں جو تہہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اسے کھولا تو ایک تحریر نظر آئی لکھا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ہوشیار ہو! تمہاری نگرانی کی جارہی ہے۔ آج آدھی رات کے بعد محل کے خفیہ دروازے سے باہر نکلنا اور شمال کی طرف چل پڑنا۔ شاید وہی راستہ تمہاری بہتری کا راستہ ہوگا۔ محل کے خفیہ دروازے تک پہنچنے کے لیے تم کسی کنیز کو اپنا آلۂ کار بنا سکتے ہو۔ اس کام کے لیے تمہیں اپنی صلاحیتوں سے کام لینا ہوگا۔

تمہارا

بہی خواہ

یہ پرچہ پڑھ کر میں دم بخود رہ گیا۔ اس جزیرے پر کسی بہی خواہ کا وجود میرے لیے حیرت انگیز ہی ہوسکتا تھا۔ اچانک مجھے اپنے اردگرد کے ماحول کا احساس ہوا۔ میں نے چونک کر نظریں اُٹھائیں۔ سب سے پہلے میں نے اپنی نگرانی کرنے والے اجنبی ہی کی طرف دیکھا تھا۔ میں نے اسے اپنی طرف گھورتے ہوئے پایا۔ اس کی توجہ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پرچے کی طرف تھی۔ جیسے ہی میں نے اس کی طرف دیکھا وہ سر گھما کر دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔

اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا مجھے وہ پرچہ وہیں بیٹھ کر پڑھنے کی بجائے اپنی جیب میں ڈال لینا چاہیے تھا اور اسے پڑھنے

کے لیے کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی چاہیے تھی۔ محفوظ جگہ نہ ملنے کی صورت میں یہ بات تو ممکن ہی تھی کہ میں اسے محل میں جا کر پڑھتا۔

لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ حماقت ہو چکی تھی۔ وہ پرچہ نگرانی کرنے والے کی نظروں میں آ چکا تھا اور اب میری بہتری اسی میں تھی کہ اس پرچے کو جلد از جلد ضائع کر دوں۔ اس تحریر کا کسی اور کی نظروں میں آنا میرے لیے ضرر رساں ثابت ہوسکتا تھا۔

ہال میں وہ نشہ آور مشروب تقسیم کرنے والے خادموں میں سے ایک میرے قریب آیا لیکن اسی وقت میں تخت سے کھڑا ہو گیا۔

''معاف کرنا دوست! مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔'' میں نے اس سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

باہر نکلتے ہی میں نے اس پرچے کے ٹکڑے کر ڈالے اور انہیں فضا میں اُچھال دیا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا ان پرزوں کو اُڑا لے گیا۔ میری نگرانی کرنے والا جب رقص گاہ سے باہر نکلا تو وہ پرزے نہ جانے کہاں کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ اس نے مجھے وہ خط پھاڑتے ہوئے دیکھا بھی نہیں تھا اس لیے اس کا امکان نہیں تھا کہ وہ ان پرزوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا۔ ویسے اگر وہ دیکھ بھی لیتا تو ان پرزوں کی تلاش میں کمر بستہ ہونا ایک حماقت ہی ہوتی۔ وہ ان پرزوں کو کہاں کہاں چنتا پھرتا؟

سورج مغرب میں جھکتا چلا جا رہا تھا۔

میرے قدم واپسی کے لیے اُٹھنے لگے۔ اب میں نگرانی کرنے والے کی طرف سے قطعی غافل ہو چکا تھا اور میرے ذہن میں خط کے الفاظ چکرا رہے تھے۔ یہ بات اور زیادہ تعجب خیز تھی کہ وہ خط انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ اس جزیرے پر میرے سوا کوئی بھی انگریزی نہ جانتا ہوگا۔

مجھے آدھی رات کو شمال کی سمت میں بلایا جا رہا تھا اور میرے دل سے یہ آواز اُٹھ رہی تھی کہ مجھے ضرور جانا چاہیے۔ مجھے وہ پیغام پہنچانے والا دیوی کے موافقین میں سے ہرگز نہیں ہوسکتا تھا اور دیوی کے مخالفین بلاشبہ میرے دوست ثابت ہوتے۔

جب میں محل پہنچا تو صدر دروازے ہی سے ایک خادم میرے ساتھ ہولیا تاکہ مجھے میرے کمرے تک پہنچا سکے۔

وہ مجھے کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ میں کمرے میں داخل ہوا اور جا کر بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ چلتے چلتے میری ٹانگیں دُکھنے لگی تھیں۔ میں بستر پر لیٹا ہی تھا کہ فلز کمرے میں داخل ہوئی۔

''کیوں!'' میں اسے گھورنے لگا۔

''کیا آپ اس وقت کوئی ہلکی غذا کھانا پسند کریں گے۔؟''

''نہیں..... لیکن اگر کوئی اچھا سا مشروب مل سکے تو اچھا ہے۔''

فلز امؤدبانہ انداز میں سر ہلا کر چلی گئی اور جب کچھ دیر بعد واپس لوٹی تو کسی مشروب کا پیالہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

''دیوی کہاں ہے۔؟'' میں نے پیالہ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے علم نہیں۔'' اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

میرا منہ بن گیا۔ اب چونکہ شام ہو چکی تھی اس لیے میں دیوی سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے کلدیب کور سے ملا دے لیکن فلزا کے جواب نے مجھے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ یہ جھنجھلاہٹ ہی تھی کہ میں نے مشروب کا پیالہ ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ وہ مشروب خاصا فرحت بخش اور خوشبودار تھا۔

''تمہاری دیوی جہاں کہیں بھی ہو، میرا یہ پیغام اس تک پہنچ جانا چاہیے کہ میں اس سے فوری طور پر ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے فلزا کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

فلزا کچھ بولی نہیں۔ پیالہ لے کر خاموشی سے چلی گئی۔

میں پھر اسی خط کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس میں لکھی جانے والی آخری بات بڑی معنی خیز تھی۔ لکھا تھا کہ محل کے خفیہ دروازے تک پہنچنے کے لیے تم کسی کنیز کو آلۂ کار بنا سکتے ہو اور اس کام کے لیے تمہیں اپنی صلاحیتوں سے کام لینا ہوگا۔

میں اس الجھن میں تھا کہ لفظ ''صلاحیتوں'' کا استعمال کن معنوں میں کہا گیا ہے۔ کیا خط لکھنے والا میرے ذہن کی پراسرار قوت سے بھی واقف ہے۔؟

سوچتے سوچتے اچانک مجھے اپنا سر گھومتا محسوس ہونے لگا۔ آنکھوں کے آگے گنجان دائرے رقص کرنے لگے۔ میں نے بوکھلا کر بستر سے اُٹھنا چاہا تو پتا چلا کہ میرا جسم تقریباً بے جان ہو چکا ہے۔

مجھے فوراً اس مشروب کا خیال آیا جو میں نے دو تین منٹ پہلے پیا تھا۔ یقیناً اس میں کوئی خاص چیز ملائی گئی تھی۔

زہر!

میرا تمام جسم جھنجھنا اُٹھا لیکن میں نے ڈوبتے ہوئے ذہن سے سوچا کہ نہیں وہ زہر نہیں ہو سکتا۔ دیوی مجھے کم از کم ابھی تو ہلاک نہیں کر سکتی۔ تو پھر مشروب میں کوئی خواب آور چیز ملائی گئی ہوگی۔ غالباً دیوی کو اس پرچے کا علم ہو گیا ہوگا جو مجھے اس رقص گاہ میں ملا تھا۔ اب وہ اس پرچے کو میرے لباس میں سے تلاش کر کے پڑھنا چاہتی ہوگی۔

ظاہر ہے کہ اسے مایوسی ہی ہوتی لیکن بے ہوش ہونے سے قبل میرے ذہن پر یہ فکر مسلط ہو چکی تھی کہ شاید اب میں آدھی رات کو محل سے نہ نکل سکوں۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ خواب آور مشروب مجھے صبح تک سلائے رکھے۔

تاریکیاں میرے ذہن کا مقدر بن گئیں اور میں ان تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

میرا خدشہ درست ثابت ہوا جب میری آنکھ کھلی تو کمرے میں صبح کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ بیداری کے فوراً بعد کے چند لمحات میں نے خالی الذہنی کے عالم میں گزارے اور جب میں نے صورتحال کو پوری طرح سمجھا تو ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ رات گزر چکی تھی وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا میرے نامعلوم اور پراسرار دوست انتظار ہی کرتے رہ گئے ہوں گے۔ نہ جانے انہوں نے کیا سوچا ہو۔ کیا ان کے ذہن میں یہ خیال آیا ہوگا کہ میں کسی وجہ سے لاچار بھی ہو سکتا ہوں؟ کہیں انہوں نے یہ نہ سوچا ہو کہ میں نے دیدہ دانستہ ان کی دعوت کو

نظرانداز کیا ہے۔!

مجھے خیال آیا کہ اب ان باتوں پر دماغ کھپانے سے فائدہ کیا۔؟ سوچنا تو یہ چاہیے کہ مجھے بے ہوش کیوں کیا گیا تھا اور اب اس سلسلے میں مزید کیا باتیں سامنے آسکتی ہیں؟ اگر مجھے بے ہوش کرنے کا مقصد یہی تھا کہ میری جیب سے وہ پرچہ حاصل کیا جائے تو ظاہر ہے کہ دیوی کو مایوسی ہی ہوئی ہوگی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ اس مایوسی کا ردِعمل کیا ہوگا؟

فلزا میرے لیے ناشتہ لے کر آئی تو اس نے نظریں جھکا رکھی تھیں۔ وہ ناشتہ رکھ کر خاموشی سے واپس جانے لگی تو میں نے اسے پکارا۔

''سنو فلزا۔''

اس نے ایک اچٹتی سی نظر مجھ پر ڈالی اور پھر سر جھکا کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے اس سے پوچھا۔''تم کل رات میرا کھانا لے کر کیوں نہیں آئیں؟''

''میں لائی تھی مگر آپ گہری نیند سو رہے تھے۔ میں نے آپ کو دو تین مرتبہ پکارا بھی تھا لیکن آپ کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔''

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا لیکن چہرے پر کسی قسم کے تاثرات تلاش نہیں کر سکا۔ ممکن ہے وہ اس سے بے خبر ہی ہو کہ اس نے گزشتہ شام مجھے جو مشروب پلایا تھا اس میں کوئی خواب آور دوا ملی ہوئی تھی۔

اچانک مجھے پشمین کا خیال آیا اور میں اس کے بارے میں سوال کر بیٹھا۔ میرا سوال سنتے ہی فلزا کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ آنکھوں میں تاریک سائے لہرا گئے اور جب وہ بولی تو اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''مجھے علم نہیں۔''

''تم نے اسے دیکھا تو ہوگا۔؟''

''مجھے علم نہیں۔'' بڑی کھوکھلی سی آواز تھی۔

''تمہیں یہ بھی علم نہیں کہ تم نے اسے دیکھا یا نہیں دیکھا؟'' میں نے حیرت سے کہا لیکن میری یہ حیرت مصنوعی تھی۔ میں سمجھ چکا تھا کہ اسے پشمین کے سلسلے میں خاموش رہنے کا حکم ملا ہے۔ مگر کیوں؟ آخر پشمین پر کیا گزر گئی کہ اسے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیا وہ محض اس لیے دیوی کے عتاب کا نشانہ بن چکی ہے کہ اس نے مجھے کچھ معلومات فراہم کر دی تھیں؟

میں نے فلزا کو جانے کا اشارہ کیا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ رات کا کھانا نہ کھانے کی وجہ سے مجھے اپنے معدے میں سناٹا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اشتہا اپنے شباب پر تھی۔ ناشتے کے دوران میں میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

جب سے میں اس جزیرے پر آیا تھا مجھے سگریٹ نصیب نہیں ہوئی تھی میں اس کی کمی بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا لیکن یہاں مجھے سگریٹ ملنے کی توقع نہیں تھی اس لیے میں نے اپنی خواہش کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

میں نے ناشتہ کرنے کے بعد فلزا کو بلانے کیلئے تالی بجائی، وہ اندر آئی اور خاموشی سے برتن اُٹھا کر جانے لگی۔ میں اسے روک کر دیوی کے بارے میں پوچھنے والا تھا کہ دیوی خود کمرے میں داخل ہوئی۔

''صبح بخیر خوبصورت مہمان!'' وہ اپنے خوبصورت ہونٹوں پر دلآویز مسکراہٹ سجائے ہوئے تھی۔

''صبح بخیر۔''

فلزا چلی گئی تو دیوی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''کل رات تم۔ بہت جلدی سو گئے۔! فلزا بتا رہی تھی کہ تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔''

''ہاں۔'' میں نے بڑے سرسری انداز میں کہا۔ ''کل کچھ جلدی نیند آ گئی تھی میں تمہارے جزیرے پر گھومتے گھومتے خاصا تھک گیا تھا اور تھکن کے بعد نیند آ ہی جاتی ہے اگر اس وقت ایک خوبصورت ساتھی میسر آ جاتا تو اچھا تھا۔ مجھے پشیمن بیحد پسند ہے تم نے اسے کہاں بھیج دیا ہے؟ وہ کل صبح سے نظر نہیں آئی۔''

''اب وہ کبھی نظر نہیں آئیگی۔'' دیوی کے لہجے میں اتنی ٹھنڈک تھی کہ اس کی سرسراہٹ مجھے ریڑھ کی ہڈی تک میں محسوس ہوئی۔

''کیا مطلب!'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''وہ کیوں نظر نہیں آئیگی۔؟''

''وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔'' دیوی کا لہجہ بدستور تھا۔ ''سانپ نے اسے ڈس لیا اور وہ مر گئی۔''

میں دم بخود رہ گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ پشیمن صرف میری ہی وجہ سے گلشن حیات کو چھوڑ کر خارزار اجل میں جانے پر مجبور ہوئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے دیوی نے بھی میرے اس خیال کی تصدیق کر دی وہ کہہ رہی تھی۔ اس محل کے کسی فرد کو اجازت نہیں ہے کہ وہ مہمانوں کو انکے سوالات کا جواب دے۔ پشیمن سے یہی غلطی ہوئی تھی۔ اسنے تمہیں بہت کچھ بتایا تھا گو کہ وہ ساری باتیں میں بھی تم کو بتا دیتی مگر پشیمن کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس محل میں میری حکم عدولی کرنے والا زندہ نہیں بچتا۔ میرے غلام اس محل کے گوشے گوشے میں پھنکارتے رہتے ہیں گو کہ وہ دکھائی نہیں دیتے مگر خود سب کچھ دیکھتے رہتے ہیں۔ جو بھی میرے حکم سے انحراف کرتا ہے اسے وہ ڈس لیتے ہیں۔''

میں اس وقت دیوی کو بڑی کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ شاید یہ دنیا کی سفاک ترین عورت ہے۔ ایسی عورتوں میں جمالیاتی حس نام کو بھی نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ وہ میری طرف ملتفت نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا لیکن حالات کا اقتضا یہ تھا کہ میں اپنے معاندانہ جذبات کا اظہار نہ کروں۔

''خوب!'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''گویا یہ حقیقت ہے کہ تم سازش کر کے برسر اقتدار آئی ہو!''

''اپنا حق واپس لینے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

''حق؟''

''ہاں۔ موجودہ کالد پی حکمراں کا دادا..... ایک سازش ہی کر کے اقتدار میں آیا تھا اور جس کے خلاف سازش کی گئی تھی۔ میں

اس کی اولادوں میں سے ہوں۔ کالدیب پر حکمرانی کرنا میرا حق ہے اور کسی نہ کسی روز میں وہ حق چھین ہی لوں گی۔ دیبال پر میرا قبضہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔''

''پشیمن نے بتایا تھا کہ کالدیب کا حکمراں دیبال کوئی زبردست حملہ کرنیوالا ہے۔''

''اب نہیں کر سکے گا۔'' دیوی کے ہونٹوں پر عیارانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ''میں اس کا علاج ڈھونڈ چکی ہوں۔''

''کیا علاج۔؟''

''اجنبی مہمان!'' وہ کھنکتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''تم بہت خوبصورت ہو اور میں خوبصورت لوگوں کو پسند کرتی ہوں مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ میں تم کو اپنے ہر راز میں شریک کرلوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یہ سوالات نہیں کرنے چاہیں تھے۔ خیر! اب تم مجھے کالدیب کور سے ملا دو۔''

''شاید تمہیں یہ سن کر دکھ ہوگا کہ وہ تم سے نہیں ملنا چاہتی۔''

''کیا مطلب!'' میں چونک پڑا۔

''اس نے تمہیں ٹوٹ کر چاہا تھا لیکن اب وہ تم سے نفرت کرنے لگی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ محض تمہاری وجہ سے وہ ماں نہیں بن سکی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر تم نے ابتدا ہی سے اپنا رویہ درست رکھا ہوتا تو یہ نوبت ہی نہ آتی تند و تیز طوفان کے تھپیڑے اس کے بطن میں پھلتی پھولتی ہوئی اس ننھی سی جان کو یوں نہ پیس ڈالتے۔ سنو ارسلان! وہ تم سے محبت کرتی تھی اور محبت کا دوسرا نام جنس ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنس کا جذبہ قوی تر ہوتا ہے لیکن ممتا کے جذبے سے جنس کا جذبہ ہار چکا ہے۔ کالدیب اب تمہیں دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہونا چاہتی۔''

میں دیوی کا منہ تکتا رہ گیا۔ کیا وہ سچ کہہ رہی تھی؟ کیا واقعی اب کالدیب مجھ سے نفرت کرنے لگی ہوگی؟ میرا دل یہ سب کچھ ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔

''میں نہیں مان سکتا۔'' میرے دل کی بات زبان پر آ گئی۔

''رات کو رات نہ ماننے سے سورج طلوع نہیں ہوتا؟''

''میں کالدیب سے کم از کم ایک منٹ کے لیے ضرور ملوں گا۔''

''وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں ملنا چاہتی۔'' دیوی نے جواب دیا اور پھر قدرے توقف سے بولی: ''مجھے تم سے ہمدردی ہے ارسلان! دو ایک روز صبر کرو۔ میں کالدیب کو سمجھانے کی کوشش کروں گی ابھی اس کا غم تازہ ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ممکن ہے وہ معمول پر آ جائے اور تم سے ملنا گوارا کرلے۔''

میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میرے اندازے کے مطابق اس نے یہ کہانی صرف اس لیے گھڑی تھی کہ

مجھے کلدیب کو رسے دور رکھ سکے مگر کیوں؟ اسے میری اور کلدیب کی یکجائی سے کیا خطرہ ہے۔؟

میں دیوی کے ذہن میں جھانک کر حقیقت سے باخبر ہونا چاہا مگر اسی وقت وہ بول پڑی۔ ''خوبصورت مہمان! تمہارے ہونٹوں کی بناوٹ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تم بیحد جذباتی ہو۔ تم اپنے ان جذبات کی سیرابی کیلئے کسی بھی لمحہ فکرمند نہ ہونا۔ اس محل کی ہر خوبصورت کنیز تمہاری ہے جس کو چاہو پیار کرو۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ وہ بیچاریاں محض تمہاری وجہ سے اس انجام کو نہ پہنچ جائیں جو پشمین کا مقدر بن چکا ہے۔ تمہیں جو کچھ معلوم کرنا ہو وہ مجھ سے پوچھ لیا کرو۔''

''یہ شیموئل کون ہے؟'' میں بے اختیار سوال کر بیٹھا۔

''پشمین تمہیں بتا ہی چکی ہے کہ وہ میرا محبوب ہے۔'' دیوی مسکرائی ''اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ شیموئل کی شخصت دلآویز نہیں ہے۔''

''دلآویزی سے تمہاری مراد نسائیت ہے تو میں کہوں گی کہ مجھے مردوں میں اس قسم کی شے سخت ناپسند ہے' مرد کو بس مرد ہونا چاہیے اور شیموئل مرد ہے۔''

''میں نے اسے اب تک نہیں دیکھا۔''

''کیا دیکھنا چاہتے ہو؟''

''اس شخص کو دیکھنا کون نہ چاہے گا جسے تم جیسی خوبصورت عورت چاہتی ہو۔''

دیوی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر تالی بجائی۔ فوراً ہی فلزا نے کمرے میں قدم رکھا۔ دیوی نے اسے حکم دیا۔

''جا کر شیموئل سے کہو کہ دیوی اسے یاد کر رہی ہے۔''

فلزا نے مؤدبانہ سر ہلایا اور چلی گئی۔

''سنو دیوی! تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بوڑھے کیشپ کا پتا چلا کر میری بہتری کی کوئی راہ نکالو گی۔''

''میں اپنے کئی جاسوسوں کو اس معاملے کی تحقیقات پر مامور کر چکی ہوں دو چار روز میں وہ تفصیلات معلوم کر کے مجھے آگاہ کریں گے۔'' دیوی نے جواب دیا اور پھر براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ''کل تم خاصی دیر تک جزیرے پر گھومتے رہے تمہیں کوئی خاص واقعہ تو نہیں پیش آیا میرا مطلب ہے کسی نے تمہیں اجنبی سمجھ کر تمہارے ساتھ زیادتی تو نہیں کی۔؟''

دیوی کا سوال بالکل صاف تھا لیکن میں اس کی تہہ میں چھپی ہوئی خواہش سے بے خبر نہیں رہ سکا وہ جس بات کا کھوج لگانا چاہتی تھی۔ میں اس کو خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا وہ اس پرچے کے بارے میں جاننا چاہتی تھی جو اس کے خیال کے مطابق میری جیب میں ہونا چاہیے تھا مگر جسے وہ مجھے بیہوش کر کے بھی تلاش نہیں کر سکی تھی۔

''نہیں میرے ساتھ کسی نے کوئی زیادتی نہیں کی۔'' میں نے دیوی کو جواب دیا۔ ''لیکن میرے ساتھ ایک ایسا واقعہ ضرور پیش

آیا تھا جسے تم خاص تو نہیں مگر دلچسپ ضرور کہہ سکتی ہو۔''

''وہ کیا؟'' دیوی کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک پیدا ہوگئی۔

''میں تھک کر ایک رقص گاہ میں جا گھسا تھا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور وہیں وہ واقعہ پیش آیا کوئی اجنبی کاغذ کا ایک ٹکڑا میرے تخت پر پھینکتا ہوا گزر گیا تھا۔ میں نے وہ کاغذ فوراً اٹھالیا اور اسے کھول کر پڑھنا چاہا۔ مگر اس وقت مجھے اپنی حماقت پر بڑی ہنسی آئی جب کاغذ پر صرف آڑھی ترچھی لکیریں نظر آئیں۔ غالباً اس اجنبی نے یہ کاغذ یونہی پھینک دیا تھا لیکن وہ میرے تخت پر آ گرا اور میں سمجھا کہ وہ میرے لیے ہے۔'' میں خاموش ہو کر ہنسنے لگا۔

دیوی نے فوراً اس واقعے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی آنکھوں سے الجھن مترشح تھی۔ اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ مجھے سچا سمجھے یا جھوٹا۔! میں نے اس موقعے کو غنیمت جان کر ایک بار پھر دیوی کے ذہن میں جھانکنا چاہا لیکن اس مرتبہ بھی میری خواہش تشنہ کام رہی کیونکہ قدموں کی آہٹ سن کر مجھے دروازے کیطرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

جو شخص اندر آتا نظر آیا وہ خاصا طویل القامت تھا عمر چالیس بیالیس کے لگ بھگ معلوم ہو رہی تھی۔ سر پر ایک بال بھی نہیں تھا مگر یہ گنج قدرت کا نہیں بلکہ استرے کا مرہون منت تھا۔ اس کے پیروں میں پٹیوں والی چپل تھی۔ وہ پٹیاں گھٹنوں کے قریب تک پہنچی ہوئی تھیں وہ گھیر دار فراک کی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھا اس جزیرے کے مرد کچھ اس قسم کا لباس پہنتے تھے۔

''آؤ شیموئل!'' دیوی مسکراتی ہوئی بولی۔ ''میرے خوبصورت مہمان کو تم سے ملنے کی خواہش تھی۔''

شیموئل کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ ابھری مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مسکراہٹ زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ اس نے مصافحے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ یہ میرے لیے ایک حیرت انگیز امر تھا۔ میں نے جزیرے کے کسی بھی شخص کے پاس سگریٹ نہیں دیکھی تھی۔

شیموئل نے مصافحہ کرتے ہوئے اپنی طاقت کا اچھا خاصا مظاہرہ کر ڈالا تھا لیکن میں نے بھی اسے مایوس نہیں کیا۔ ویسے میرے لیے یہ بات حیرت انگیز ضرور تھی آخر شیموئل نے طاقت کا مظاہرہ کرنا ضروری کیوں سمجھا تھا۔؟

داستان مجاہد

عظیم اسلامی ناول نگار نسیم حجازی کا ایک ایمان افروز ناول۔ مجاہدوں کی زندگی کی ایک مختصر سی جھلک۔ نسیم حجازی کے اسلامی ناولوں کی پہلی کڑی۔ یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم سے مل کر مجھے خاص طور سے خوشی ہوئی کیونکہ تم سگریٹ پیتے ہو۔''

''اوہو!'' دیوی بول پڑی۔ ''کیا تم بھی سگریٹ کے عادی ہو۔؟''

''اچھی سگریٹ کا ایک کش مجھے ایک وقت کے کھانے سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔''

''تم نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیوں نہیں کیا؟''

''میرا خیال تھا کہ اس جزیرے پر سگریٹ نہیں مل سکے گی۔''

''دیبال ایک ترقی پذیر جزیرہ ہے خوبصورت مہمان! میرے اقتدار میں یہ جزائر کالدیب سے بہت آگے نکل جائے گا۔'' دیوی نے کہا اور پھر شیموئل سے بولی۔ ''کیا تم میرے مہمان کیلئے سگریٹ مہیا کر سکو گے شیموئل؟''

''کیوں نہیں۔ میں ایک کارٹن بھجوا دوں گا۔'' شیموئل کی آواز کرخت اور سپاٹ تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ شیموئل کا لہجہ جزیرے کے باشندوں کا سا نہیں تھا۔ میرا ذہن ایک نئی الجھن کا شکار ہو گیا۔ کیا شیموئل کوئی بیرونی آدمی ہے۔؟''

''تمہیں ایک کام کرنا تھا۔ شاید تم بھول گئیں!'' شیموئل نے دیوی سے کہا۔

''میں کبھی کوئی بات نہیں بھولتی۔ آؤ چلیں۔'' دیوی نے کہا اور پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سگریٹ تم کو ابھی پہنچا دیے جائیں گے۔ اگر کسی اور چیز کی ضرورت محسوس کرو تو بھی بلا تکلف اظہار کر دینا دیبال پر سب کچھ مل جاتا ہے۔''

وہ دونوں چلے گئے اور میں ساکت و صامت بیٹھا خیالات میں ڈوبا رہا۔ میرے ذہن میں اب دیوی سے زیادہ شیموئل کی شخصیت کھٹکنے لگی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں عیاری کی چمک دیکھی تھی اور اس کا تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ ان جزائر کا باشندہ ہرگز نہیں ہے۔ تو پھر وہ یہاں کیوں آیا؟ دیوی سے اس کا رابطہ کیونکر ہو سکا؟ اس قسم کے متعدد سوالات میرے ذہن میں چکرا رہے تھے یہ تسلسل اس وقت ٹوٹا جب فلزا کمرے میں آئی۔ وہ سگریٹ کا ایک کارٹن لے کر آئی تھی۔ اور سگریٹ کا برانڈ 555 تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ سگریٹ ان جزائر پر تو ہرگز تیار نہیں ہوتی ہو گی

فلزا نے سگریٹ کا کارٹن میری طرف بڑھایا تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور مسکراتا ہوا بولا۔ ''تم اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہو فلزا۔''

فلزا کے چہرے پر شہابی رنگ دوڑ گیا۔ دوسرے ہی لمحہ میں اسے اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ میرے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر جم گئے۔ ایک طویل اور شیریں بوسے کے بعد میں نے اسے بہ آہستگی خود سے جدا کیا اور آہستہ سے بولا۔ ''اس وقت بس اتنا ہی کافی ہے جاؤ۔!''

فلزا کی سانسیں تیزی سے چلنے لگیں تھی۔ اس نے بڑی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں صاف صاف کہہ

رہی تھیں کہ اسے قناعت کا یہ انداز بالکل نہ بھایا تھا۔ پھر وہ مڑی اور تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

میں نے سگریٹ جلائی اور بڑے محتاط انداز میں ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ طویل وقفے کے بعد تمباکو نوشی نصیب ہوئی تھی اس لیے اگر میں ایک بھی گہرا کش لے لیتا تو چودہ طبق روشن ہو جاتے۔ ہلکے ہلکے کش بڑی فرحت پہنچا گئے اور میں آنکھیں بند کر کے اس صورتحال پر غور کرنے لگا جو مجھے درپیش تھی۔ میں جلد از جلد کلدیپ کور سے ملنا چاہتا تھا لیکن دیوی رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ اس نے کلدیپ کور کی نفرت کا جو قصہ بیان کیا تھا اس پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن ایسی کوئی صورت بھی نظر نہیں آ رہی تھی کہ حقیقت کا سراگ لگ سکتا۔ کلدیپ سے ملے بغیر بات واضح نہیں ہو سکتی تھی اور اس سے ملنا ایک مسئلہ بن چکا تھا۔ مجھے تو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ محل کے کس حصے میں ہو گی۔

کلدیپ کے بارے میں سوچتے سوچتے میری ذہنی رو کسی طرح اس اجنبی کیطرف بھٹک گئی جس نے گزشتہ شام مجھے ایک پیغام دیا تھا۔ اس پیغام کی روشنی میں مجھے گزشتہ رات کچھ اقدامات کرنے تھے۔ لیکن بے ہوشی کے باعث وہ سب کچھ نہیں ہو سکا تھا۔ اب مجھے سوچنا یہ تھا کہ آج رات ان باتوں پر عمل کروں یا نہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ نامعلوم شخص آج رات بھی میرا انتظار کرے گا؟

اچانک میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ اگر آج بھی میں محل سے نکل کر اِدھر اُدھر گشت کرتا پھروں تو عین ممکن ہے کہ وہ اجنبی ایک بار پھر مجھ سے رابطہ قائم کرے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج شام کو محل سے ضرور نکلوں گا دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں بستر پر لیٹ گیا تاکہ جسم کو کچھ دیر تک آرام پہنچا سکوں۔ مگر ذہن کو آرام پہنچانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ان حالات میں ممکن ہی نہیں تھا کہ میں خالی الذہن رہ سکتا۔ خیالات ایک تسلسل سے یلغار کرتے رہے۔ میرے ذہن میں سب سے زیادہ خلش اس سوال نے پیدا کر رکھی تھی کہ اس حملے کا کیا ہوا جو کالدیپی حکومت دیبال پر کرنے والی تھی؟ کیا دیوی کی توقع کے مطابق کالدیپی حکومت نے حملے کا ارادہ ترک یا ملتوی کر دیا ہو گا۔؟

میں اس قسم کے سوالوں کے جوابات کے سلسلے میں قیاس کے گھوڑے بھی نہیں دوڑا سکتا تھا۔ اس لیے بس الجھتا ہی رہا۔

تیسرے پہر کو میں محل سے نکل کر یونہی ایک طرف چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا تعاقب کیا جائے گا اور میں نے کچھ ہی دیر میں اپنے اس خیال کی تصدیق بھی کر لی۔ تعاقب کرنیوالا وہی کل والا آدمی تھا۔ میں اس کی طرف سے لاپرواہ ہو گیا۔

ایک عمارت سے موسیقی کی آواز سنائی دی۔ میں اس میں داخل ہو گیا جزیرے پر اس قسم کی تفریح گاہیں غالباً کثیر تعداد میں تھیں ممکن ہے جزیرے کے باشندوں کی واحد تفریح اسی قسم کی تفریح گاہیں ہوں۔

ایک رقاصہ، دف ہاتھ میں لیے سارے ہال میں تھرکتی پھر رہی تھی اور تخت پر بیٹھے ہوئے لوگ نشہ آور مشروب سے شغل کرتے ہوئے رقص دیکھنے کے ساتھ ساتھ آپس میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

آج میں مقامی باشندوں میں گھلنا ملنا چاہتا تھا اس لیے مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایک بھی تخت خالی نہیں تھا۔ اب گویا مجبوراً مجھے کسی ایسے ہی تخت پر بیٹھنا تھا جس پر پہلے سے کچھ لوگ موجود ہوتے لیکن میں نے زیادہ بھیڑ بھاڑ سے الگ رہنا ہی مناسب سمجھا میں ایک

ایسے تخت کے قریب پہنچا جس پر صرف ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ میری طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''کیوں اجنبی! کیا تم میرے ہم جلیس بننا چاہتے ہو؟''

''اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''آؤ آؤ..... بیٹھو!'' وہ داہنے ہاتھ سے تخت کو تھپتھپاتا ہوا بولا۔ ''کیا تم گوگلان پیو گے؟'' اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا وہ زور سے ہنس پڑا۔ ''میں بھی کتنا احمق ہوں۔ مجھے یہ سوال کرنا ہی نہیں چاہیے تھا اگر تمہیں گوگلان پینے کی خواہش نہ ہوتی تو تم یہاں آتے ہی کیوں؟''

گوگلان غالباً اسی مشروب کا نام تھا جو وہاں بیٹھے ہوئے لوگ پی رہے تھے اور میرے ''جبری میزبان'' کے سامنے بھی پیالہ موجود تھا۔ ممکن ہے وہ کافی دیر سے پی رہا ہو کیونکہ اس کی آنکھیں سرخ اور لہجے میں لکنت تھی۔ وہ خاصے نشے میں تھا۔

جب میں تخت پر بیٹھ گیا تو میرے میزبان نے خادم کو بلا کر اس سے کہا۔ ''لاؤ..... پیالا لاؤ..... کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ میرا مہمان آیا ہے۔'' خادم سر ہلا کر چلا گیا۔ میرے میزبان نے پیالہ اُٹھا کر ایک لمبا گھونٹ لیا اور پھر جھومتا ہوا بولا۔ ''آج کی گوگلان میں کسی کنواری کی سی مستی ہے۔ تم بھی پی کر جھوم اُٹھو گے۔''

''میں نے پہلے کبھی گوگلان نہیں پی۔''

''ارے!'' میرے میزبان نے ایسی حیرت ظاہر کی جیسے مجھ سے کوئی گناہِ کبیر سرزد ہو گیا ہو۔

''دراصل۔'' میں نے کھنکار کر کہا۔ ''میرے دوست! میں یہاں اجنبی ہوں۔''

''اجنبی!'' میزبان کی حیرت کچھ اور بڑھ گئی۔

''ہاں۔ میں اس دنیا سے آیا ہوں جو باہر کی دنیا کہلاتی ہے میں دیوی کا مہمان ہوں۔''

ہٹلر

ہٹلر جیسی متنازع شخصیت پر اس کتاب کی تالیف کا مقصد روایتی انداز میں لکھی تاریخ سے ہٹ کر تاریخ میں نئے اور تجزیاتی (Analytical) زاویے روشناس کروانا اور آج کے قاری کو تاریخ کے موضوع کی وسعت کے بارے میں باور کروانا ہے۔ ہٹلر کی زندگی، اسکے فلسفہ، قوم پرستی اور ظلم و بربریت جیسے موضوعات پر ایک مفصل کتاب جسکی تالیف میں کئی ایک دیگر کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔..... ہٹلر کی تاریخ آپ کتاب گھر کے **تحقیق و تالیف** سیکشن میں جلد ہی پڑھ سکیں گے۔

''اوہ!'' میزبان جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔

''میں فن تعمیر کا ماہر ہوں۔ دیوی نے مجھے اس لیے بلایا ہے کہ میں اس کی رعایا کیلئے یعنی تم لوگوں کے لیے اس جزیرے پر عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر کا منصوبہ بناؤں!''

''دیوی عظیم ہے۔'' میزبان کے لہجے میں عقیدت تھی۔ ''وہ اپنی رعایا کے آرام و آسائش کا بیحد خیال رکھتی ہے۔''

خادم گوگلان لے آیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے گفتگو کا سلسلہ رک گیا۔ میں نے یہ باتیں محض اس لیے چھیڑی تھیں کہ جزیرے کے بارے میں معلومات حاصل کرسکوں علاوہ ازیں میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ دیوی کے بارے میں مقامی لوگوں کے نظریات کیا ہیں۔

''گوگلان پیو عظیم مہمان!'' وہ بولا۔ ''دیوی عظیم ہے اس لیے اس کے مہمان بھی میرے لیے عظیم ہیں۔''

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے گوگلان کا پیالا اُٹھالیا۔ پہلا گھونٹ لیتے ہی مجھے اپنے سینے میں شعلوں کی تپش محسوس ہونے لگی۔ اتنی گھٹیا شراب میں نے پہلے کبھی نہیں پی تھی۔ ایک گھونٹ لے کر میں نے پیالہ رکھ دیا۔

''ہماری گوگلان تمہیں کیسی لگی اجنبی!'' وہ بولا۔

''اچھی ہے۔''

میرے منہ سے گوگلان کی تعریف سن کر وہ بے حد خوش ہوا اور بولا۔ ''یہ دراصل تیسرے طبقے کے نسخے کے مطابق بنائی جاتی ہے۔''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

''تیسرا طبقہ؟''

''ہاں ہمارے جزیرے پر تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے جو حکمرانی کرتا ہے۔ دوسرے طبقے میں ہم لوگ آتے ہیں۔ تیسرا طبقہ فوج ہے جو آج بھی اتنا ہی وحشی ہے جتنا سو سال پہلے تھا۔ ان لوگوں کا رہن سہن اور طور طریق ہم لوگوں سے مختلف ہیں۔''

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اب ساری بات میری سمجھ میں آچکی تھی۔ میں اب تک اس الجھن سے دوچار رہا تھا کہ ساحل پر میں نے جن لوگوں کو بے ہوشی سے قبل دیکھا تھا وہ قطعی جنگلی معلوم ہوتے تھے اور مجھے علم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کون تھے۔؟

میں نے پیالہ اُٹھا کر گوگلان کا ایک اور گھونٹ لیا۔ کچھ اور آگ اپنے سینے میں سمیٹ لی اور پھر کہا۔ ''میں نے تیسرے طبقے کے لوگوں کو ابتک کہیں نہیں دیکھا۔

''وہ صرف ساحلی علاقے میں رہتے ہیں۔ انہیں اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ دوسرے طبقے کے، یعنی ہماری حدود میں داخل ہوں۔''

''لیکن آج کے زمانے کی جنگ وحشیوں کے جنگ و جدل سے بالکل مختلف ہے۔ کیا وہ وحشی آج کے زمانے کی جنگ لڑ سکتے ہیں؟''

''وہ خود تو نہیں لڑ سکتے مگر انہیں لڑایا جا سکتا ہے۔ حکمراں طبقہ ان کی کمان کرتا ہے۔ آج کل ان کا کماندار شیموئل ہے۔ تم دیوی کے مہمان ہو تو شیموئل سے ملاقات کر چکے ہو گے!''

''ہاں میں اس سے ملا ہوں۔''

''وہ ایک بہترین کماندار ہے۔''

''میں نے گوگلان کا تیسرا گھونٹ لیا تو مجھے محسوس ہو گیا کہ اگر میں نے گوگلان کا ایک اور پیالہ پی لیا تو مجھے خاصا گہرا نشہ ہو جائے گا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ میں احتیاط برتوں۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میری نظریں اطراف کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔ میں نے اپنے نگراں کو تو ایک تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن اس اجنبی کی صورت کہیں نظر آ رہی تھیں۔ جس نے گزشتہ روز مجھے ایک عجیب و غریب پیغام دیا تھا۔

کچھ دیر بعد اپنے میزبان سے اجازت لے کر رقص گاہ سے نکل آیا۔ اس اجنبی کے نہ ملنے کے باعث میں بیحد مایوس تھا۔ تاہم میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ آج رات وہ عمل ضرور کروں گا جس کی ہدایت مجھے اس پیغام میں ملی تھی۔

میں جب محل پہنچا تو دن کی روشنی رات کے اندھیرے میں تحلیل ہو رہی تھی۔ فلزا نے فوراً میرے کمرے میں آ کر پوچھا مجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟

''مجھے آج رات تمہاری ہی ضرورت پڑے گی جانِ من!'' میں نے بڑی بیباکی سے کہا۔ شاید یہ گوگلان کا اثر تھا۔

فلزا کی پلکیں جھک گئیں۔ وہ پشمن کی طرح پرجوش اور بیباک نہیں تھی۔

''ویسے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تھوڑی دیر بعد تم کھانا تو پہنچا ہی دینا۔ حسن و عشق کے رنگین لمحات تو رات کے قلب میں ہی خوشگوار محسوس ہوتے ہیں۔''

فلزا شاید ہمت کر کے تھوڑا سا مسکرائی اور چلی گئی۔

میں نے گوگلان کا ایک ہی پیالہ پیا تھا مگر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں تین چار پیگ پی گیا ہوں گدرائے ہوئے شباب کی خواہش میرے دل میں بڑی شدت سے پیدا ہو رہی تھی۔ فلزا جیسی معمولی لڑکی میں بھی مجھے غیر ارضی سندرتا محسوس ہونے لگی تھی۔ جب وہ میرے لیے کھانا لے کر آئی تو میں نے اسے واپس نہیں جانے دیا۔

''دروازہ اندر سے بند کر لو!'' میں نے اس سے کہا۔

جب وہ میری حکم کی تعمیل کر چکی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور بولا۔ ''کھانا ہم دونوں ساتھ ہی کھائیں گے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد۔''

وہ میرے لہجے کی معنی خیزی کو محسوس کر کے زیرِ لب مسکرائی۔ اب آہستہ آہستہ اس کی جھجک ختم ہوتی جا رہی تھی۔ میرے اشارے پر

وہ ٹانگیں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ اس وقت میری نظریں اس کے پیروں پڑیں اور میں دل ہی دل میں اس کی خوبصورتی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا اتنے خوبصورت پیر میں نے بہت کم دیکھے تھے۔ انگلیاں بے حد متناسب اور ٹخنے اتنے گول تھے کہ انہیں دیکھ کر دل میں گدگدی ہونے لگے۔ میں نے بڑے پیار سے اس کا ایک پیر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اور اس کے تلوے کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔ فلزا نے ایک سسکی سی لی اور اس کی آنکھیں سرخ ہوتی چلیں گئیں۔ میں ماضی کے تجربات کی روشنی میں بڑے ماہرانہ انداز سے اس کے جذبات کو اس حد تک بھڑکا دینا چاہتا تھا کہ وہ آتش فشاں کے دہانے سے لپکتے ہوئے شعلوں کی مثال بن جائیں۔

گوگلان میرے سینے میں چیخ رہی تھی۔

حسن!.....حسن!

شباب.....!شباب!

اور پھر میں اس پکار پر لبیک کہتا چلا گیا۔ فلزا کا بدن اب لو دینے لگا تھا اور میرے جسم میں دہکتے ہوئے الاؤ کی گرمی بھر گئی تھی۔

مثبت اور منفی قوتیں آپس میں ٹکرا کر بالآخر فنا کے گھاٹ اتر گئیں۔ میرے جسم کے الاؤ میں ٹھنڈک پڑ گئی اور فلزا کا بدن برف کی سل بن کر رہ گیا۔

کچھ وقت بے کیفی اور اضمحلال میں گزرا۔

کچھ لمحے اس کیفیت کے گزرنے میں لگے۔

پھر میں اور فلزا کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ اب فلزا قطعی بے جھجک نظر آ رہی تھی۔ حجابات کے تمام پردے اُٹھ جانے کے بعد اب جھجک کا سوال ہی کہاں رہا تھا۔ وہ اب بڑی قاتل نظروں سے میری طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس رات کو یوں ہی گزار دینا چاہتی ہے۔ لذت و سرشاری کی تمام منزلوں کو اس رات کے ایک ایک لمحے پر ثبت کر دینا چاہتی ہے۔

لیکن اب میرے ذہن سے گوگلان کا تسلط ختم ہو چکا تھا اور اس ارادے کی کلبلاہٹ پیدا ہو چکی تھی جس پر میں آج رات کو عمل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

آج کی رات بڑی خوبصورت ہے فلزا! میں اپنے منصوبے پر غور کرتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں جاری رکھنا چاہتا تھا۔

''ہاں..... بہت خوبصورت!'' فلزا نے مخمور لہجے میں کہا۔ ''جب ساتھی خوبصورت ہو تو ہر شے خوبصورت نظر آنے لگتی ہے۔''

میں مسکرا دیا۔ اپالو کی شخصیت اپنی تمام تر سحر کاریوں کے ساتھ فلزا کے وجود پر مسلط ہو چکی تھی۔

کھانا کھا چکنے کے بعد ہم دونوں قریب قریب بیٹھے خوش فعلیاں سی کرتے رہے۔ میرا مقصد محض وقت گزاری تھا لیکن ایک گھنٹے بعد ہی فلزا کی حرکات و سکنات سے ایک بار پھر خود سپردگی جھانکنے لگی اور اس نے آگے بڑھ کر کچھ ایسے وار کیے کہ میں بھی مغلوب ہو گیا۔

ایک بار پھر اس رات کے لمحات میں تنفس کی گرم بازاری ہوئی اور ایک پر شباب جسم نے حشر برپا کیا۔ آخر وہ لمحے بھی گزر گئے جو

چند لمحات کے لیے حاصل زندگی محسوس ہونے لگتے ہیں۔

اب آدھی رات تھی۔

منصوبے پر عمل درآمد کا وقت آچکا تھا۔

کچھ دیر پہلے تک میرے ذہن میں یہ الجھن رہی تھی کہ اگر میں نے فلزا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے محل کے چور دروازے تک چلنے کا حکم دیا تو میری آواز وہ دیواریں بھی سن لیں گی جو شاید یہ کان رکھتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ دیوی کو میری اور پشمین کو گفتگو کا علم ہو چکا تھا۔ اب اگر وہ محل سے میرے نکلنے کے ارادے سے بھی باخبر ہو جاتی تو میرا نکلنا محال ہو جاتا۔

لیکن اب میرے ذہن سے یہ الجھن دور ہو چکی تھی۔ میں نے اس کا حل ڈھونڈ لیا تھا۔ مجھے بس اپنے ذہن کی قوت سے کام لینے کی ضرورت تھی جس طرح میں دوسروں کے ذہن سے ان کے خیالات پڑھ لیتا تھا۔ اسی طرح مجھے اس بات پر بھی قدرت حاصل تھی کہ اپنے خیالات کو دوسروں کے ذہن تک پہنچا دوں۔ اس کا تجربہ میں بحری سفر کے دوران بھی کر چکا ہوں۔ سشما کے باپ پاتھا نے میرے ذہنی احکامات کی تعمیل کی تھی۔ اب میں اپنی اس قوت کو فلزا پر بھی آزمانا چاہتا تھا۔

''آنکھیں کھولو فلزا!'' میں نے سرگوشی کی۔

فلزا اس وقت میرے بازو پر سر رکھے آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ میری آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی بہکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر ڈالیں۔ ہماری نظریں چار ہوئیں۔ میں اس طرح مسکرا دیا جیسے میرا مقصد ہی یہ رہا ہو کہ وہ میری آواز پر آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھے۔ لیکن میرا مقصد تو کچھ اور ہی تھا۔ جیسے ہی نظریں چار ہوئیں' میں مکمل ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کے ذہن کو چھونے کی کوشش کرنے لگا۔ ساتھ ہی میں نے ذہنی طور پر احکامات بھی جاری کر دیے۔

''فلزا! تم کو میرے احکامات کی تعمیل کرنا ہوگی۔ تمہیں وہ سب کچھ حرف بہ حرف ماننا ہوگا جو میں تم سے کہوں گا۔ فلزا اس وقت تم میری محکوم ہو۔ تم میری ایک ایک بات مانو گی لیکن زبان سے ایک لفظ نہیں بولو گی۔ سمجھ رہی ہو فلزا..... تم بالکل خاموش رہو گی۔'' میں اپنے احکامات کو مختلف الفاظ میں بار بار دہرا رہا تھا۔

فلزا کے چہرے کی رنگت بدل چکی تھی۔ اب یہ کہنا مشکل ہوتا کہ وہ چند ہی لمحے قبل رنگ و نکہت کی فضا میں تیرتی رہی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اسکے ذہن نے میرے ذہنی احکامات نہ صرف سمجھ لیے تھے بلکہ وہ ان کی تعمیل کرنے پر بھی آمادہ تھی۔ میں نے اُسے ذہنی حکم دیا۔

''اب تم مجھے محل کے چور دروازے تک لے چلو میں یہاں سے فرار ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے اس دروازے سے باہر نکال کر تم واپس چلی آنا اور خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر سو جانا۔ کسی سے بھی اس کا تذکرہ ہرگز نہ کرنا پھر صبح جب تم اُٹھنا تو اس واقعے کو اپنے ذہن سے جھٹک دینا جیسے تمہیں کچھ معلوم ہی نہ ہو۔ سمجھیں؟''

فلزا کے ہونٹوں کو خفیف سی جنبش ہوئی تھی کہ میں نے اسے جلدی سے ذہنی حکم دیا۔ ''خاموش رہو۔ زبان ہلانے کی ضرورت

نہیں۔ جو کچھ جواب دینا ہے اسے صرف سوچ لو!''

فلزا کے ہونٹ پھر آپس میں پیوست ہو گئے۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ہر قسم کے جذبات سے عاری!..... لیکن اس کا ذہن مجھے بتا چکا تھا کہ وہ میرے احکامات کو اچھی طرح سمجھ چکی ہے اور ان کی تعمیل کرے گی۔

''اچھا تو اب اُٹھ جاؤ۔'' میرے ذہن نے اس سے کہا۔

وہ اُٹھ بیٹھی۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں اس سے پوچھا بیٹھا۔ ''کلدیب کور کہاں ہے؟''

''کون کلدیپ کور؟'' فلزا نے سوچا

''وہی عورت جسے میرے ساتھ اس محل میں لایا گیا تھا۔''

''میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس بات نے مجھے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا کہ کلدیب کور تک پہنچنا میرے لیے امر محال بن گیا تھا۔ اگر میں خود اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا تو مجھے ناکامی ہی ہوتی ہیں محل کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر رہ جاتا یہی سب کچھ سوچ کر مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا کہ فی الحال میں محل سے نکل کر اس شخص تک پہنچنے کی کوشش کروں جس کا پیغام بڑے پراسرار انداز میں مجھ تک پہنچا تھا۔ اس سے ملنے کے بعد مجھے کوئی لائحہ عمل مرتب کرنے میں آسانی ہوتی۔

ممکن تھا کہ میرا وہ نامعلوم ہمدرد اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتا۔

فلزا میرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مجھے اس کمرے سے نکال کر ایک طرف لے چلی۔ میں نے اسے ذہنی طور پر یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ گربہ قدمی سے چلے تاکہ آواز بالکل نہ ہو۔ میں خود بھی محتاط انداز میں قدم اُٹھا رہا تھا۔

محل میں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس مکمل سکوت میں مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے یہ دھڑکنا تو بہر حال ہونا ہی چاہیے تھا کہ مجھے کوئی دیکھ نہ لے۔

لیکن مجھے کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔ فلزا نے مجھے ایک دروازے پر لیجا کر کھڑا کر دیا۔ اس کا ذہن میرے ذہن کو بتا رہا تھا کہ یہی وہ چور دروازہ ہے۔

میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بہ آہستگی دروازہ کھولا اور باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

فلزا سپاٹ چہرہ لیے خاموش کھڑی ہوئی تھی۔

آخر میں اس کی طرف مڑا اور ذہنی طور پر بولا: ''اب میں جا رہا ہوں۔ تم بھی اب اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ اس چور دروازے کو صرف بھیڑ دینا۔ اندر سے بند مت کر لینا۔ شاید میں جلدی ہی واپس لوٹوں۔''

فلزا نے مشینی انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب میں اس چور دروازے سے باہر نکلا۔ فلزا نے دروازہ بند کر دیا۔ میں سمت کا اندازہ لگانے لگا۔ گھور تاریکی میں مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن سمت اندازہ لگانے کے لیے روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آخر میں ایک طرف چل پڑا آہستہ آہستہ میری رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ میرے جوش میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ شاید یہ میری لاشعوری خواہش تھی کہ اس محل سے نجات حاصل کر لوں۔ یہ سوال میرے ذہن میں مسلسل گردش کر رہا تھا کہ میرا وہ نامعلوم ہمدرد آج رات میرا انتظار کر بھی رہا ہوگا یا نہیں؟..... اگر وہ ذرا بھی عقل مند ہے تو اسے میرا انتظار کرنا ہی چاہیے۔ یہ بات تو سوچی ہی جا سکتی تھی کہ پچھلی رات کو شاید مجھے محل سے نکلنے کا موقع نہ مل سکا ہو۔

میرا خیال تھا کہ اب مجھے کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا لیکن جلد ہی میری یہ خوش فہمی دور ہو گئی۔ مجھے اپنے عقب میں گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ میں چونکا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ اندھیرے میں کئی مشعلیں متحرک نظر آئیں۔ پلک جھپکتے ہی سمجھ میں آ گیا کہ وہ مشعلیں گھوڑ سواروں کے ہاتھ میں تھیں۔ میرا دماغ برق رفتاری سے کام کرنے لگا۔ ظاہر ہے کہ ان گھوڑ سواروں کا تعلق محل ہی سے ہوگا اور وہ اتنی رات گئے مشعلیں لے کر محل سے نکلے تھے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ انہیں میری تلاش تھی۔

اُف خدایا اب کیا کروں؟..... میں نے اردگرد نظریں دوڑائیں کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑا دھبہ سا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں اندازہ لگایا کہ وہ خودرو جھاڑیاں ہوں گی۔ چھپنے کے لیے وہ کسی قدر بہتر جگہ ثابت ہو سکتی تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ میرا خیال غلط ثابت ہو جاتا لیکن فی الحال میرے سامنے کوئی اور راستہ بھی نہ تھا۔ اگر میں بھاگنے کی کوشش کرتا تو یقیناً پکڑا جاتا کیونکہ گھوڑوں سے زیادہ تیز رفتاری دکھانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

وقت بڑا نازک ہو چکا تھا۔ منٹ بھر میں وہ گھوڑے اتنے نزدیک آ جاتے کہ اندھیرے کے باوجود ان لوگوں کی نظریں مجھ پر پڑ جاتیں۔

میں تیزی سے جھاڑیوں کی طرف دوڑا لیکن اس وقت میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی جب ان جھاڑیوں کی طرف سے بھی ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا میری طرف آیا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں جو بات آئی وہ یہ تھی کہ مجھے ہر سمت سے گھیرا گیا ہے۔

کاش اس وقت میرا وہ نامعلوم ہمدرد میری مدد کو آ جاتا!

گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا چشم زدن میں میرے سر پر پہنچ گیا۔ میں نے اس سے مڑ کر دوسری طرف نکلنے کی کوشش کی مگر اسی وقت کسی نے مجھے پکارا۔

''ارسلان!'' آواز اسی گھوڑا سوار کی تھی اور لہجہ دوستانہ تھا۔

میں ٹھٹھک گیا۔ گھوڑا سوار نے قریب آتے ہی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں نے اس کا اشارہ سمجھ لیا اور اپنا ہاتھ بھی آگے بڑھاتے ہوئے جسم کو تولا۔ ہم دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے ملے اور میں اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار کے پیچھے بیٹھ گیا۔ یہ سب کچھ چشم زدن

میں اور بغیر کسی ارادے کے ہو گیا تھا۔ گھوڑا بدستور سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ دوڑتے ہی اس نے اپنا رخ اس طرح تبدیل کیا تھا کہ وہ محل کیطرف سے آنے والے گھوڑسواروں سے نہ جا ٹکرائے۔

اب محل کی طرف سے آنے والے گھوڑے ہمارے تعاقب میں تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ میرا اجنبی ہمدردان لوگوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگا یا نہیں؟ ویسے میرے ہمدرد کا گھوڑا بہت جاندار معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی ٹاپیں زمین سے لگتی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ وہ جیسے ہوا میں اڑ رہا تھا۔ میں مڑ مڑ کر دیکھتا رہا اور جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ درمیانی فاصلہ بڑی تیزی سے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

میں اپنے پراسرار ہمدرد کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا لیکن صورتِ حال ایسی تھی کہ اس سے گفتگو کرنا محال تھا۔ میں نے اپنے ذہن کی پراسرار قوت سے کام لے کر اجنبی کے ذہن کے چھونے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مجھے جو جھٹکے لگ رہے تھے۔ اس کی وجہ سے ذہنی یکسوئی میسر نہیں تھی۔

غالباً آدھے گھنٹے بعد مجھے محسوس ہوا کہ تعاقب میں آنے والے گھوڑوں کی ٹاپیں بہت پیچھے سناٹے میں مدغم ہوتی جا رہی ہیں۔ پانچ منٹ اور گزرے اور پھر ٹاپوں کی آوازیں بالکل ہی بند ہو گئیں۔ میں نے اپنے اجنبی ہمدرد کو ہنستے ہوئے سنا۔

''اب وہ ہماری دھول بھی نہیں پا سکیں گے۔'' اجنبی نے ہنستے ہوئے کہا۔

شکنجہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

شکنجہ ناول پاکستان میں ہونے والی تخریب کاری کے پس منظر میں لکھا گیا ہے ہمارے ہاں گذشتہ کچھ سال سے ''ٹریک ٹو ڈپلومیسی'' کا غلغلہ کچھ زیادہ ہی زور شور سے مچایا جا رہا ہے۔ باور کیا جاتا ہے کہ محبتوں کے جو زنگ آلود دروازے حکومتیں نہیں کھول سکیں وہ شاید عوام بلکہ عوام بھی نہیں دانشور خواتین و حضرات اپنی مساعی سے کھولنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

لیکن..... اس ٹریک ڈپلومیسی کی آڑ میں کیا گھناؤنا کھیل رچایا جا رہا ہے بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں ''بھولے بادشاہوں'' کو کس کس طرح اپنے جال میں پھانستی ہیں اور ان سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ یہی اس ناول کا موضوع ہے۔

ایک اور بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ پاکستان اپنے ہاں ہونے والے ہر واقعے کی ذمہ داری ''را'' پر ڈال دیتا ہے۔ یہ بات کس حد تک سچ ہے؟ کس حد تک جھوٹ؟ شاید ان سوالات کے جواب بھی آپ کو اس ناول کے مطالعے سے مل جائیں۔ محبتوں کی آڑ میں منافقتوں کا دھندہ کون چلا رہا ہے؟ دشمن کی سازش کیسے انجام پاتی ہے اور اس سازش کا شکار ہم انجانے میں کیسے بن جاتے ہیں میں نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔ یہ ناول کتاب گھر کے **ایکشن ایڈونچر جاسوسی** سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

''وہ خط مجھے تم نے ہی لکھا تھا۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں.....لیکن کل رات تمہارے نہ آنے سے مجھے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔''

''کل رات ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا تھا کہ محل سے نکلنا میرے اختیار میں نہیں رہا تھا۔''

''یہی سوچ کر تو میں آج رات بھی تمہارا منتظر رہا تھا۔''

''مجھے حیرت ہے کہ اس جزیرے پر میرے ہمدرد بھی موجود ہیں۔''

اجنبی دھیرے سے ہنس کر رہ گیا۔ اب اس نے گھوڑے کا رخ بھی کچھ بدل دیا تھا۔ اس ویرانے کے پیچ وخم شاید اس گھوڑے کے جانے پہچانے ہوئے تھے ورنہ اس بلا کی تاریکی میں اتنی تیز رفتاری ناممکن ہوتی۔

میں اپنے اجنبی ہمدرد کے بارے میں سوچتا رہا۔ آواز سے وہ پینتیس سال سے زیادہ کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کے اندازِ گفتگو میں خاصی جرأت و بیباکی تھی۔ عین ممکن تھا کہ وہ میرے ماضی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہو۔ مجھے وہ وقت اب بہت قریب معلوم ہو رہا تھا۔ جب مجھے اپنے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جاتا۔ یہ بات تو تقریباً صاف ہو چکی تھی کہ میرا تعلق انہی جزائر سے ہے جو کالدیپ کہلاتے ہیں۔ یہاں بولی جانے والی زبان میں اچھی طرح جانتا تھا اور بوڑھا کیپٹن بھی انہی جزائر سے تعلق رکھتا تھا۔ دیوی کے ذہن کو پڑھ کر میں نے یہ بات بھی معلوم کر لی تھی کہ مجھے یرغمال کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ کالدیب کا حکمراں جزیرۂ دیبال پر حملہ کرنے والا تھا اور اس حملے کو روکنے کے لیے دیوی نے کالدیپی حکمران کو یہ دھمکی دی تھی اگر حملہ ہوا تو وہ مجھے مار ڈالے گی۔

اس دھمکی کا کارگر ہونا اس بات پر دال تھا کہ میرا وجود کالدیپی حکمراں کے لیے کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید اب تک جزیرہ دیبال پر حملہ ہو چکا ہوتا۔

اچانک میں نے گھوڑے کی رفتار میں کمی ہوتی محسوس کی تو میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ گھوڑے کی رفتار میں کمی ہوتی ہی چلی گئی۔ گھوڑے کی ٹاپیں اب کسی سنگلاخ زمین پر گونج پیدا کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد گھوڑا ایک جگہ رک گیا وہ اپنی اگلی دونوں ٹانگیں اوپر کر کے زور سے ہنہنایا اور پھر اس کی دونوں ٹانگوں نے بیک وقت سنگلاخ زمین سے ٹکرا کر خاصی زوردار آواز پیدا کی۔

میں اچھل کر گھوڑے سے اتر گیا لیکن میرا ہمدرد بدستور گھوڑے کی پیٹھ پر رہا میں اندھیرے کی وجہ سے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے سے قاصر تھا لیکن وہ پہاڑی بہرحال دکھائی دے رہی تھی جس کے دامن میں گھوڑا رکا تھا۔

میں وہ روشنی دیکھ کر اچھل پڑا جو اس پہاڑی کا سینہ پھاڑ کر باہر نکل رہی تھی بات جلد ہی میری سمجھ میں آ گئی۔ دراصل وہ ایک غار تھا اور ایک لڑکی مشعل اٹھائے اس غار سے نکل رہی تھی۔

''میرے دوست!'' گھوڑسوار نے مجھ سے کہا: ''تم اس غار میں اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھو۔! میں کچھ دیر کیلئے تم سے اجازت چاہوں گا۔''

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، میرے ہمدرد اجنبی نے گھوڑے کو موڑ کر ایڑ لگا دی۔

وہ لڑکی مشعل لیے ہوئے اب میرے قریب آ چکی تھی۔

''آیئے!'' وہ سریلی آواز میں بولی۔ اس نے اس طرف اشارہ بھی کیا تھا جدھر سے آئی تھی۔

میرے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ میں جسے غار کا دہانہ سمجھا تھا وہ ایک سرنگ تھی البتہ اس سرنگ کا اختتام ایک غار ہی میں ہوا تھا وہ جگہ خاصی کشادہ تھی اور وہاں ضروریات زندگی کی خاصی چیزیں بھی موجود تھیں۔ پیال کے دو بستر، چولہا، برتن اور خورد و نوش کا سامان!..... میں نے وہ سب کچھ بڑی حیرت سے دیکھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ لوگ کئی روز سے اس غار میں موجود ہوں۔

لڑکی نے مشعل ایک غار میں لگا دی اور پھر میری طرف رخ کرتی ہوئی بولی۔ ''اگر آپ نے رات کا کھانا نہ کھایا ہو تو.....''

''کھا چکا ہوں۔'' میں اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔

وہ لڑکی سولہ سترہ سال سے زیادہ کی نہیں تھی۔ اس کے جسم پر کسا ہوا لباس تھا اور اس لباس میں وہ خاصی قیامت خیز معلوم ہو رہی تھی میرے جسم میں سرسراہٹیں سی ہوئیں اور میرے تصور میں وہ پراسرار نسوانی چہرہ ابھر آیا جو میری جمالیاتی حس کو تیز کر دیتا تھا۔ اس چہرے میں کچھ عجیب سی بات تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس چہرے پر ''اکساہٹیں'' مچل رہی ہوں۔ اسے دیکھ کر میرے جذبات برانگیختہ ہو جاتے تھے اور میں سامنے نظر آنے والی صنف نازک کو دبوچ لینے کے لیے مضطرب ہو جاتا تھا۔

اپنی یادداشت کھونے کے بعد سے اب تک صرف دو چہرے میرے تصور میں ابھرتے رہے تھے ان میں سے ایک چہرہ بوڑھے کیپٹن کا تھا جو جیتی جاگتی حالت بھی میرے سامنے آ چکا تھا اور جس کے بارے میں مجھے بہت سی باتیں بھی معلوم ہو چکی تھیں لیکن اس کے چہرے کے بارے میں مجھے اب تک کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ چہرہ میرے ماضی کے کس خانے میں فٹ ہوگا؟

غار میں اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے جب وہ نسوانی چہرہ میرے تصور میں ابھرا تو میرے جذبات میں ہلچل مچ گئی لیکن موجودہ حالات ایسے نہیں تھے کہ میں اپنے سرکش جذبات کو کھلی چھٹی دے دیتا۔ میں نے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی اور جب میں بولا تو میری آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟''

''زرشانہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم جزیرۂ دیبال کی رہنے والی ہو؟''

''میں کالدیپ کی رہنے والی ہوں اور دیبال بھی کالدیپ ہی ایک حصہ ہے۔''

میں نے اپنے سر کو ایک خفیف سی جنبش دی اور پھر بولا: ''میں جس آدمی کے ساتھ یہاں آیا ہوں، اس کا نام کیا ہے۔؟''

''احمر۔'' زرشانہ نے بتایا اور پھر بولی۔ ''آپ بیٹھ جایئے نا!''

میں پیال کے بستر پر بیٹھ گیا۔ میری نظریں اب مشعل پر جمی ہوئی تھیں۔

دراصل میں زرشانہ کے سڈول جسم کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی یہی ایک صورت تھی۔

''کیا آپ کچھ پینا بھی پسند نہیں کریں گے؟'' زرشانہ قدرے توقف سے بولی۔

''آں..... ہاں.....'' میں نے چونک کر کہا: ''اگر پانی ہو تو پلا دو۔''

مجھے اپنا حلق خشک محسوس ہو رہا تھا۔ خدا جانے یہ جذبات کی گرمی تھی یا اس سفر کا نتیجہ جو میں نے گھوڑے کی پیٹھ پر کیا تھا۔

زرشانہ ایک کٹورے میں پانی لے کر میرے پاس آئی۔ میں نے نظریں جھکائے جھکائے کٹورا اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پانی پی کر جب میں کٹورا واپس کرنے لگا تو میری انگلیاں، زرشانہ کی انگلیوں سے مس ہو گئیں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے جسم میں برقی رو دوڑ گئی ہو بے اختیار میرا بایاں ہاتھ اُٹھا اور میں نے زرشانہ کا ہاتھ تھام لیا۔

''یہاں بیٹھو!..... میرے قریب..... مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔'' میری آواز بھرائی ہوئی تھی۔

زرشانہ کے انداز میں ہچکچاہٹ تو تھی لیکن اس نے میرے قریب بیٹھنے سے اجتناب نہیں برتا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ میرے حکم کی تعمیل پر مجبور ہو۔

جب وہ بیٹھ گئی تو میرا ہاتھ اس کے شانے پر پہنچ گیا۔

''تم بہت خوبصورت ہو زرشانہ!'' میرے منہ سے نکلا۔

دفعتاً زرشانہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑی ہو گئی۔ اس کی نظریں اس طرف تھیں جہاں سے میں غار میں داخل ہوا تھا۔ زرشانہ کے انداز سے یوں معلوم ہوا تھا جیسے اس نے کسی کو دیکھ لیا ہو۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر میری نظریں بھی اس طرف اُٹھیں اور پھر میں بھی بوکھلائے ہوئے انداز میں پیال کے بستر سے کھڑا ہو گیا۔

حُسنہ اور حُسن آراء

حُسنہ اور حُسن آراء اور حاضر کی مقبول ترین مصنفہ **عمیرہ احمد** کی 4 تحریروں کا مجموعہ ہے جس میں ایک کہانی حسنہ اور حُسن آراء پہلی بار آپ کے سامنے آرہی ہے۔ عمیرہ احمد کا TV کے لئے یہ پہلا منی سیریل بھی تھا اور یہ TV کی تاریخ کے مہنگے ترین منی سیریلز میں سے ایک تھا..... اپنی تھیم کے لحاظ سے یہ آپ کو بہت متنازعہ لگے گا۔ مگر انسانی فطرت اس سے زیادہ حیران کن اور متنازعہ ہے۔

حُسنہ اور حُسن آراء کتاب گھر پر **افسانہ** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

وہ غار کے دہانے پر کھڑی ہوئی تھی' میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اس کا چہرہ میں ان گنت بار اپنے تصور میں دیکھ چکا تھا۔ ہاں وہ وہی تھی جس کا چہرہ میری جمالیاتی حس کو تیز کر دیا کرتا تھا۔ وہی خوبصورت نسوانی چہرہ جو میں ابھی ذرا دیر پہلے بھی اپنے تصور میں دیکھ چکا تھا۔

وہ بے حس و حرکت کھڑی میری طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے خوبصورت سلگتے ہوئے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ بڑے عجیب سے تاثرات تھے اس کے چہرے پر! یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے دیکھ کر وہ خوش بھی ہوئی اور مغموم بھی۔!

میں نے محسوس کیا کہ زرشانہ اب بڑے مؤدب انداز میں کھڑی ہوئی تھی ''زرشانہ! تم جاؤ!'' ایک کھنکتی ہوئی آواز غار میں گونجی۔

زرشانہ نے سرِ تسلیم خم کیا اور جلدی جلدی قدم اُٹھاتی ہوئی غار سے نکل گ ء۔

''ارسلان!'' اس کی آواز میں مسرت آمیز کپکپاہٹ تھی۔

میں ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی پکار پر مجھے کس طرح لبیک کہنا چاہیے۔؟

میں ابھی اسی ادھیڑ پن میں مبتلا تھا کہ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر بیتابانہ میری طرف بڑھی جیسے ہی وہ میرے قریب آئی' میں نے غیر ارادی طور پر اپنی آغوش اس کے لیے وا کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ''ارسلان'' کہہ کر مجھ سے لپٹ گئی غیر ارادی طور پر میں نے بھی اسے بھینچ لیا۔ اس کے جسمانی گداز نے مجھے تڑپا دیا تھا جذباتی ہیجان میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں یہ سوال بھی چکرانے لگا تھا کہ یہ دوشیزۂ افلاک کون ہے؟ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ میں اسے دوشیزۂ افلاک کہہ سکتا تھا لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ماضی میں اس سے میرا کیا تعلق رہا ہوگا۔

وہ میرے سینے میں منہ چھپائے ہوئے تھی۔ جب اس نے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا تو مجھے اس کی غزالی آنکھوں میں آنسو تیرتے ہوئے نظر آئے۔

''ارسلان!'' اس کے ہونٹوں میں لرزش تھی۔ ''کیا تم مجھے بھی نہیں پہچانو گے۔؟'' میں نے اب تک تمہارے چہرے پر شناسائی کی کوئی جھلک نہیں دیکھی۔''

میرے ذہن میں بھونچال سا آ گیا۔ میں اس کے بارے میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن شاید یہ میرے بس کی بات ہی نہیں تھی۔ مجھ سے بس اتنا ہی ہو سکا کہ میں نے اپنے خشک ہونٹ اس کے بھیگے ہوئے ہونٹوں پر رکھ دیے مجھ یوں معلوم ہوا جیسے ان ہونٹوں کا گداز میرے ہونٹوں کے لیے اجنبی نہ ہو۔ ہونٹوں کے اس اتصال نے جذبات میں کچھ اور سرکشی پیدا کر دی۔ میں نے اسے اٹھا کے پیال کے ایک بستر پر ڈال دیا اور.....

فاصلے بوڑھے ہو گئے، قربتوں پر جوانی آ گئی اور وصل نے شاد کام کیا۔ اس وصل میں بڑا کیف تھا، بڑی سرشاری تھی لیکن

اجنبیت، ہاں وہ اجنبیت اب بھی قائم تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے' مجھے نہیں معلوم تھا کہ ماضی میں مجھ سے کس حد تک قریب رہی ہے۔

ہم پیال کے بستر پر ایک دوسرے کے پہلو میں لیٹے ہوئے تھے اس کا سر میرے بازو پر تھا اور اس کی زلفیں میرے چہرے پر جھکی ہوئی تھیں۔

''ارسلان! آخر تم کب تک خود کو بھولے رہو گے؟'' وہ بولی۔

''میں سوچتے سوچتے پاگل ہو جاؤں گا۔'' میں نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مجھے کچھ یاد نہیں آتا..... کچھ یاد نہیں آتا..... تم ہی بتا دو کہ میں کون ہوں.....؟''

''میرا نام سروش ہے۔'' وہ بولی۔ ''اب تم یاد کرنے کی کوشش کرو! کیا تم اس نام کے سہارے سے بھی اپنے ماضی کو یاد نہیں کر سکتے۔؟''

سروش! سروش! سروش میرے ذہن میں جھنکاری ہونے لگی۔ بوڑھے کیشپ کا منحوس چہرہ میرے تصور میں ابھر آیا۔ دھندلے دھندلے سے سائے ذہن میں گڈمڈ ہونے لگے لیکن واضح طور پر کچھ بھی یاد نہ آ سکا۔

''نہیں..... کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں۔'' میں نے بڑی بے بسی سے کہا۔

سروش نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر کہا۔ ''میں تمہیں سب کچھ بتا سکتی ہوں لیکن بہتر ہے کہ تمہیں خود ہی سب کچھ یاد آ جائے۔ میرے بتانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں جو کچھ بتاؤں گی وہ تمہارے لیے محض ایک کہانی ہوگی۔''

''لیکن مجھے وہ سب کچھ کیسے یاد آئے گا؟''

''ماحول اور جانے پہچانے لوگ تمہاری یادداشت کو واپس لے آئیں گے۔ آج ہی رات تم اس ماحول میں پہنچ جاؤ گے جو تمہارے لیے اجنبی نہیں ہوگا۔''

''آج رات کو۔؟''

''ہاں۔'' سروش نے جواب دیا۔ ''ایک چھوٹا سا بحری سفر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''

''کیا مجھے آج رات یہ جزیرہ چھوڑ دینا ہے؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''ہاں۔''

میرے منہ سے فوری طور پر کچھ نہیں نکل سکا لیکن میں پریشان و مضطرب ہو گیا تھا۔ آخر میں کلدیپ کو کیسے چھوڑ جاتا۔؟

میرے خیال کے مطابق وہ دیوی کے محل میں موجود تھی۔

''فی الحال میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''کیوں۔؟''

دیوی کے محل میں میرا ایک دوست بھی قید ہے۔؟'' میں نے دانستہ کلدیپ کور کا نام چھپایا تھا۔

''دوست۔'' سروش پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''ہاں۔!'' میں اس سے نظریں چرانے لگا۔

''کلدیپ کور کا نام زبان پر لاتے ہوئے کیوں ڈرتے ہو ارسلان؟'' سروش کے لہجے میں درد کی ایک لہر سی تھی۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں سب کچھ جانتی ہوں ارسلان۔'' وہ بولی'' مجھے ایک ایک بات کا علم ہے! دیوی کے محل میں بھی ہمارا ایک آدھ جاسوس موجود ہے۔''

میں پلکیں جھپکاتا ہوا سروش کی طرف دیکھنے لگا۔

''اب تم کلدیپ کور کو نہیں پا سکو گے۔'' سروش بولی۔

''کیوں؟'' میرے لہجے میں اضطراب تھا'' کیا دیوی نے کلدیپ کور کو اپنے سے کہیں اور منتقل کر دیا ہے۔؟''

''نہیں۔''

''پھر؟''

''کلدیپ کور خود ہی منتقل ہو گئی ہے دیوی نے تمہیں الجھائے رکھنے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔ کلدیپ کور تو بارہ گھنٹے بعد ہی دیوی کے محل سے منتقل ہو گئی تھی۔''

''کہاں؟'' میرا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

''دوسری دنیا میں۔'' سروش نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں.....'' میں ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔

''میں نے زندگی میں تم سے جھوٹ نہیں بولا ارسلان۔''

''لیکن.....لیکن.....'' میں کھڑا ہو گیا۔ جذباتی ہیجان نے مجھے فقرہ مکمل نہیں کرنے دیا۔

سروش بھی اب اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

''کیونکہ تمہیں اس سے محبت تھی اس لیے مجھے افسوس ہے کہ اب تم اسے کبھی نہیں پا سکو گے۔''

سروش کا لہجہ ایسا تھا کہ مجھے اس کی باتوں پر یقین آ گیا۔ کلدیپ کور کی موت کی خبر نے مجھے صدمہ پہنچایا تھا۔ میں اضطراب اور غم کی لہروں کو سمیٹے غار میں ٹہلنے لگا، کلدیپ کور ایک ایسی ہی لڑکی تھی۔ جس کی موت پر میرا دل رو پڑا تھا۔

''کیا تم اب بھی دیبال میں رکنا چاہو گے؟'' سروش بولی۔

''ہاں۔'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔ ''میں دیوی سے انتقام لوں گا۔''

''کس بات کا انتقام؟'' کلدیپ کور کو دیوی نے تو نہیں مارا۔''

''لیکن اس نے کلدیپ کی موت کو مجھ سے چھپایا تو تھا!'' میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''میں اس وفا پیشہ لڑکی کی لاش پر دو آنسو بھی نہیں بہا سکا۔''

''کاش تمہیں کسی زندہ لاش پر بھی ایک آدھ آنسو بہانے کا خیال آ سکتا۔'' سروش نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''کیا مطلب؟''

''بہت جلد مطلب بھی سمجھ جاؤ گے۔ فی الحال ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے! احمر آ چکا ہے۔''

غار کے باہر سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی تھی اور پھر گھوڑے کی دونوں ٹاپیں خاصی آواز کے ساتھ چٹان سے ٹکرائیں۔

سروش کھڑی ہو گئی۔ ''آؤ۔''

''لیکن.....''

''اب مان بھی جاؤ ارسلان!'' اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''آخر تم مجھے کب تک پریشان کرتے رہو گے۔''

''لیکن سروش.....'' میں کہتے کہتے رک گیا۔ کیونکہ قدموں کی آہٹ بالکل قریب آ چکی تھی۔ میں نے ایک جوان العمر شخص کو غار میں داخل ہوتے دیکھا۔

باسکرولی کا آتشی کتا

کتاب گھر آپ کے لئے لایا ہے مشہور سراغ رساں شرلاک ہومز کا ناول ''باسکرولی کا آتشی کتا''۔ یہ ناول مشہور رائٹر سر آرتھر کونن ڈائل کی شہرہ آفاق کتاب "The Hound of Baskervilles" کا اردو ترجمہ ہے۔ ۱۹۰۲ میں تحریر کیے گئے اس ناول پر اب تک ہالی وڈ کی کئی فلمیں اور ڈرامے بن چکے ہیں۔ سر آرتھر نے شرلاک ہومز کا کردار اٹھارویں صدی میں متعارف کروایا تھا لیکن اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کر لیں کے ایک صدی سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود یہ کردار جاسوسی ناول پڑھنے والوں میں آج بھی اتنا ہی مقبول ہے۔ اس ناول کو کتاب گھر کے جاسوسی ناول سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''تیاریاں مکمل ہیں خانم!'' وہ بولا۔ اس کی آواز سے میں نے اسے پہچان لیا۔ ہاں' وہ وہی تھا جو مجھے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر یہاں لایا تھا۔

''ٹھیک ہے ہم چل رہے ہیں۔ آؤ ارسلان!'' سروش بولی۔

میں بڑی بے بسی کے سے انداز میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ میرا ہاتھ بدستور اس کے ہاتھ میں تھا۔

غار کے باہر کئی گھوڑے موجود تھے۔ مجھ سمیت چھ افراد کا قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ میرے اور سروش کے گھوڑے آگے آگے تھے۔ ہماری رفتار میں بہت زیادہ تیزی نہیں تھی لیکن ہمیں سست رفتار بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

''احمر!'' سروش نے بلند آواز میں پکارا۔

احمر کا گھوڑا پیچھے تھا۔ اس نے اپنی رفتار بڑھائی اور سروش کے بائیں ہاتھ پر آ گیا۔ میں اس کی دائیں طرف تھا۔

''جی خانم!'' احمر بولا۔

''صورت حال کیا ہے؟'' سروش نے اس سے پوچھا۔

''اطمینان بخش!'' احمر نے جواب دیا۔ ''شیوئل کے آدمی مشرقی سمندر میں ایک لانچ کا تعاقب کر رہے ہیں۔ مغربی سمندر کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے لہٰذا ہم بڑے اطمینان سے نکل جائیں گے۔''

''خوب تو گویا تمہاری تدبیر کارگر ہی!''

''اگر مجھے اس کی کارکردگی پر یقین نہ ہوتا تو میں کوئی دوسری تدبیر کرتا۔'' اس کے بعد ان دونوں میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی اور گھوڑے دوڑتے رہے۔ ادھر میرا دماغ ان حالات کی کڑیوں کی ملانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ اس بات میں شک و شبے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ سروش اور احمر کا تعلق کالدیپی حکومت سے تھا اور یہ لوگ صرف اس لیے جزیرۂ دیبال پر آئے تھے کہ مجھے یہاں سے نکال لے جائیں۔ اب چونکہ میں دیوی کے چنگل سے نکل چکا تھا۔ لہٰذا اب کالدیپی حکمراں کو دیبال پر حملہ کرنے میں کوئی تکلف نہ ہوتا۔

یہ سب کچھ تو میں نے سمجھ لیا لیکن اس کا اندازہ ابھی نہیں لگا سکا کہ میں کالدیپ کی حکومت سے کیا تعلق رکھتا ہوں اور وہاں کے حکمراں کو میری زندگی اتنی عزیز کیوں ہے کہ وہ دیبال پر حملہ کرتے ہوئے ہچکچا گیا۔

میرا ماضی اب بھی تاریکی میں تھا اور سروش جو میرے بارے میں سب کچھ جانتی تھی' کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔ ویسے اس کا یہ کہنا ٹھیک ہی تھا کہ وہ جو کچھ بتائے گی اس کی حیثیت میرے لیے ایک کہانی کی سی ہوگی' لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مجھے خود ہی سب کچھ یاد آ جائے۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ کالدیپ کور کی یاد بھی میرے ذہن میں چکراتی رہی۔ اس لڑکی نے مجھے اتنا ہی متاثر کیا تھا۔ کہ میں اسے آسانی سے نہیں بھول سکتا تھا۔

جب گھوڑوں کی رفتار میں کمی آئی تو میرے خیالات کا تار ٹوٹا۔

''اب ہمارا بحری سفر شروع ہوگا۔'' سروش نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ذرا دیر بعد ہی سب گھوڑے ساحل پر جا رکے یہاں ایک بہت بڑی لانچ موجود تھی۔ آدمیوں کے ساتھ ہی ساتھ گھوڑے بھی اس لانچ میں منتقل ہو گئے اور پھر ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر لانچ حرکت میں آ گئی۔

رات کا تیسرا پہر ڈھل رہا تھا اور ہوا میں خشکی بڑھ گئی تھی۔

میں اور سروش آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے قریب کوئی اور نہیں تھا۔ اس چھوٹے سے کیبن میں آرام و آسائش کی ہر چیز موجود تھی ہیٹر کے ذریعہ کیبن کی فضا کو گرم بھی کر لیا گیا تھا۔

''یہ صرف ڈیڑھ گھنٹے کا سفر ہے۔'' سروش نے مجھے بتایا۔

میں بس سر ہلا کر رہ گیا۔ میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چاہتا تھا۔ تاکہ اپنے ذہن کی پراسرار قوت سے کام لوں گا اور سروش کے ذہن میں جھانک کر وہ سب کچھ جان لوں جو اس کے علم میں تھا۔

جب سروش نے محسوس کیا کہ میں گفتگو کے موڈ میں نہیں ہوں تو وہ بھی خاموش ہو گئی۔ میں مکمل ذہنی یکسوئی کے ساتھ سروش کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن بار بار مجھے اندھیرے سے واسطہ پڑ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سروش کا ذہن سادہ ورق بن کر رہ گیا ہو۔ وہاں ایسا سناٹا تھا جیسے کسی نومولود بچے کا ذہن!

اچانک سروش نے ایک کھنکھناتا ہوا قہقہہ لگایا اور میں چونک کر اسے یوں دیکھنے لگا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔

''بلاوجہ محنت کر رہے ہو ارسلان!'' میرے ذہن میں سروش کی آواز گونجی جبکہ میں دیکھ رہا تھا کہ سروش کے ہونٹ بالکل نہیں ہلے تھے۔

میں بوکھلا گیا۔ کیا سروش کو بھی وہ پراسرار قوت حاصل تھی۔؟

''ہاں.....'' میرے ذہن نے سروش کی آواز محسوس کی۔ ''ہم دونوں کو ہی پراسرار قوت حاصل ہے جس سے کسی کے ذہن کو پڑھا جا سکتا ہے۔ احمر نے تم سے ایک چھوٹا سا جھوٹ بولا تھا کہ دیوی کے محل میں ہمارا کوئی جاسوس موجود ہے۔ حقیقت دراصل یہ ہے کہ میرے ذہن کی پراسرار قوت ہی دیوی کے محل کی جاسوسی کرتی رہی ہے۔

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

سروش کی آواز میرے ذہن میں گونجتی رہی۔ ''مجھے کلدیپ کی موت کا علم بھی اس لیے ہو سکا ہے کہ میں دیوی کا ذہن پڑھتی رہی ہوں۔ تمہارا ذہن بھی ہر لمحے میری دسترس میں رہا ہے اور اسی لیے میں جان گئی تھی کہ آج رات تم محل سے نکلو گے، کل رات تمہیں کوئی مشروب پلایا گیا تھا۔ اس سے میں سمجھ گئی تھی کہ تمہیں بے ہوش کر دیا گیا تھا۔''

''تو پھر تمہیں اس وقت بھی میرے ذہن سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا جب میں محل میں تھا۔'' میں نے ذہنی طور پر کہا۔

''میں ایسا کر تو سکتی تھی خدشہ یہ تھا کہ تم میری باتوں پر یقین نہیں کرو گے۔''

میں چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ''کیا میں بھی اپنے ذہن پر پردہ ڈال سکتا ہوں کہ تم کچھ نہ جان سکو۔!''

''فی الحال تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''فی الحال کیوں؟''

''تم اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہو۔ اس لیے تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اپنے ذہن کے دروازے کس طرح بند کیے جا سکتے ہیں۔''

''کیا تمہیں بھی یہ طاقت کیپٹ ہی سے ملی ہے۔؟''

''ہاں، ہم دونوں ہی اس کے شاگرد رہے ہیں۔''

''کیپٹ اب کہاں ہے؟''

''جزیرۂ کاران پر۔''

''جزیرۂ کاران؟''

''ہاں جزیرۂ کاران ہی کالدیپ کا دارالحکومت ہے۔ ہم بہت جلد وہاں پہنچنے والے ہیں۔''

''اوہ!'' میں نے تشویش سے کہا۔ ''پھر تو وہ جان لے گا کہ میں وہاں پہنچنے والا ہوں۔''

''نہیں وہ کچھ نہیں جان سکے گا۔ آئندہ چند گھنٹوں کے لیے اس کا ذہن معطل ہو چکا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''وقت آنے پر تم سب کچھ جان جاؤ گے۔''

اسی وقت کیبن کے دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جاؤ!'' سروش نے بلند آواز میں کہا۔

کیبن کا دروازہ کھلا اور احمر اندر آ گیا۔ اس نے ایک دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا اور پھر سروش سے بولا۔

''ہمیں ساحل کے کس حصے میں پہنچنا ہے خانم!''

''کسی حصے میں بھی نہیں تم اس کی فکر مت کرو۔ لانچ چلانے والے کو علم ہے کہ اسے کہاں جانا ہے۔''

احمر نے حیرت سے سروش کی طرف دیکھا لیکن کسی قسم کی حجت کرنا شاید حد ادب سے تجاوز کے مترادف ہوتا۔ اس لیے وہ خاموشی سے چلا گیا۔

میں نے سروش سے کہا۔ کیا ہماری لانچ ساحل پر نہیں رکے گی۔؟

''نہیں۔''

''تو پھر۔''

''ہم ایک بحری سرنگ میں سفر کر کے سیدھے محل کے نچلے حصے میں پہنچ جائیں گے۔''

''محل؟''

''ہاں! کالدیپ کے حکمراں کا محل۔''

''اسے مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے کہ دیوی نے مجھے یرغمال بنا کر اسے حملہ کرنے سے روک دیا۔''

''آئندہ چوبیس گھنٹوں میں تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا ارسلان۔'' سروش نے بڑے پیار بھرے انداز میں کہا۔''فی الحال تم آرام کرو۔ آئندہ چوبیس گھنٹے بڑے ہنگامی حالات میں گزریں گے۔''

''میں معمولی سی بھی تھکن نہیں محسوس کر رہا ہوں۔''

''حالانکہ ساری رات جاگتے ہوئے گزر گئی ہے۔''

''ایک رات کے جاگنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تم بھی تو جاگتی رہی ہو۔''

سروش لاجواب ہو گئی۔

ہم ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے رہے لیکن پھر کوئی گفتگو نہیں چھڑی وقت گزرتا رہا' غالباً صبح قریب تھی۔ ہمارے سفر کا اختتام ہوا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سب لوگ لانچ سے اُتر آئے میں نے دیکھا کہ وہ بہت بڑا ہال تھا اور لانچ اس کے فرش پر گویا رکھی ہوئی تھی۔ فرش اور دیواریں بھیگی ہوئی تھیں غالباً تھوڑی دیر پہلے تک وہاں پانی موجود رہا ہوگا۔ مگر لانچ کے داخلے کے بعد کسی راہ سے پانی نکال دیا گیا ہوگا۔

ہال کے ایک گوشے میں سنگی سیڑھیاں تھیں جن کے اختتام پر چھت میں ایک گول سوراخ نظر آ رہا تھا۔ اس سوراخ کا قطر اتنا ضرور تھا کہ بیک وقت دو آدمی اس میں سے دوسری طرف نکل سکتے تھے۔

ہم سب ان سیڑھیوں کو طے کرتے ہوئے اوپر پہنچے۔ یہاں کچھ لوگ شاید ہمارے استقبال ہی کیلئے موجود تھے۔ ان میں سے ایک شخص دیوار کی طرف منہ کیے اس تصویر کو دیکھ رہے تھے جس میں دو ہرن بھاگتے ہوئے دکھائے گئے تھے۔

سروش مجھے لیے ہوئے اس شخص کی طرف بڑھی۔ ہماری آہٹیں سن کر بھی اس شخص نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ ریشمی ملبوسات زیب تن کیے ہوئے تھا اور اس کے کھڑے ہونے کے انداز میں ایسا وقار تھا جیسے وہ کالدیپ کی اہم ترین ہستی ہو۔

''خاقان!'' سروش اسی شخص سے مخاطب تھی۔''ادھر دیکھیے۔ شہزادہ ارسلان آئے ہیں۔''

اپنے نام کے ساتھ ''شہزادہ'' کا اضافہ مجھے چونکانے کے لیے کافی تھا لیکن دوسری بات تو اتنی حیرت انگیز تھی کہ میں پتھر کے بت

کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا۔

وہ شخص جب میری طرف مڑا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں آئینہ دیکھ رہا ہوں۔ اتنی حیرت انگیز مشابہت شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہو گی۔ اس شخص کے دائیں گال پر کوئی ڈیڑھ انچ قطر کا ایک سیاہ داغ تھا اور اس کی عمر بھی مجھ سے کچھ کم معلوم ہوتی تھی۔ مجھ میں اور اس میں ان دو باتوں کے علاوہ کوئی فرق نہیں تھا۔

''برادرِ معظم!'' نوجوان شخص کے منہ سے نکلا اور پھر وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر بیتابانہ میری طرف بڑھا۔

میرا جسم اس طرح جھنجھنا رہا تھا جیسے بجلی کے تاروں سے چھو گیا ہو ذہن میں بگولے سے چکرا رہے تھے اور ان بگولوں میں مختلف شبیہیں ایک دوسرے سے گڈمڈ ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ خاقان مجھ سے لپٹ گیا تھا اور میں بڑی شفقت سے اس کی پیٹھ پر اس طرح ہاتھ پھیر رہا تھا جیسے وہ میرا چھوٹا بھائی ہو۔

کیشپ!

سروش!

احمر!

خاقان!

یہ سب چہرے میرے ذہن پر بار بار اس طرح لپک رہے تھے جیسے روشنی کے جھماکے ہو رہے ہوں۔ ان کے ساتھ ہی کچھ اور چہرے بھی تھے جو میرے ذہن کی شعوری سطح سے مٹے ہوئے تھے۔ میرے ذہن میں مختلف آوازیں بھی گونج رہی تھیں۔ شور و غوغا میرے پورے وجود پر چھاتا چلا جا رہا تھا۔ زمین مجھے اپنے پیروں کے نیچے ہلتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک اندھیرا جیسے چاروں طرف سے میری طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس اندھیرے میں بھی روشنی کے جھماکے ہو رہے تھے۔ پھر روشنی کے ان جھماکوں نے، اس اندھیرے نے، کلی طور پر مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میری ہستی اس اندھیرے کا ایک جزو بن گئی۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک نرم و گداز بستر پر پایا۔ وہ ایک خاصا کشادہ اور سجا ہوا کمرہ تھا۔ یہاں کی ہر چیز میری جانی پہچانی ہوئی تھی۔ اسے سروش نے اپنے ہاتھوں سے سجایا تھا۔ سروش میری بیوی تھی۔ اگر وہ ابھی اپنی خوابگاہ کو نہ سجاتی تو اور کون سجاتا۔؟

ہاں! سروش میری بیوی تھی۔

ہاں! مجھے اب سب کچھ یاد آ چکا تھا۔ مجھے اپنی وہ شخصیت دوبارہ مل چکی تھی جسے میں نے اپنے ذہن کی تاریکیوں میں گم کر دیا تھا۔ اب اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ میرا نام ارسلان تھا۔ میں اور خاقان سگے بھائی تھے۔ کالدیپ کے مرحوم حکمراں یعنی میرے باپ کی خواہش تھی کہ وہ مجھے کالدیپ کے تخت پر بٹھائے اور اسی لیے مجھے تعلیم و تربیت کیلئے کاہن اعظم کیشپ کے سپرد کر دیا تھا۔

کیشپ کی بیٹی سروش بھی میرے ساتھ ساتھ اپنے باپ سے تعلیم و تربیت حاصل کر رہی تھی۔ کیشپ نے ہم دونوں ہی کو عمل تنویح

اور منتقلیٔ خیالات کے علم سے بہرہ ور کیا تھا۔ اس کی ہدایات پر عمل کرتے کرتے ہماری آنکھوں میں اتنی طاقت پیدا ہوگئی کہ ہم اس طاقت سے کسی بھی عام آدمی کو چھوئے بغیر ہلاک کر سکتے تھے۔ لوگوں کے خیالات پڑھ لینا میرے لیے ایک معمولی بات تھی۔ کیشپ میرے ساتھ ساتھ سروش کو بھی یہ علوم ایک خاص مقصد کے تحت سکھا رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ مجھے اور سروش کو شادی کے بندھنوں میں جکڑ دے اور اس طرح ساری زندگی مجھ پر اپنی گرفت قائم رکھے۔ میرے واسطے سے وہ کالدیپ کے عوام پر حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔ میرے مرحوم باپ پر تو اس کی گرفت تھی ہی اور نتیجے میں کالدیپ کے عوام کو اس کے ظلم وستم کا شکار رہنا پڑتا تھا۔ خاص طور سے خوبصورت لڑکیاں، کیشپ کی بوالہوسی کا نشانہ بنتی رہتی تھیں۔ اس نے یہ قانون بنا رکھا تھا کہ جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی تھی تو اسے پہلی رات اپنے شوہر کی بجائے کیشپ کے ساتھ گزارنا پڑتی تھی۔

لیکن کیشپ کی تعلیم وتربیت مکمل طور سے میرے ذہن پر اثر انداز نہیں ہوسکی۔ مجھے پسند نہیں تھا کہ عوام پر مذہبی رہنما کی بالادستی اس طرح قائم رہے کہ وہ اس کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوتے رہیں۔ اس کے علاوہ میرے مزاج میں ایک لاابالی پن اور سرکشی بھی تھی۔ حکومت کرنے کا مجھے ذرا بھی شوق نہ تھا لیکن حسن و جمال کی ٹھنڈی چھاؤں میں اپنی علمداری قائم کرنا میری فطرت بن چکی تھی۔ میرا پرکشش وجود لڑکیوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ وہ پکے ہوئے پھل کیطرح میری آغوش میں آگرتی تھیں۔ لیکن میری فطرت نے قناعت کرنا نہیں سیکھا تھا۔ میری زندگی کی ساعتیں شوریدہ سر لہروں کی طرح تھیں۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری لڑکی میری زندگی میں داخل ہوجاتی تھی۔ وہ لڑکیاں اپنی سب سے قیمتی متاع کو بڑی خوشی سے مجھ پر نچھاور کردیتی تھیں۔ لیکن اس معاملے میں سروش نے مجھے جھنجھلاہٹ میں مبتلا رکھا۔ وہ مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی لیکن اس نے کبھی مجھے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ میں اس کے بھرے بھرے جسم کو چھوسکوں۔ اس کی قربت میرے جسم میں آگ لگادیتی تھی۔ اسے صرف دیکھ کر ہی میرے جذبات میں طغیانی آجاتی تھی اور پھر مجھے دوسری لڑکیوں کے سہارے پرسکون ہونا پڑتا تھا۔

کیشپ میری ان حرکتوں سے اچھی طرف واقف تھا۔ اس نے میری سرکشی پر بند باندھنے کے لیے فیصلہ کیا کہ سروش سے میری شادی کردیجائے۔ مجھے اس بندھن سے سخت چڑ تھی لیکن سروش نے مجھے کچھ اس طرح دیوانہ بنا رکھا تھا کہ میں اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوگیا اور میرے باپ میں تو اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ کیشپ کے سامنے دم مارسکتا۔ نتیجہ یہ کہ ہماری شادی ہوگئی۔ میں نے سروش کو پالیا۔ دوسری لڑکیوں سے تو میں دو چار مرتبہ میں اکتا جاتا تھا لیکن سروش ایک ایسا چشمہ تھی جس سے سیراب ہونے میں مجھے کافی وقت لگا تاہم وہ بھی مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا گرویدہ نہیں بنا سکی تھی۔ بس چند ہفتے.....اور پھر میں اس سے بھی اکتا گیا۔

اسی دوران میں اچانک میرے والد انتقال کرگئے۔ غم کی تاریخیں بڑے احترام سے گزاری گئیں اور پھر غم کے خاتمے کے دن جشن منایا گیا۔ اسی دن میری رسم تاجپوشی بھی ادا ہوئی تھی۔ سارے محل کو سجادیا گیا تھا۔ دربار میں تمام اکابر جمع تھے۔ ان سب کے سامنے کیشپ تاج لے کر میری طرف بڑھا میرے دائیں ہاتھ پر سروش اور بائیں ہاتھ پر میرا چھوٹا بھائی خاقان کھڑا ہوا تھا۔ میری خواہش تھی کہ

خاقان کالدیپ کا حکمران بنے اور میں ان جھنجٹوں سے نجات پائے رہوں۔

کیشپ نے میرے قریب پہنچ کر تاج میرے ہاتھوں میں دیدیا کہ میں اسے اپنے سر پر رکھ لوں لیکن میں نے ایک ایسی حرکت کی سارا دربار شور سے گونج اُٹھا میں نے کیشپ سے تاج لے کر خاقان کے سر پر رکھ دیا تھا۔ میری حرکت سے خاقان بھی بھونچکا رہ گیا تھا۔

''میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو آج سے کالدیپ کا حکمران نامزد کیا۔'' میں نے بلند آواز میں اہل دربار سے کہا۔

کیشپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا لیکن اب وہ کچھ کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے اپنی خوشی سے کالدیپ کی حکمرانی اپنے بھائی کو سونپی تھی لہٰذا اصولاً کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔

اس طرح کیشپ کا خواب پورا نہ ہوسکا۔ نتیجے میں اس پر جھلاہٹ طاری ہوگئی۔ شاید وہ مجھے کوئی نقصان بھی پہنچا بیٹھا لیکن ایک رات میں اپنے ایک انگریز دوست کے ساتھ اس کے جہاز میں بیٹھ کر جزائر کالدیپ سے چلا گیا۔ سروش سے میری طبعیت اکتا ہی چکی تھی۔

برطانیہ اور فرانس سے کالدیپ کے تعلقات بے حد گوشوار تھے۔ جزائر کا بیشتر تیل اور دوسری معدنی دولت زیادہ تر انہی دو ملکوں کے ہاتھ فروخت کی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے ان دو ملکوں کے اکابرین سے میرے تعلقات بڑی حد تک دوستانہ تھے میں جس انگریز دوست کے ساتھ کالدیپ سے روانہ ہوا تھا وہ تیل نکالنے والی ایک برطانوی فرم کا ڈائریکٹر تھا

بیرونی دنیا میں پہنچ کر میں کھل کھیلا۔ نئی نئی لڑکیاں میری راتوں کو مہکاتی رہیں روپے پیسے کی مجھے کوئی کمی نہیں تھی میں جس ملک میں بھی ہوتا تھا۔ اس ملک کے برطانوی یا فرانسیسی سفارتخانے کے ذریعے مجھے حسب ضرورت رقم مل جاتی تھی۔ یہ دونوں ملک میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ دراصل انہیں اچھی طرح یہ احساس تھا کہ میں کالدیپ کا حکمراں نہ ہونے کے باوجود بہت کچھ کرسکتا ہوں، خاقان میری بیحد عزت کرتا تھا۔ اگر میں اسے اشارہ بھی کردیتا تو وہ ان دونوں ملکوں کی تیل نکالنے والی کمپنیوں کو کالدیپ سے باہر نکال کرتا۔

غرضیکہ میں شہزادوں کی طرح آزاد زندگی گزار رہا تھا لیکن یہ سب کچھ بہت زیادہ عرصے تک نہ چل سکا۔ کیشپ نچلا کیسے بیٹھ سکتا تھا۔ وہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا اور اس کے نتیجے میں جو واقعات پیش آئے ان کا تفصیلی ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔

اب میں ایک بار پھر اپنے محل میں تھا اور میری گمشدہ یادداشت واپس آچکی تھی۔

میں بستر سے اُٹھ بیٹھا اور اسی وقت خاقان اور سروش کمرے میں داخل ہوئے میرا بچپن کا دوست احمران کے پیچھے پیچھے تھا۔

''آؤ خاقان! میرے بھائی.....! آؤ سروش! میری رفیق زندگی.....! آؤ احمر میرے دوست.....! آؤ بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ اب کیا ارادے ہیں۔؟''

ان تینوں کے چہرے مسرت سے کھل اُٹھے۔

''تو آپ کو سب کچھ یاد آچکا ہے برادرِ معظم! خاقان بولا۔

''ہاں خاقان!'' میں نے سر ہلا کر کہا۔ ''غالباً صرف تم کو دیکھنے سے میری یادداشت واپس آئی ہے۔''

''مجھے ایک ضروری کام ہے برادرِ معظم!'' خاقان بولا۔ ''میں بس آپکو دیکھنے چلا آیا تھا۔ مجھے اجازت دیجیے! تھوڑی دیر بعد حاضر ہوسکوں گا۔''

میں نے پرشفقت مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دی اور جب وہ چلا گیا تو میں نے سروش اور احمر کو قریب بلا کر بٹھایا۔

''میرا خیال ہے کہ میں بھی چلا جاؤں۔'' احمر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو میں نے اس کی پیٹھ پر دھول جما دی۔

سروش ہنسنے لگی اور پھر اچانک اس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ''سنو ارسلان!.....اب تمہیں ہوشیار رہنا چاہیے۔''

''تمہارے بابا کی طرف سے؟''

''ہاں.....اب کچھ دیر باقی ہے کہ وہ پوری طرح ہوش میں آجائیں گے یہ ایک یقینی امر ہے کہ وہ فوری طور پر تمہارے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کریں گے پھر اگر انہیں یہ پتا چل گیا کہ تم محل میں پہنچ چکے ہو تو.....''

''معاملہ بگڑ جائے گا۔'' احمر نے لقمہ دیا۔

''بے فکر رہو۔ اب میں کسی کو بھی اپنے ذہن میں نہیں جھانکنے دوں گا۔''

''سنو احمر!'' سروش بولی۔ ''تم جا کر بابا کی خبر لاؤ!''

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیے۔'' احمر نے ہنستے ہوئے کہا۔

سروش نے اسے گھور کر دیکھا تو دوسری طرف منہ پھیر کر مسکراتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

''ہاں سروش!'' میں بولا۔ ''اب بتاؤ کہ معاملات کیا ہیں۔ آخر تم نے ایسا کیا بندوبست کیا تھا کہ تمہارا بابا میری طرف سے غافل ہو گیا ہے۔''

''لڑکی۔'' سروش نے نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

''کیا مطلب؟''

''ایک لڑکی کی شادی تھی چنانچہ اسے بابا کی خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا۔ اس لڑکی کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ بابا کو گوگلان پلاتی رہے۔ وہ اس کے نشے میں مدہوش ہیں اور انہیں تمہارا خیال نہ آسکے۔ اس لڑکی کو بابا نے تین روز کے لیے روکا تھا۔ آج صبح وہ لڑکی اپنے بدقسمت شوہر کے پاس چلی گئی ہوگی چنانچہ اب کچھ دیر میں بابا کے دماغ سے گوگلان کا نشہ ختم ہو جائے گا۔''

''ہوں۔'' میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''پھر اس کے بعد؟''

''اس کے بعد.....تمہیں یہ سوچنا ہے کہ اسے کس طرح موت کی نیند سلایا جا سکتا ہے۔''

''سروش!'' میں چونک پڑا۔

''مجھے اس سے نفرت ہو چکی ہے ارسلان.....! آخر کب تک معصوم لڑکیوں کو اس کی ہوس کی چوکھٹ پر قربان ہوتے ہوئے دیکھتی رہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کسی روز مجھے بھی.....'' سروش کی آواز بھرا گئی۔ وہ اپنا جملہ پورا نہ کر سکی اور اس نے اپنا کانپتا ہوا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

''تمہاری آخری بات بیوقوفانہ ہے۔ تمہیں اس انداز میں نہیں سوچنا چاہیے۔ تم بہر حال اس کی بیٹی ہو۔''

''کاش میں اس جیسے آدمی کی بیٹی نہ ہوتی۔'' سروش نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

میں خاموش رہا اور میری اس خاموشی سے کچھ دیر کے لیے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میری ذہنی رو جزیرۂ دیبال کی طرف بھٹک گئی جہاں دیوی کی حکمرانی تھی۔ کچھ عرصے پہلے جب میں انگلینڈ میں تھا تو مجھے اس بات کی اطلاع مل گئی تھی کہ دیبال پر ایک خود مختار حکومت قائم ہو گئی ہے۔ نیز مجھے اس بات کی بھی اطلاع مل گئی تھی کہ اس حکومت کے قیام میں امریکا کا ہاتھ ہے۔

دراصل امریکا کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھاتی تھی کہ جزائر کالدیپ کی معدنی دولت پر صرف برطانیہ اور فرانس کا تصرف رہے۔ اسی خلش نے امریکا کو یہ چال چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شیموئل ہی جزیرۂ دیبال پر امریکا کا ایجنٹ تھا اور اس سے میری ملاقات بھی ہو چکی تھی۔

''ساحرہ دیوی کو وہاں کے عوام کی حمایت حاصل ہو گئی ہے۔''

''وہ سب ختم ہو جائے گی جب لوگوں کو ساحرہ کے ڈھونگ کا علم ہو گا۔ اس نے کچھ شعبدے دکھا کر وہاں کے لوگوں کو یہ باور کرا دیا کہ وہ ارضی نہیں بلکہ آسمانی مخلوق ہے۔''

''اس کے شانوں پر دو سانپ تو میں نے بھی دیکھے تھے۔''

اچانک میں نے اپنے دماغ میں سرسراہٹ سی محسوس کی اور چونک پڑا۔ معاملہ بالکل صاف تھا۔ کیشپ کی ذہنی رو میرے ذہن تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے فوراً اپنے دماغ پر سناٹا طاری کر لیا، میں بھول گیا کہ میں کون ہوں کہاں ہوں اور میرے سامنے کون بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا کرنا بظاہر تو ناممکن ہی معلوم ہوتا تھا لیکن طویل مشقوں کے نتیجے میں مجھے اور سروش کو اس پر مکمل قدرت حاصل ہو گئی تھی اس لیے ہم بڑی آسانی سے ایسا کر سکتے تھے۔

اپنے دماغ پر سناٹا طاری کرنے کے بعد میں نے اپنے دماغ کے غیر مرئی دروازوں کو آہستہ آہستہ بند کرنا شروع کیا۔ اس عمل کے لیے بھی مجھے اور سروش کو طویل اور تھکا دینے والی کٹھن مشقیں کرنی پڑی تھیں۔ آخر کار میں اپنے دماغ کو ہر طرف سے بند کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب کسی بھی طاقت کی رو میرے دماغ میں داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ٹھک سے کوئی چیز میرے دماغ سے آ کر لگی ہو۔ قدرے وقفے سے دوسری ضرب لگی جو پہلے سے زیادہ شدید تھی۔

سروش چپ چاپ بیٹھی میری طرف دیکھتی رہی وہ سمجھ گئی تھی کہ میں کسی صورتِ حال سے دوچار ہوں۔ میرے دماغ کی بیرونی سطح پر لگنے والی ضربات شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئیں۔ کیشپ جھنجھلا جھنجھلا کر اپنی ذہنی رو کو میرے دماغ کی طرف پھینک رہا تھا میں بھی اپنی پوری قوت صرف کر کے اپنے دماغ کے دروازوں کو بند کیے رہا گو کہ میں اپنی اس کوشش میں پسینے پسینے ہو گیا تھا لیکن میں کیشپ کو کامیابی نصیب نہیں ہونے دی۔ آخر کار کیشپ نے تھک ہار کر اپنی کوششیں ترک کر دیں۔

میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر ایک طویل سانس لے کر تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ سروش کی جانب دیکھا۔

''اب وہ بری طرح بوکھلا جائے گا۔'' سروش سنجیدگی سے بولی۔ ''شاید اسے یہ شبہ بھی ہو جائے کہ تمہاری یادداشت واپس آ چکی ہے۔'' ''لیکن یہ تو اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا کہ تم یہاں پہنچ چکے ہو۔''

''لیکن اب ہمیں کرنا کیا چاہیے۔ یہ بات تو بہر حال طے ہے کہ کیشپ زیادہ عرصے تک اندھیرے میں نہیں رہے گا۔''

''ہاں! یہ تو ہے لیکن سب سے پہلے جزیرۂ دیبال کا مسئلہ طے ہونا ہے۔ اسی دوران میں تم کوئی ایسی تدبیر سوچ لو کہ میرا منحوس باپ موت کی آغوش میں پہنچ جائے۔''

میں سروش کا منہ تکتا رہ گیا۔ وہ کتنی سفاکی سے اپنے باپ کی موت کا ذکر کر رہی تھی۔!

اتنے میں ایک ملازم کمرے میں آیا۔ وہ ہمارے لیے ناشتہ لے کر آیا تھا۔ غالباً اس کی ہدایت اسے خاقان یا احمر سے ملی ہو گی۔

میں اور سروش ناشتہ کرتے ہوئے اپنے اپنے خیالات میں گم رہے۔ میں اب سروش ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنی عجیب و غریب لڑکی ہے یہ.....! اس نے ابتک میری بے وفائی یا میرے ہرجائی پن کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ مجھے شدت سے چاہتی ہے۔ نہ صرف شدت سے چاہتی ہے بلکہ اس بات سے بے نیاز ہو کر چاہتی ہے کہ میں اسے نہیں چاہتا میں اس سے اُکتا گیا تھا میں اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ لیکن اس کو جیسے ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی۔

ہم ناشتے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ احمر آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔ اور چھوٹتے ہی بولا۔

''کیشپ محل میں آ چکا ہے۔''

میں بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا لیکن سروش بڑے سکون سے بیٹھی رہی۔ اس نے احمر سے کہا۔ ''اس کی آمد میرے لیے غیر متوقع نہیں۔ وہ خاقان کے کمرے میں ہے نا۔''

''ہاں.....!''

''جاؤ! اور جا کر سنو کہ ان دونوں میں کیا گفتگو ہو رہی ہے۔''

احمر سر ہلا کر چلا گیا۔

سروش میری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''وہ خاقان پر یہ دباؤ ڈالنے آیا ہو گا کہ دیبال پر بلا تاخیر حملہ کر دیا جائے۔ ابھی تک تو

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

خاقان اسے بڑی خوبصورتی سے ٹالتا رہا ہے لیکن اب ٹالنے کی کوئی ضرورت نہیں' دیبال پر آج ہی حملہ ہونا چاہیے۔''

''کیا اس حملے کے نتائج ہماری منشا کے مطابق ہوں گے۔؟''

''یقیناً۔'' سروش نے جواب دیا۔''ہمیں فرانس اور برطانیہ سے بھرپور جنگی امداد مل چکی ہے۔ زیادہ سے زیادہ رات تک ہم دیبال پر قابض ہو چکے ہوں گے۔''

دفعتاً میں ایک خیال کے تحت بولا۔''کہیں کیشپ اس طرف نہ نکل آئے۔''

''ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اس کے ذہن میں شکوک وشبہات جنم لے چکے ہوتے ہو۔'' جبکہ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہوگا۔''

کچھ دیر بعد احمر کمرے میں آیا اور اس نے بتایا کہ کیشپ محل سے واپس جا چکا ہے۔

''گفتگو کیا رہی۔؟'' سروش نے اس سے پوچھا۔

''اس نے خاقان سے اصرار کیا ہے کہ دیبال پر بلا تاخیر حملہ کر دیا جائے اور خاقان نے قدرے پس وپیش کے بعد اس کی بات مان لی ہے۔ اس وقت حملے کے احکامات صادر کیے جا رہے ہیں۔''

سروش مطمئن انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔

اس گفتگو کے صرف دو گھنٹے بعد دھماکوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں کالدیپ کا بحری بیڑا دیبال پر حملہ کر چکا تھا۔ یہ دھماکے شام تک جاری رہے اور پھر سناٹا چھا گیا۔

میں بدستور اسی کمرے میں بے چینی سے وقت گذارتا تھا اور اس دوران میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے مجھے احمر کے ذریعہ جنگی صورتحال کی رپورٹ ملتی رہی تھی۔ آخری رپورٹ یہ تھی کہ دیبال پر قبضہ کیا جا چکا ہے۔

شموئل اس جنگ میں مارا جا چکا ہے۔ اور ساحرہ دیوی گرفتار کر لی گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں اسے ایک جہاز پر بٹھا کر دیبال سے روانہ کیا جانے والا تھا تاکہ اسے جلد از جلد خاقان کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا جب دفعتاً مجھے ایک چیخ سنائی دی۔ وہ محل ہی کے کسی حصے میں گونجی تھی لیکن میرے لیے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ چیخ کس کی تھی اور اس کا سبب کیا تھا۔ میں بے اختیار دروازے کی طرف لپکا تھا لیکن قریب پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ سروش نے مجھے سختی سے تاکید کی تھی کہ میں کمرے سے نہ نکلوں۔ اس نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ محل میں کیشپ کا کوئی جاسوس بھی ہو سکتا ہے۔ ابھی تک تو میری حرکات وسکنات کو بیحد راز میں رکھا گیا تھا اور متعلقہ افراد کے علاوہ صرف ایک ملازم نے میری صورت دیکھی تھی۔ وہ ملازم انتہائی بااعتبار ووفادار تھا۔

سروش اور احمر کافی دیر سے میرے کمرے میں نہیں آئے تھے اس لیے اس چیخ نے مجھے کچھ زیادہ ہی پریشان کر دیا۔ میں بے چینی

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر اچانک مجھے اپنی پراسرار ذہنی قوت کا خیال آیا۔ صورتِ حال کو جاننے کے لیے میں اپنی اس طاقت کو آزما سکتا تھا۔ میں نے فوراً سروش سے ذہنی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ میں نے بار بار اپنی ذہنی رو کو سروش کی طرف دوڑایا اور پھر کافی دیر بعد کہیں جا کر مجھے احساس ہوا کہ میری ذہنی رو سروش کے دماغ سے ٹکرا رہی ہے میں نے اس کے دماغ پر سناٹا چھایا ہوا محسوس کیا۔ کوئی خیال نہیں تھا، کوئی بات نہیں تھی، اور ایسا صرف تین صورتوں میں ممکن تھا۔ ایک تو یہ کہ سروش سوگئی ہو، دوسرے یہ کہ وہ بے ہوش ہو اور تیسرے یہ کہ وہ مر چکی ہو۔ کیونکہ موجودہ حالات میں سروش کے سونے کا کوئی امکان نہیں تھا اس لیے میرے تفکرات میں اضافہ ہوگیا۔

دوسری مرتبہ میں نے احمر کے دماغ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور میں اس میں فوراً ہی کامیاب ہوگیا۔

اس وقت احمر کے دماغ میں خوف اور پریشانی کے تاثرات تھے وہ سوچ رہا تھا کہ ان حالات کے نتائج کیا ہوں گے۔

اس سے پہلے کہ میں اس کے دماغ سے پوری صورتِ حال کو پڑھ سکتا، کمرے کا دروازہ ایک پرشور آواز کے ساتھ کھلا۔ اس آواز نے میری ذہنی یکسوئی تہہ و بالا کردی۔ احمر سے میرا ذہنی رابطہ ختم ہوگیا لیکن اب اس رابطے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی کیونکہ کمرے میں داخل ہونے والا احمر ہی تھا۔

''غضب ہوگیا۔'' وہ چھوٹتے ہی بولا۔ ''ساری اسکیم چوپٹ ہوگئی۔ محل میں انقلاب آچکا ہے۔ اب یہاں کیشپ کی حکمرانی ہے۔''

''کیا؟..... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں نے بوکھلا کر پوچھا۔

''کیشپ کو کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ تم دیبال سے فرار ہوکر یہاں آگئے ہو۔

چنگیز خان

چنگیز کی زندگی اور فتوحات تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے پڑھے بغیر تاریخ کا سفر مکمل نہیں ہوتا۔ اس کا شمار انسانی تاریخ کے عظیم فاتحین میں سے ہوتا ہے۔ گو اس کا تعلق وحشی قبائل سے تھا لیکن وہ ایک ممتاز درجے کا وحشی تھا۔ وہ صرف تلوار کی زبان ہی نہ جانتا تھا بلکہ از روئے ضرورت ٹریک ٹو ڈپلومیسی بھی بروئے کار لاتا۔ 1219 سے 1225 تک کے درمیانی عرصے میں چنگیز نے ترکستان کے راستے ایران اور افغانستان، دوسری طرف پامیر کی پہاڑی چوٹیوں سے سندھ کے کناروں تک آذربائیجان، کاکس اور جنوبی روس کے علاقے کی مہمات سر کیں..... چنگیز خان کی تاریخ کتاب گھر کے **تاریخ** (History) سیکشن میں دستیاب ہے۔

''اسے کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔''

''خدا ہی بہتر جانتا ہے۔بس اب فوراً یہاں سے بھاگ چلو۔''

''سروش کہاں ہے؟''

''اس کا بھی کچھ پتا نہیں ہے۔''

''اور خاقان؟''

میرے اس سوال پر احمر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔اس کے لب ہلے مگر کوئی آواز نہیں نکل سکی۔

''جواب کیوں نہیں دیتے؟''میں نے اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

''اس کا جواب میں دوں گا ارسلان! کیشپ کی آواز کمرے میں گونجی۔میں اور احمر چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ کیشپ وہاں کھڑا ہو کر کھا جانے والی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔اس نے اپنے دونوں ہاتھوں پر ایک لاش اُٹھا رکھی تھی اور وہ لاش؟

مجھے اپنی آنکھوں تلے اندھیرا چھاتا ہوا محسوس ہوا۔

وہ لاش سروش کی تھی۔

ایک خنجر اس کے سینے میں دستے تک پیوست تھا اور خون کی دھاریں اس کے لباس کو رنگین کر چکی تھیں۔

میری نگاہیں سروش کی لاش پر جمی ہوئی تھیں اور ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔اس وقت مجھے جو سب سے پہلا خیال آیا وہ یہ تھا کہ میری محبوب بیوی کا قاتل کیشپ ہے۔چند لمحوں کے لیے میرے ذہن سے یہ بات بھی نکل گئی کہ میں کتنے خطرناک حالات سے دوچار ہوں مجھے صرف اتنا یاد رہ گیا کہ ایک شخص نے میری بیوی کو قتل کر دیا ہے اور وہی شخص لاش اُٹھائے میرے سامنے کھڑا ہے۔یہ تمام خطرات اور اندیشوں کو بھلا دینے والا لمحہ تھا۔ایکدم میری قہر آلود نظریں کیشپ کے چہرے کی طرف اُٹھیں۔اس کی نظروں سے ٹکرائیں اور اسی لمحے کسی مقناطیسی کشش نے میری نظروں کو مزید حرکت سے محروم کر دیا۔

''تمہیں نیند آ رہی ہے تم سو رہے ہو۔''جیسے میرے ذہن نے سنا یہی الفاظ بار بار دہرائے جاتے رہے۔مجھے محسوس ہوا کہ رفتہ رفتہ میرا ذہن اس آواز کی ترغیب پر عمل کرنے لگا ہے۔چند ہی لمحوں میں میرے ذہن پر مکمل طور سے نیند کا غبار چھا چکا تھا اور میں کچھ سوچنے سمجھنے کی قوت سے محروم ہو چکا تھا۔

تاریکی!

تاریکی!

تاریکی!

ذہن تاریک روح تاریک، ماحول تاریک، میں نے اپنے وجود کو تاریکیوں میں ڈوبتے محسوس کیا۔ بے رحم وقت نے تاریکیاں میرا مقدر کر دی تھیں سروش کی موت نے میرے لیے دنیا کو تاریک بنا دیا تھا۔ سروش کا وجود میرے مایوسیوں کے اندھیروں میں ایک روشن چراغ تھا لیکن اب اس چراغ کو بجھا دیا گیا تھا وہ میرا آخری سہارا تھی اور وہ سہارا مجھ سے چھین لیا گیا تھا۔!

تاریک ذہن میں ہلکی سی سرسراہٹ سے میں چونکا۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی میرے ذہن کو پڑھنا چاہتا ہے اور ظاہر تھا کہ سروش کے بعد صرف کیشپ کے پاس وہ قوت تھی کہ وہ اپنی ذہنی رو کے ذریعہ کسی کے ذہن تک پہنچ سکے۔ میرے لیے یہ مشکل نہیں تھا کہ میں اپنے ذہن پر سناٹا طاری کر لیتا اور اس کے بعد اپنے دماغ کے غیر مرئی دروازے بند کر لیتا اس طرح میں کیشپ کی ذہنی رو کو اپنے دماغ میں داخل نہ ہونے دیتا مگر اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ میرے ذہن میں اب کوئی ایسا راز نہیں تھا جو کیشپ کے علم میں نہ آ چکا ہو۔ یہ سوچ کر میں اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

''ارسلان!'' میرے ذہن میں کیشپ کی مانوس آواز گونجی۔

''میں سن رہا ہوں۔'' میں نے سوچا تا کہ کیشپ میرے خیالات پڑھ لے۔

''میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی اولاد کی طرح چاہا ہے۔'' کیشپ کا خیال میرے ذہن سے ٹکرایا۔ ''میں نے تمہاری خوشی کی خاطر اپنی سب سے قیمتی متاع تمہارے سپرد کر دی مگر تم نے اس کی بھی قدر نہ کی۔ تم ہمیشہ مجھ سے بچوں کی طرح ضد کرتے رہے میں نے ہر بار تمہاری خطاؤں سے درگزر کیا لیکن تمہاری سرکشی بڑھتی گئی۔ میں صرف سروش کی وجہ سے مجبور تھا کہ کیونکہ وہ تم سے محبت کرتی تھی وہ ہمیشہ تمہیں سزا دینے کے سلسلے میں تمہارے آڑے آتی رہی اور اب..... اب میں نے اپنی اس مجبوری کو بھی خود اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیا۔ اب مجھے تمہیں سزا دینے سے کوئی نہیں روک سکتا' مگر اس سے پہلے میں تمہیں ایک آخری موقع ضرور دینا چاہتا ہوں۔ اب جب کہ تمہاری یادداشت واپس آ چکی ہے اور تم سب کچھ جان چکے ہو تمہارے لیے کوئی بھی فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ صرف دو راستے ہیں ایک راستہ تو تمہاری اور میری دونوں ہی کی بھلائی کا راستہ ہے کہ تم راہِ راست پر آ جاؤ اور اپنی بے جا ضد چھوڑ کر میری محبتوں اور عنایتوں کی پناہ میں آ جاؤ۔ دوسرا راستہ تمہاری عبرتناک موت کی طرف جاتا ہے اور جان لو کہ یہ موت اتنی آسان نہ ہوگی۔ ایک ایسی ہولناک موت ہوگی جس کا تصور بھی تمہارے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ تم خوب سوچ سمجھ لو کہ تمہیں کس راہ کا انتخاب کرنا ہے۔ میں پھر تمہارے ذہن سے رابطہ قائم کروں گا۔'' اس کے بعد کیشپ کی آواز معدوم ہوگئی۔

کیشپ کی گفتگو نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا آخر اب وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا؟ مجھے گہری نیند آنے سے پہلے یہ تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ کالدیپی حکومت پر اب کیشپ قبضہ کر چکا ہے لیکن یہ سب کچھ کس طرح ہوا میں اس سے لاعلم تھا اور مجھے یہ بات بھی نہیں معلوم تھی کہ کالدیپ کے اصل سربراہ یعنی میرے چھوٹے بھائی خاقان پر کیا گزری؟ میرے ذہن میں بہت سے سوالات گردش کر رہے تھے جن کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ ان ہی میں سے کچھ سوال ایسے تھے جنہیں میں کوشش کے باوجود اپنے ذہن سے نہ جھٹک سکا۔ پہلا

سوال یہ تھا کہ کیشپ کو میری محل میں موجودگی کے بارے میں کس طرح علم ہوا۔ جب کہ میں نے یہ محسوس کرتے ہی اپنے ذہن پر سناٹا طاری کرلیا تھا کہ کیشپ میرے ذہن سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہوا کہ وہ محل تک میری تلاش میں آ پہنچا؟ دوسرا اہم سوال میرے سامنے یہ تھا کہ اس وقت میں کہاں ہوں؟ یہ تو میں کیشپ کی گفتگو سے اندازہ لگا ہی چکا تھا کہ میں اس وقت کیشپ کی قید میں ہوں مگر یہ قید خانہ کہاں ہے؟ کیا اس نے مجھے جزیرہ کاران ہی پر کہیں قید کررکھا ہے یا کسی قریبی غیر آباد جزیرے میں؟ ہر چند کے مجھے اب اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہورہی تھی لیکن اس کے باوجود میں اس قید سے فرار ہونا چاہتا تھا اور اس کا سبب خاقان تھا، خاقان..... میرا بھائی اور کالدیپ کا اصل سربراہ مجھے اس کی زندگی کے لیے بہرحال جدوجہد کرنی تھی۔ دوسرا سبب کیشپ سے انتقام لینا تھا جس نے میری زندگی کی سب سے قیمتی شے مجھ سے چھین لی تھی۔ میری زندگی میری سروش۔ جواب ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ گئی تھی۔

خاقان، سروش..... سروش اور خاقان..... میرے ذہن میں صرف دو نام بار بار چکراتے رہے۔ سوچتے سوچتے میرے ذہن میں اچانک ایک بھیانک خیال آیا جس نے میری روح کو لرزا دیا۔

''نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ نہیں ہوسکتا۔ خاقان زندہ ہے۔ وہ زندہ ہوگا، زندہ ہوگا۔'' میں آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

جس خیال نے مجھے تڑپا کے رکھ دیا تھا وہ یہ تھا کہ کہیں کیشپ نے خاقان کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیا ہو۔ اقتدار کیلئے ایسا ہونا کوئی ناممکن بھی نہیں تھا لیکن میرا خوفزدہ ذہن اس کو ممکن تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ سفاک وظالم کیشپ اپنی بیٹی کا قاتل کیشپ۔ کیا اس سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ اس نے خاقان کو زندہ رہنے دیا ہوگا؟ عقل اور دلائل کہتے تھے کہ نہیں مگر دل اور جذبات کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ ''خاقان زندہ ہے۔'' یہ دل ہی کا فیصلہ تھا اور میں نے بغیر کچھ سوچے یہ فیصلہ قبول کرلیا تھا۔ اس فیصلے کو قبول کرلینے کے بعد اب میرے سامنے دوسرا سوال یہ تھا کہ خاقان اگر زندہ ہے تو کہاں اور کس حال میں ہے۔؟

ہر سمت تاریکی سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ رات کا وقت ہے لیکن جب رات طویل سے طویل ہوتی چلی گئی تو میں فکرمند ہوا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے وقت گزرنے کا غلط اندازہ کیا ہو؟ اگر ایسا ہے تو پھر میری آنتوں میں اینٹھن کیوں ہورہی ہے؟ مجھے سخت بھوک کیوں لگ رہی ہے؟ لیٹے لیٹے میری پیٹھ تختہ ہوچکی تھی۔ میرے نیچے پیال بچھی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں جہاں کہیں بھی ہوں وہ کسی گھر یا محل کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور گہرے اندھیرے میں چاروں طرف نظریں گھمانے لگا۔ اس امید پر کہ شاید کہیں روشنی کی کوئی ننھی سی کرن دکھائی دے مگر مجھے مایوسی ہی کا شکار ہونا پڑا۔ میں بیٹھے بیٹھے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور محتاط قدم اُٹھاتا ہوا اندھیرے میں ایک طرف بڑھا تاکہ کم از کم یہ تو معلوم ہوسکے کہ میں کس جگہ قید ہوں۔ بغیر کچھ جانے ایک جگہ پڑے پڑے سوچتے رہنے سے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نہ جانے کتنی دیر اندھیرے میں آگے بڑھتا رہا۔ لیکن نہ تو کسی دیوار نے مجھے روکا اور نہ ہی میں کسی چیز سے ٹکرایا۔ اس صورتحال نے مجھے اور بھی خوفزدہ کردیا۔ میں ایک لامحدود اندھیرے اور تنہائی کا اسیر تھا۔ میں جس زمین پر چل کر آگے بڑھا تھا وہ مجھے چکنی اور سپاٹ محسوس ہوئی تھی۔ میں چلتے چلتے رک گیا۔ رکنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اندھیرا میرے لیے کسی بھی خطرے کو جنم دے سکتا

تھا۔ میرے قدم آگے بڑھتے بڑھتے مجھے کسی گہرائی میں بھی دھکیل سکتے تھے۔ لامحدود اندھیرا، اور تنہائی بھلا میں اس حال میں خاقان کے بارے میں کس طرح کچھ معلوم کرسکتا تھا۔ میرے دل پر اس خیال سے ایک اداسی سی چھاتی چلی گئی۔ کیشپ نے مجھے جہاں قید کیا تھا وہ جگہ ظاہر ہے ہر طرح سے محفوظ رہی ہوگی اور اس سے فرار ہو جانا میرے میرے بس میں نہ ہوگا کیشپ یقیناً اس طرف سے پوری طرح مطمئن ہوگا۔ خوف، تنہائی اندھیرے اور مایوسی نے مجھے اتنا بدحواس کر دیا تھا کہ مجھے فوری طور پر یہ بھی خیال نہ آیا کہ میں نے خود کو جس قدر بے بس اور مجبور سمجھ لیا ہے درحقیقت ایسا نہیں ہے اس وقت میرا ذہن کیشپ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کل میرے ذہن سے دوبارہ رابطہ قائم کر کے یہ معلوم کرے گا کہ آیا مجھے سسک سسک کر مرنا قبول ہے یا اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بننا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ خود میں بھی تو اپنے اندر اتنی قوت رکھتا ہوں کہ دوسرے کے ذہن پڑھ سکوں اور ان سے رابطہ قائم کرسکوں۔ دوسرے ہی لمحے میں خاقان کے بارے میں یکسوئی کے ساتھ سوچ رہا تھا میں اپنے ذہن کی قوتیں استعمال کر کے خاقان کے ذہن تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند لمحے بعد ہی میری ذہنی رو نے خاقان کے ذہن کو چھو لیا اور اسی کے ساتھ میں خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خاقان زندہ ہے لیکن خوشی کی اس لہر نے میرے ذہن کی یکسوئی کو اچانک ختم کر دیا اور میرا ذہنی رابطہ خاقان کے ذہن سے ختم ہو چکا تھا۔ اسی لمحے مجھے اپنے ذہن میں سرسراہٹ کا احساس ہوا۔ اب کوئی اور ذہنی رو میرے ذہن کو چھونے کی کوشش کر رہی تھی ایک ہی لمحے میں میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میں اپنے ذہن پر کیشپ کو قبضہ نہیں کرنے دوں گا کیوں کہ میں نے اب تک اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے کیشپ کو کیا جواب دینا ہے؟ میں نے اپنے ذہن پر سناٹا مسلط کر لیا اور پھر چند لمحوں بعد ہی میرا ذہن ہر بیرونی مداخلت سے محفوظ ہو چکا تھا۔ کئی بار میرے ذہن کو شدید جھٹکے محسوس ہوئے مگر میں اپنے ذہن پر سناٹا مسلط کر لیا اور پھر چند لمحوں بعد ہی میرا ذہن ہر بیرونی مداخلت سے محفوظ ہو چکا تھا۔ کئی بار میرے ذہن کو شدید جھٹکے محسوس ہوئے مگر میں اپنے ذہن کی پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی مدافعت کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ اب میرے ذہن تک پہنچنے کی کوشش ترک کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ اب میں کیشپ کے ردِعمل کے ساتھ ہی اس بارے میں سوچ رہا تھا کہ میں اسے کیا جواب دوں گا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایک بار ناکامی کے بعد کیشپ خاموش نہیں بیٹھے گا۔ وہ دوبارہ مجھ سے رابطہ قائم کرے گا اور ہوا بھی یہی۔ ابھی میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ پایا تھا کہ پھر میرا ذہن سرسراہٹیں محسوس کرنے لگا۔ ایک بار پھر وہی کشمکش شروع ہوگئی۔ لیکن کب تک؟ آخر میں کب تک اس طرح کیشپ کی ذہنی قوت کا مقابلہ کرتا رہتا۔ ایک تو میں جسمانی طور پر خود کو نڈھال نڈھال سا محسوس کر رہا تھا۔ دوسرے کئی بار اس ذہنی تجربے نے میرے ذہن کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔ آخری بار مجھے اپنے ذہن کی رگیں پھٹتی محسوس ہوئی تھیں۔ اپنے دشمن کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جانے سے میں مر جانا بہتر سمجھتا تھا۔ میرا ذہن کسی بھی قیمت پر کیشپ کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ کیشپ یہ جاننے کے بعد آگ بگولا ہو جائے گا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی میرے علم میں تھا کہ وہ فوری طور پر مجھے ختم نہیں کریگا۔ اس کا منتقمانہ مزاج یقیناً مجھے کچھ دن زندہ رہنے کی مہلت ضرور دے گا اور ان دنوں میں عین ممکن تھا کہ فرار کی کوئی راہ نکل آئی۔

اب میں اس بات کو بھی بخوبی سمجھ چکا تھا کہ کیشپ مجھے اپنے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کیوں بنانا چاہتا ہے۔؟ جب وہ صاحب اقتدار بن چکا ہے تو اُسے میری ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟ اس کی وجہ میری نظر میں صرف ایک تھی کہ کالدیپ کے عوام کسی بھی صورت کیشپ کو اپنا سربراہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اور وہ زیادہ عرصے عوام کی مرضی کے خلاف ان پر حکمرانی نہیں کر سکے گا کیوں کہ اس صورت میں عوام اس کے خلاف بغاوت بھی کر سکتے تھے۔ طاقت کے زور پر وہ زیادہ عرصے اپنے اقتدار کو برقرار نہیں رکھ سکتا تھا اور ان حالات میں تو ایسا قطعی ناممکن تھا جب کہ عوام اس سے نفرت کرتے تھے۔ کیشپ کے لیے حکمرانی کی صرف اور صرف ایک راہ یہی تھی کہ وہ مجھے اپنا آلۂ کار بنا لیتا اور میرے ذریعے حکومت کرتا۔ یقیناً یہی وجہ تھی کہ وہ مجھے رام کرنے کے لیے محبت اور نفرت دونوں کو بیک وقت استعمال کر رہا تھا کہ اگر میں محبت سے نہ مانوں تو اس کی نفرت اور موت کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر اپنی ضد چھوڑ دوں۔ کیشپ کے اقتدار کا سارا دارومدار میری ایک ہاں یا نہیں پر تھا۔ اگر میں اس کی بات مان لیتا تو ہر طرح اس کی جیت تھی اور نہ مانتا تو وہ میرے خلاف انتقامی کارروائی کرتا چاہے انجام کار اسے اقتدار سے ہاتھ دھو لینے پڑتے۔ میں جانتا تھا کہ اگر اسے یہ اندیشہ ہو گیا کہ اقتدار اس کے ہاتھ سے نکل جائیگا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیگا۔

قید سے باہر کی دنیا کے بارے میں کچھ جاننے کا ذریعہ میرے پاس صرف میری ذہنی قوت تھی۔ سب سے پہلے میں جو بات جاننا چاہتا تھا وہ یہ تھی کہ کیشپ اقتدار پر کس طرح قابض ہو گیا اور یہ بات جاننے کے لیے مجھے خاقان کے ذہن تک پہنچنا تھا۔ جب تک تمام حالات میرے علم میں نہ آ جاتے میرے لیے کسی فیصلے پر پہنچنا مشکل تھا۔ میں یہ تو معلوم کر ہی چکا تھا کہ خاقان زندہ ہے اس لیے میں نے یکسوئی ذہن کے ساتھ ایک بار پھر اس کے ذہن سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی بہت جلد میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اب میں خاقان کے ذہن کو پڑھ رہا تھا۔

خاقان اس وقت سخت ذہنی اذیت میں مبتلا تھا۔ وہ میرے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ میری طرف سے فکرمند تھا۔ خاقان اس ذہنی قوت کا مالک نہیں تھا جو میرے پاس تھی اس لیے میں صرف اس کے ذہن کو پڑھنے پر قادر تھا نہ میں اسے کوئی مشورہ دے سکتا تھا اور نہ ہی وہ مجھ سے ذہنی طور پر ہمکلام ہو سکتا تھا لیکن میرے لیے یہ بھی بہت تھا کہ میں اس کا ذہن پڑھ کر معلوم کر لوں کہ اس پر کیا گزری؟ اب میں خاقان کے ذہن کی یادیں ٹٹول رہا تھا۔ میں نے جو کچھ معلوم کیا اس کا حاصل یہ تھا کہ بس اچانک اسے اطلاع ملی تھی کہ کیشپ محل میں آ گیا ہے۔ ابھی وہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے کوئی تجویز سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا کیشپ سپہ سالار اعظم کیمرون کے ہمراہ اس کے کمرۂ خاص میں داخل ہوا۔ انہیں دونوں کے پیچھے فوج کے کچھ بڑے عہدیدار بھی تھے۔ کیمرون اور اس کے ساتھی مسلح تھے۔ کیشپ کے ہمراہ کیمرون اور دوسرے اعلیٰ فوجی افسران کو اس حالت میں دیکھ کر خاقان نے اندازہ لگایا کہ معاملہ سنگین نوعیت کا ہے اور عین ممکن ہے کہ ملک میں فوجی انقلاب آ چکا ہو۔ اس سے پہلے کہ خاقان کچھ کہتا اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اور گرفتاری کا یہ حکم کیشپ نے دیا تھا۔ خاقان کو محل ہی کے ایک قید خانے میں قید کر دیا گیا اس دوران اس نے کئی بار کیشپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی مگر اس کے محافظوں نے

اسے بتایا کہ کیشپ اس وقت اس سے نہیں مل سکتا کیونکہ وہ نئی حکومت کو مستحکم بنانے میں بے انتہا مصروف ہے۔ خاقان قید میں بھی میرے لیے سخت پریشان تھا۔ اس کے علم میں تھا کہ کیشپ مجھ سے سخت برہم ہے اس لیے اسے میری زندگی کی طرف سے بھی خطرہ تھا۔

سپہ سالار اعظم کیرون کیشپ کا عقیدت مند تھا لیکن یہ عقیدت اس حد تک بڑھ سکتی تھی کہ وہ سراسر مملکت کے خلاف اس سے مل جاتا؟..... یہ بات میرے لیے تعجب خیز ہو سکتی تھی اگر میں کیشپ کے بارے میں پوری طرح آگاہ نہ ہوتا۔ کیرون کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے یقیناً کیشپ نے اپنی ذہنی قوتیں استعمال کی ہونگی ورنہ جو کچھ ہوا اتنی آسانی سے نہ ہو جاتا۔

کالدپی عوام اپنے سربراہ خاقان سے محبت کرتے تھے کیوں کہ وہ ان پر نہ تو کبھی غیر ضروری بوجھ ڈالتا اور نہ ظلم وستم کا بازار گرم کرتا۔ وہ ایک مہربان اور انصاف پسند حکمران تھا اس لیے عوام خاقان کو عقیدت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن اس کے برخلاف کیشپ کے ظلم وستم اور اس کی ہوس کاریوں سے سبھی نالاں تھے۔ وہ کیشپ سے سخت نفرت کرتے تھے مگر اس کے خلاف زبان کھولنے کی ان میں ہمت نہیں تھی کیونکہ کیشپ کا تعلق براہ راست حکمراں سے تھا۔ حکومت میں اس کی جڑیں بہت گہری تھیں۔

موجودہ صورتِ حال میں میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیشپ کے برسر اقتدار آنے کے بعد عوام کا کیا ردِعمل ہے؟ انہوں نے کس طرح کیشپ کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیا؟ یہ جاننے کے لیے میں عام آدمیوں کے ذہن میں جھانک سکتا تھا کہ ان کی کیا سوچ ہے اور بیرونی حالات کیا ہیں؟ لیکن اس سے پہلے میں نے سپہ سالار اعظم کیرون کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گیا۔

کیرون سخت گھبرایا ہوا اور پریشان تھا۔ وہ اس وقت کیشپ سے ملنے جا رہا تھا جو اپنے محل میں نازک جسموں سے اپنے سربراہ ہونے کا خراج وصول کر رہا تھا۔ کیرون کے علم میں تھا کہ کیشپ اس وقت خلوت میں ہے لیکن اس کے پاس جو اہم اطلاع تھی وہ کیشپ تک پہنچانا اشد ضروری تھا اس لیے اس نے کیشپ کی وقتی برہمی گوارا کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اہم اطلاع یہ تھی کہ ایک قریبی جزیرے ساگون کے عوام نے کیشپ کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور بغاوت کر دی تھی۔ یہ بغاوت اتنی بھرپور اچانک تھی کہ جزیرے پر موجود فوج بے دست وپا ہو گئی تھی۔ ساگون پر عوام کا قبضہ ہو چکا تھا۔ کالدپی حکومت کا دارالسلطنت جزیرۂ کاران بھی سخت فوجی انتظامات ہونے کے باوجود خطرے کی حدود میں داخل ہو چکا تھا اور کیرون کو خطرہ تھا کہ وہاں کے عوام بھی کسی لمحے بغاوت پر آمادہ ہو سکتے تھے۔ حالانکہ ابھی کیشپ کی حکومت کو یہ دوسرا دن تھا۔ پوری کالدپی حکومت خانہ جنگی اور بغاوت کے دہانے پر کھڑی تھی۔ کیرون کا ذہن پڑھ کر ہی مجھے معلوم ہوا کہ اس خانہ جنگی اور بغاوت میں کچھ غیر ملکی ایجنٹوں کا ہاتھ بھی دکھائی دے رہا ہے یہ میرے لیے ایک نیک فال تھا کیونکہ میرے اندازے کے مطابق ان غیر ملکی ایجنٹوں کا تعلق برطانیہ سے ہو سکتا تھا۔ برطانوی حکومت جو میرے حق میں تھی۔ موجودہ ہنگامی حالات پر غور کرتے ہوئے میرے ذہنی یکسوئی ختم ہو گئی اور میرا ذہنی رابطہ کیرون سے منقطع ہو گیا اور اس کا ایک سبب میری جسمانی نقاہت تھی کیونکہ مجھے کچھ کھائے پیئے بغیر چوبیس گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے اور اس دوران میں نے اپنے ذہن سے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی کام لیا تھا اس لیے میرے دماغ کی نسیں بری طرح کھنچ رہی تھیں۔ موجودہ صورتِ حال نے میرے امکانات اور توقعات کے کئی دروازے

کھول دیئے تھے نڈھال ہونے کے باوجود میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سپہ سالار اعظم کیمرون کا ذہن پڑھنے کے بعد اب یہ ضروری نہیں رہا تھا کہ میں عوام کے ذہنوں کو پڑھنے کی کوشش کرتا۔ حالات میرے اندازے کے مطابق میرے حق میں کروٹ لے رہے تھے۔ اگر میں کسی طرح اس قید سے فرار ہو کر عوام تک پہنچ سکتا تو کیشپ کی خود ساختہ حکومت ایک آن بھی عوامی جدوجہد کے سامنے نہ ٹھہر سکتی اس کے علاوہ غیر ملکی ایجنٹوں کی مدد بھی میرے لیے سود مند ثابت ہو سکتی تھی میں اس سلسلے میں برطانوی حکومت سے بھی مدد حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن سب سے پہلا مسئلہ تو میری رہائی کا تھا اور اب میں مزید قید میں رہنے کے قابل بھی نہیں تھا اگر مجھے یہاں دو ایک دن اور اسی حالت میں گزر جاتے تو میں اپنی جسمانی نقاہت کے سبب کچھ بھی نہ کر پاتا۔ آخر کافی سوچ بچار کے بعد میں ایک فیصلے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ میں کیشپ کی بات مان لوں گا ہر چند کہ یہ فیصلہ میری انا کے خلاف تھا لیکن میرے پاس فی الحال اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ قید سے فوری رہائی کی واحد صورت یہی تھی یہ فیصلہ میرے دل کا فیصلہ نہیں دماغ کا فیصلہ تھا۔ میرے دل نے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا تھا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس قید سے نکلنے کے بعد کیشپ کے دام فریب سے نکلنے کی کوشش کروں جب میں قید سے باہر اور بظاہر ہی سہی برسر اقتدار ہوں گا تو بہت کچھ کر سکوں گا۔ وہاں پہنچ کر میں غیر ملکی ایجنٹوں سے بھی کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں اور ان کے ذریعے بھی کیشپ سے نبرد آزما ہونے کی راہ ہموار کر سکتا ہوں۔ ان حالات میں میں بخوبی سمجھ چکا تھا کہ میرے قید سے رہا ہوتے ہی اور کیشپ کی بات مانتے ہی کیشپ مجھے فوراً اقتدار سپرد کرے گا تاکہ ملک میں پھیلی ہوئی بغاوت ختم ہو جائے۔

اب صرف ایک مسئلہ میرے سامنے تھا کہ آیا کیشپ میرے اوپر اعتبار کرے گا بھی کہ نہیں؟ وہ میرے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجھ سے کوئی بات منوا لینا انتہائی مشکل کام ہے۔ جہاں میرے ذہن میں یہ اندیشہ تھا وہاں مجھے یہ بھی امید تھی کہ کیشپ فوراً وہی سب کچھ کرے گا جو میں نے سوچا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملک خانہ جنگی کی حد تک آ پہنچا تھا۔ عوام بغاوت کرنے لگے تھے اور یہ بغاوتیں شاہی خاندان کے حق میں تھیں۔ اس صورت میں جب کہ شاہی خاندان کا کوئی فرد برسر اقتدار آ جاتا۔ بغاوتیں ختم ہو سکتی تھیں۔ ان بغاوتوں کو روکنا کیشپ کے بس میں نہیں تھا اس لیے میری طرف سے رضامندی کے بارے میں جان کر اسے کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ہو گی اگر وقتی طور پر اسے میری طرف سے کچھ شک بھی ہو گا تو حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اپنے شک کو دبا دے گا کیونکہ یہی راستہ اس کے لیے بہتری کا تھا۔ دوسری صورت میں عوامی بغاوت کی کامیابی کے بعد اس کی لاش کسی بھی چوراہے پر لٹکی ہوئی نظر آ سکتی تھی جو بہر حال وہ کسی طرح نہیں چاہتا ہو گا۔ میں نے اب فیصلہ کیا تھا کہ اگر کیشپ نے مجھ سے ذہنی رابطہ استوار کرنے کی کوشش کی تو میں حارج نہیں ہوں گا۔ ان حالات میں توقع تھی کہ وہ گھبرا کر مجھ سے رابطہ قائم کرتا مگر کافی دیر انتظار کرنے کے باوجود جب میری توقع پوری نہ ہوئی تو میں فکرمند ہونے لگا۔ میں خود بھی اس سے رابطہ قائم کرنے پر قادر تھا مگر اس طرح میں اس کے شکوک و شبہات کو ہوا دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ یقیناً شک میں پڑ جاتا اور پھر مجھے استعمال کرنے کی بجائے وہ حالات سے نمٹنے کے لیے کوئی اور صورت تلاش کرتا خواہ وہ اس کے لیے تباہی کا سبب ہی کیوں نہ بنتی۔ پھر میرا کیا حشر ہوتا اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اب میرے لیے سوائے صبر کرنے کے اور کیشپ کے ذہنی رابطے کا انتظار کرنے کے اور کوئی صورت نہیں تھی۔ جسمانی نقاہت اور بھوک سے میری حالت رفتہ رفتہ خراب ہوتی جارہی تھی۔ اندھیرے اور تنہائی نے ایک بار پھر مجھے مایوسیوں کے عمیق غار میں دھکیل دیا۔ میں اپنی زندگی کی طرف سے مایوس ہونے لگا۔ اب میں اس بات سے پچھتا رہا تھا کہ میں نے جو نتیجہ اتنی دیر بعد اخذ کیا تھا پہلے کیوں نہ اس نتیجے تک پہنچ گیا۔ کہیں کیشپ میری طرف سے قطعی مایوس تو نہیں ہوگیا؟ ایسا ممکن بھی تھا میں نے ہر بار اپنے دماغ تک اس کی ذہنی رو کی رسائی میں مداخلت کی تھی۔ کاش میں ایسا نہ کرتا۔ میں نہ جانے کب تک انہی خیالات میں الجھا رہا اور مایوسیاں میرے گرد اپنا حلقہ تنگ کرتی رہیں۔ اسی کیفیت میں اونگھتے اور نڈھال ذہن سے میں نے محسوس کیا کہ میرے ذہن میں ایک ہلکی سی سرسراہٹ ہوئی مگر یہ میرا واہمہ بھی ہوسکتا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی بار میری خواہشات نے مجھے ایسا دھوکہ دیا تھا لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا مجھے اپنے سر میں شدید درد محسوس ہوا اور مسلسل ذہنی جھٹکوں نے میرے حواس کو پوری طرح بیدار کردیا۔

''ارسلان! ارسلان! کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔ میں بہت دیر سے تمہیں پکار رہا ہوں' بولو جواب دو۔'' میرے ڈوبتے ذہن میں کیشپ کی آواز گونج رہی تھی۔

''ہاں..... ہاں..... میں..... میں تمہاری آواز سن رہا ہوں بولو..... کیا چاہتے ہو تم مجھ سے؟'' میرے تھکے ہوئے ذہن نے بمشکل جواب دیا۔

''میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں ارسلان! اس سے پہلے بھی میں نے کئی بار تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر بار تم نے شاید اپنے ذہن کے غیر مرئی دروازے بند کردیے۔ اپنی قسمت سے لڑنے کی کوشش نہ کرو ارسلان اور میں نے جو کچھ کہا ہے اسے مان لو۔ مان لو کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے بولو! کیا کہتے ہو؟ کالدیپ کی سربراہی تمہارے منتظر ہے۔ اور اگر تم اب بھی اپنی ضد پر قائم رہے تو..... تو..... میں وہ الفاظ دوبارہ نہیں دہرانا چاہتا جو تمہاری روح کو اذیت میں مبتلا کردیں تم خود مجھ سے اچھی طرح واقف ہو۔ میں پہلے ہی تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ خاموش کیوں؟ بولو جواب دو۔''

میں چاہتا تھا کہ اس کی بات کو فوراً ہی تسلیم نہ کروں اس لیے میں نے کچھ دیر بعد کہا۔

''میں اب تمہاری بات پر ٹھنڈے دل سے فیصلہ کرنے اور سوچنے کے لیے تیار ہوں لیکن فی الحال میرا ذہن اور جسمانی حالت اس قابل نہیں کہ میں کسی نتیجے پر پہنچ سکوں تم نے مجھے بھوکا پیاسا رکھ کر مجھ پر ظلم کیا ہے۔ بہرحال پہلے تم میرے خورد و نوش کا انتظام کرو تاکہ میں اپنے حواس بجا ہونے کے بعد کوئی صحیح فیصلہ کرسکوں۔'' میں نے کیشپ کی بات کا جواب دیا حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ کبھی اس بات پر آمادہ نہیں ہوگا کیوں کہ اس کے علم میں تھا کہ مجھے وہ انتہائی مجبور و بے بس کرکے تو اپنا حکم ماننے پر مجبور کرسکتا ہے کسی اور صورت میں نہیں اس لیے وہ کبھی بھی مجھے سنبھلنے کا موقع دینے پر آمادہ نہ ہوگا اور وہی ہوا بھی۔

''تم مجھے بچہ سمجھتے ہو ارسلان! ایسا قطعی ناممکن ہے میں تمہیں سوچنے کے لیے کافی وقت دے چکا ہوں اور اب مزید وقت نہیں

دے سکتا۔تم اس عرصے میں سب کچھ سوچ چکے ہو گے۔تمہیں اسی وقت اپنا فیصلہ سنانا پڑے گا۔اور اسی حالت میں۔'' کیشپ کی سخت آواز گونجی۔

''کیشپ !تم میری مجبوری اور بے بسی سے کھیل رہے ہو حالانکہ تم خود کہہ چکے ہو کہ مجھے اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے ہو۔کیا اولاد کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے جو تمہارا میرے ساتھ ہے؟'' میں نے ایک اور کھیل کھیلا تا کہ وہ مجھے کچھ نرم پڑتے دیکھ کر میری بات میں دلچسپی لے۔

''ارسلان !میرے بچے وقت اور حالات سب کچھ کرا دیتے ہیں۔تم ٹھیک کہتے ہو کہ اولاد کے ساتھ یہ سلوک روا نہیں مگر.....مگر میں مجبور تھا۔میں مجبور ہوں۔آخر تم میری بات کیوں نہیں مان لیتے۔'' مجھے نرم ہوتے دیکھ کر میری توقع کے مطابق کیشپ نے محبت کا حربہ استعمال کیا اور میں نے دانستہ اس کی محبت کے فریب میں آنے کی اداکاری کی۔

''اگر تم اپنی بات منوانے کے لیے مجھ پر جبر نہ کرتے تو.....تو شاید میں اپنی ضد چھوڑ دیتا مگر تم نے.....''

''میں نادم ہوں میرے بچے! نادم ہوں۔'' کیشپ نے میری بات کاٹ کر کہا:''کیا تم اپنے بزرگ کی غلطی کو درگزر نہیں کرو گے؟'' کیشپ کے لہجے سے سراسر ریاکاری ٹپک رہی تھی مگر مجھے تو دانستہ فریب کھانا تھا۔

اتنی دیر تک ذہنی مشقت سے اب میرے اعصاب جواب دینے لگے تھے اور میرے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ اپنے ذہن کو مزید قابو میں رکھ سکوں مجھے اپنا ذہن بار بار ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔اس لیے میں نے جلدی سے کیشپ کی بات کا جواب دے دیا۔

''مجھے.....مجھے تمہاری بالادستی منظور ہے میں.....میں وہی کروں گا جو تم چاہو گے اور.....''اس کے بعد میرے ذہن نے جواب دے دیا اور میں نے اپنے وجود کو تاریکیوں میں ڈوبتے محسوس کیا۔

اقابلا

اقابلا.....تاریک اور پراسرار برِ اعظم افریقہ کے خوفناک جنگلوں میں آباد ایک غیر مہذب قبیلہ.....جو اقابلا نامی دیوی کے پجاری تھے۔بحری جہاز کی تباہی کے بعد مہذب دُنیا کے چند افراد اس قبیلے کے چنگل میں جا پھنسے۔ شوالا.....جنگلی قبیلے کا ایک سردار جسے دیوی اقابلا نے تمام حشرات الاراض کا مختار بنا دیا تھا۔ کالاری.....جنگلی قبیلے کا دوسرا سردار جس کی تمام درندوں پر حکمرانی تھی۔کیا مہذب انسانوں کی اس جنگلی خونخوار قبیلے سے واپسی ممکن ہو سکی؟ انور صدیقی کے جادوں بیاں قلم کی یہ طویل اور دلچسپ داستان آپ جلد ہی **کتاب گھر** کے **ایکشن ایڈونچر ناول** سیکشن میں پڑھ سکیں گے۔

جب میں تاریکیوں سے ابھرا تو خود کو روشنیوں میں پایا۔ میں نے بمشکل آنکھیں کھول کر اطراف کا جائزہ لیا۔ میری پہلی نظر شاہی طبیب پر پڑی۔ جو میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنی مسہری کے اردگرد بہت سے آشنا اور نا آشنا چہرے دیکھے۔ ان میں سپہ سالارِ اعظم کیمرون بھی تھا اور کیشپ بھی میں اس وقت محل میں تھا۔ محل کے اس حصے میں جو صرف خاقان ہی کے لیے مخصوص تھا۔ طبیب نے مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر دوا کا پیالہ میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔

کچھ دیر بعد ہی مجھے اپنے اعصاب پر سکون محسوس ہوئے اور ایک بار پھر میرے ذہن پر فرحت و سکون کے احساس سے غنودگی چھا رہی تھی۔ میں نہ جانے کب تک بے خبر پڑا رہا۔ دوبارہ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو پہلے سے بہتر حالت میں پایا۔ اب میں بول بھی سکتا تھا۔ اب میرے اردگرد صرف طبیب کیمرون اور کیشپ نظر آ رہے تھے۔

''اب کیا حال ہے میرے بچے!'' کیشپ کی محبت بھری آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''ٹھیک ہوں۔'' میں پہلی بار بولا۔ ''مجھے کچھ بھوک محسوس ہو رہی ہے۔''

طبیب نے قریبی میز پر رکھا ہوا ایک طلائی کٹورا اُٹھایا جس میں غالباً تازہ پھلوں کا رس تھا۔ اس نے پیالہ میرے ہونٹوں سے لگا دیا اور میں نے ایک ہی سانس میں پیالہ خالی کر دیا۔

''حضور کا معدہ ابھی اس قابل نہیں کچھ دیر تو توقف فرمائیں۔'' طبیب نے مودب لہجے میں کہا۔

جب میرے حواس اعتدال پر آنے لگے تو میرا ذہن ایک بار پھر ان حالات سے الجھ گیا جن سے میں نبرد آزما تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اب ملک کی صورتِ حال کیا ہے؟ اس کے علاوہ میں کیشپ سے بھی کچھ گفتگو کرنا چاہتا تھا جس کے لیے تخلیہ ضروری تھا۔ میں نے پہلے سے ہی گفتگو کرنا مناسب خیال کیا

''میں کچھ دیر کے لیے تخلیہ چاہتا ہوں۔'' میں نے کیشپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے کچھ اہم گفتگو کرنی ہے۔''

کیشپ کے اشارے پر کیمرون اور طبیب کمرے سے نکل گئے۔

''بولو! کیا بات ہے؟'' کیشپ ان دونوں کے جاتے ہی مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کے لہجے سے الجھن ظاہر ہو رہی تھی۔

''میں خاقان کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''اسے بھول جاؤ! ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ اب تم کالدیپ کے سربراہ ہو۔ اگر خاقان منظرِ عام پر آ گیا تو عوام کی رائے دو حصوں میں بٹ جائے گی۔ کچھ لوگ اسے تخت نشین دیکھنا چاہیں گے اور پھر ایک پیکار شروع ہو جائے گی اور میں یہ سب نہیں چاہتا۔'' کیشپ نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

''خاقان میرا بھائی ہے۔ اس کی اور میری رگوں میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے میں اسے ہرگز نہیں بھول سکتا۔ میں اقتدار کی خاطر اسے فراموش نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا ظلم برداشت کر سکتا ہوں۔'' میں نے بھی فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ ہر چند کہ میں

نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے باوجود میں جذباتی ہو گیا تھا کیونکہ خاقان سے مجھے ایسا ہی قلبی لگاؤ تھا۔

''خاقان پر کسی قسم کا ظلم و تشدد نہیں کیا جائے گا اور اس نظر بندی کے دوران اسے ہر طرح آرام میسر ہو گا۔ اس کی تمام آسائشوں کا پورا خیال رکھا جائے گا۔'' کیپٹ نے میرے تیور بھانپ کر مجھے مطمئن کرنے کے خیال سے کہا۔

''وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ میں جاننا ضرور چاہوں گا۔''

''یہ تمہارے لیے قطعی غیر ضروری ہے۔'' کیپٹ نے میری بات کا جواب دیا۔ اب اس کے لہجے میں پھر سختی آ گئی تھی۔ وہ چند لمحے رک کر پھر بولا: ''تمہیں صرف میرا اطمینان دلا دینا کافی ہے۔ خیر اس بات کو چھوڑو مجھے تم سے ایک اور ضروری گفتگو کرنی تھی۔'' یہ کہہ کر کیپٹ خاموش ہو گیا۔

میں کیپٹ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس دوران میرے ذہن میں ایک اور خیال جنم لے چکا تھا جو پہلے میرے ذہن ہی میں نہ آیا تھا ورنہ خاقان کے بارے میں مجھے کیپٹ سے کچھ دریافت کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کیونکہ میں اب خود خاقان کے بارے میں سب کچھ معلوم کر سکتا تھا۔

''خاقان اب ہمیشہ کے لیے کالدپی عوام کی نظروں سے دور ہو چکا ہے اور.....''

''کیا..... کیا؟؟'' ابھی تو کہہ رہے تھے کہ اسے نظر بند کیا جائے گا۔'' میں نے کیپٹ کی بات کا کوئی اور ہی مفہوم لیا اور اس کی بات کاٹ کر ایک دم درمیان میں بول پڑا۔

''جلدی نہ کرو۔ پوری بات سنو ارسلان! تمہیں برسر اقتدار لا کر میں مزید کسی جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا کیوں کہ اس وقت ملک کے حالات ٹھیک نہیں ہیں اور ان حالات کے پیش نظر میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہی مناسب اور بہتر ہے۔'' یہ کہہ کر کیپٹ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

مجھے کیپٹ کی خاموشی نے لبھا دیا۔ اس کی باتیں عجیب اور متضاد تھیں پہلے اس نے خاقان کے بارے میں ایسا ابہام آمیز جملہ کہا تھا کہ میں الجھ گیا تھا کہ انہیں اس دوران اس نے خاقان کو راستے سے تو نہیں ہٹا دیا۔؟ اور اب وہ میرے بارے میں ایسی باتیں کر رہا تھا۔ قید کے دوران اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے برسر اقتدار لانا چاہتا ہے اور حالات بھی ایسے تھے کہ میں نے اس کی بات پر یقین کر لیا تھا' اور اب وہ یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے برسر اقتدار لا کر وہ جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کہیں اس کا ارادہ بدل تو نہیں گیا؟ کہیں وہ کوئی اور کھیل تو نہیں کھیل رہا۔ میری الجھن غالباً اس سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔

''الجھو مت! میں ابھی سب کچھ تم پر واضح کر دوں گا۔'' کیپٹ نے کہا اور میرے قریب مسہری پر آ بیٹھا۔ اب وہ دھیمی آواز میں مجھ سے مخاطب تھا۔ ''تم میں اور خاقان میں اتنی مشابہت ہے کہ بہت کم لوگ تم دونوں میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ میں نے تمام لوگوں پر یہی ظاہر کیا کہ تم ارسلان نہیں خاقان ہو۔ سوائے کیمرون اور کچھ بڑے اعلیٰ فوجی حکام کے کوئی یہ نہیں جانتا کہ خاقان نظر بند ہے اور اس کی جگہ

اب تم نے لے لی ہے۔ میرے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ ارسلان کی حیثیت ہی سے تمہیں تخت پر بٹھا دیتا لیکن ایسا کرنے میں کچھ الجھنیں درپیش تھیں۔ پہلی الجھن تو یہ کہ آج کل ملک کے حالات بہت نازک ہیں عوام بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ تمہارے آنے کے بعد اب صورتِ حال کچھ بہتر ہوئی ہے جب تم ہوش میں آئے تھے تو تم نے یہاں کچھ اجنبی چہرے بھی دیکھے ہوں گے وہ عوامی نمائندے تھے جو خود تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اب وہ تمہیں دیکھ کر مطمئن ہو چکے ہیں۔ انہیں بھی یہی بتایا گیا تھا کہ تم خاقان ہو۔ اس صورت میں تمہاری تاجپوشی کوئی بھی ہنگامہ کھڑا کر سکتی ہے دوسرے یہ کہ لوگ خاقان کے بارے میں جاننے کی جستجو کریں گے کہ وہ کہاں گیا؟ اس طرح حالات الجھ سکتے ہیں۔ تمہارے بارے میں لوگوں کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تم سیاحت کی غرض سے بیرون ملک گئے ہوئے ہو۔ ان حالات میں میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ تم خاقان کا کردار ادا کرو گے اور خاقان نظر بند رہے گا۔ غالباً اب تم میری پوری بات اچھی طرح سمجھ چکے ہو گے۔'' کیشپ نے اپنی بات ختم ہوئے میری آنکھوں میں جھانکا۔

میں نے اس کی بات سن کر ایک ٹھنڈی سانس لی۔ کیشپ یقیناً ایک شیطانی ذہن کا مالک تھا اس نے مکمل اور بھرپور منصوبہ بنایا تھا کیشپ کی گفتگو کے بعد میری ذہنی الجھن ختم ہو چکی تھی۔ اس کی بات کے جواب میں ظاہر ہے کہ مجھے ہاں ہی کہنا تھا اور نہ صرف اس وقت مجھے اس کی ہر بات سے اتفاق کرنا تھا بلکہ جب تک حالات پوری طرح میرے قابو میں نہ آ جاتے۔ مجھے کیشپ کی ہر بات ماننی تھی۔ میرے علم میں تھا کہ میری حیثیت ایک ''شو بوائے'' کی سی ہے۔ تمام اختیارات کیشپ ہی کے ہاتھ میں رہیں گے۔ میرا کام صرف اس کے احکامات کی تعمیل ہو گا۔

محل میں آنے کے بعد سروش مجھے پہلے سے بھی کچھ زیادہ یاد آنے لگی تھی کیونکہ یہ وہی در و دیوار تھے جہاں کبھی اس کے لطیف جسم کی خوشبو مہکتی تھی کیشپ میرے پاس سے اُٹھ کر چلا گیا تو مجھے خاقان کا خیال آیا کیشپ نے مجھے بتایا تھا کہ میری اصل شخصیت کے بارے میں سپہ سالار کیمرون کو بھی معلوم ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا یقیناً اسے خاقان کے بارے میں علم ہو گا کہ اسے کہاں نظر بند رکھا گیا ہے۔ قید کے سلسلے میں خاقان کا ذہن پڑھنا بے حد سود تھا۔ مجھے یقین تھا کہ خاقان کو اب محل کے قید خانے سے کہیں اور منتقل کیا جا چکا ہو گا اور عین ممکن تھا کہ اس سلسلے میں خود خاقان کو بے خبر رکھا گیا ہو کہ وہ کہاں مقید ہے؟

میں اب اپنے لیے کوئی لائحہ عمل طے کرنا چاہتا تھا جس کے ذریعے میں کیشپ کی مضبوط گرفت سے آزاد ہو سکوں اور ساتھ ساتھ ہی خاقان کو بھی اس قید سے رہائی دلا سکوں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے میں نے یہ جاننا ضروری سمجھا کہ اس جگہ کے بارے میں پتا لگاؤں جہاں خاقان کو رکھا گیا ہے۔ تنہائی ملتے ہی میں نے اپنی ذہنی قوت کا سہارا لیا اور اس کے ذریعہ کیمرون کے ذہن تک جا پہنچا۔ اس وقت اس کے ذہن پر خوف کے سائے چھائے ہوئے تھے۔ وہ سخت پریشان اور ہراساں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کیشپ کے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کیوں کہ اس کا مطلب خود اس کی موت ہے اگر کبھی وہ راز کھل گیا تو اسے کوئی طاقت موت سے نہیں بچا پائے گی۔ وہ اتنا بڑا گناہ نہیں کر سکتا۔ کچھ بھی سہی مگر اسے نمک حرامی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیمرون اس وقت جو کچھ سوچ رہا تھا اس کی

سبب دریافت کرنے کے لیے میں نے اس کے ذہن کو ٹٹولا کہ آخر کیشپ نے اسے کون سا ایسا حکم دیا ہے جس سے وہ اس قدر خوفزدہ ہے؟ وہ کیشپ کی حکم عدولی پر کیوں مجبور ہو رہا ہے؟ میرے علم میں تھا کہ وہ کیشپ کے ساتھ مل گیا ہے اور ملاپ میں بڑی حد تک اس عقیدت کے علاوہ کیشپ کی ذہنی قوتوں کا دخل ہے۔ پھر ایسی کیا بات ہوگئی کہ اب وہ ان تمام باتوں کے باوجود کیشپ سے سرکشی کرنا چاہتا تھا؟ میرے اس سوال کے جواب میں مجھے جو کچھ اس کے ذہن سے معلوم ہوا اسے جان کر میرا خون کھول اٹھا۔ کیشپ اس حد تک جا سکتا تھا یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اتنا بھیانک اور خطرناک کھیل کھیل رہا تھا کہ جس نے میری روح تک کو لرزا دیا تھا کیشپ نے سپہ سالار اعظم کیمرون کو حکم دیا تھا کہ خاقان کو قتل کر دیا جائے۔ غالباً وہ ہمیشہ کے لیے اس کانٹے کو اپنی راہ سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔ ظاہر تھا کہ خاقان کے بعد خاندان شاہی میں، میں ہی تخت پر بیٹھ سکتا تھا اور مجھے وہ اپنے قابو میں کر چکا تھا۔ کیشپ اقتدار پر قبضہ کرنے کی سازش میں کامیاب ہو چکا تھا اور اب وہ اس سازش کی جڑوں کو خاقان کے قتل سے اور بھی مستحکم کرنا چاہتا تھا لیکن یہ بات میرے حق میں تھی کیمرون اس فیصلے کے حق میں نہیں تھا کہ خاقان کو قتل کر دیا جائے۔ غالباً ابھی اس کے خون میں خاندان شاہی کا احترام باقی تھا۔ میں واقف تھا کہ کیشپ کسی بھی طرح کیمرون کی خفگی مول نہیں لے سکتا تھا کیوں کہ اس کے ذریعے وہ کالدیپ کی افواج کو اپنے قابو میں کیے ہوئے تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں اس بات سے بھی بخوبی واقف تھا کہ کیشپ اپنی بات منوانے پر بھی قادر ہے وہ کسی نہ کسی طرح کیمرون سے اپنا مقصد پورا کر سکتا تھا اور کیشپ کی کامیابی کا مطلب انتہائی ہولناک تھا مجھے کیمرون کا ذہن پڑھ کر ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ خاقان کو محل کے تہہ خانوں سے نکال کر جزیرہ دیبال روانہ کیا جا چکا ہے تاکہ وہاں خاموشی کے ساتھ اسے ٹھکانے لگا دیا جائے اور کیشپ مجھے اسی غلط فہمی میں مبتلا رکھے کہ خاقان نظر بند ہے اور زندہ ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

میں اضطراب و بے چینی کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا کہ خاقان کا خادم خاص کمرے میں داخل ہوا اور اس نے میرے بالکل قریب پہنچ کر اپنے لباس میں ہاتھ ڈالا اور ایک لفافہ میرے ہاتھ میں دے کر الٹے قدموں کمرے سے نکل گیا۔ ہر چند کہ جب وہ میرے اس قدر قریب آیا تھا تو میری پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں تھیں کیوں کہ اس کا اتنے نزدیک آنا شاہی آداب کے خلاف تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ کہتا اس نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ میری طرف بڑھا دیا تھا۔ میں اب معاملے کی نوعیت کو سمجھ چکا تھا۔ یقیناً وہ خادم لفافہ دینے کے لیے میرے اس قدر قریب آیا تھا تاکہ اگر اس وقت کمرے میں کوئی اور شخص داخل ہو تو اسے لفافہ دیتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ یہ کسی کی طرف سے میرے لیے کوئی خفیہ پیغام تھا۔ میں نے جلدی سے لفافہ چاک کیا اور جوں جوں میری نظریں لفافے میں موجود پیغام پر پڑتی گئیں میری آنکھوں میں روشنی آتی گئی۔ پیغام یہ تھا۔

”یار عزیز! زندہ سلامت رہو!

جب ہم اور تم آخری بار ملے تھے تو کیشپ تم میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ مجھے فرار کا موقع مل گیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ تمہارا دوست ہونے کے سبب وہ مجھے بھی نہیں بخشے گا۔ میں نے فرار کے بعد بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ معلوم کر سکوں کہ تم اور خاقان کہاں ہو؟ تمہیں

کہاں رکھا گیا ہے مگر میں معلوم نہ کر پایا۔ ہر چند کہ محل میں ہمارے خاصے ہمدرد موجود تھے اور موجود ہیں مگر ان کے علم میں بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں آیا۔ کیشپ نے جیسے ہی اپنے اقتدار میں آنے کا اعلان کیا عوام میں بے چینی پھیل گئی اور پھر اسی دن چند اجنبی غیر ملکی مجھ سے ملے جنہیں میں نے جزیرہ کاران میں خفیہ طور پر عوام میں اسلحہ تقسیم کرتے دیکھا میں نے محسوس کیا کہ وہ غیر ملکی کیشپ کی حکومت کے خلاف تھے اس کا لازمی نتیجہ یہی نکالا جا سکتا تھا کہ وہ لوگ شاہی خاندان کے حق میں تھے۔ وہ عوام کے ذریعے حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کرانا چاہتے تھے اور خود عوام بھی کیشپ کے خلاف تھے۔ پھر میرے علم میں آیا کہ جزیرہ ساگون پر بھی عوام حکومت کے خلاف بغاوت کر چکے ہیں اور وہاں بھی چند غیر ملکیوں نے عوام کو اسلحہ فراہم کیا تھا۔ غیر ملکیوں میں میری دلچسپی بڑھ گئی اور جب انہیں میں نے اپنے بارے میں بتایا تو انہوں نے بھی مجھ میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ شاہی محل میں بھی ہمارے آدمی موجود ہیں۔ مختصراً یہ کہ ہمیں شاہی محل کی ایک اطلاع ملتی رہی۔ غیر ملکی بھی محل پر نظر رکھے ہوئے تھے ایک رات انہیں میں سے ایک نے مجھے اطلاع دی کہ محل سے کسی شخص کو خفیہ طور پر کہیں منتقل کیا جا رہا ہے۔ ہم لوگوں نے تعاقب کیا اور جزیرہ دیبال تک جا پہنچے وہ شخص خاقان تھا جسے دیبال کی ایک خفیہ عمارت میں منتقل کیا گیا ہے۔ وہ عمارت براہِ راست فوج کے قبضے میں ہے تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ان فوجیوں کے علم میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان کے سپرد جس شخص کی نگرانی کی گئی ہے وہ کالدیپ کا سربراہ ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ جس فوجی افسر کے سپرد اس عمارت کی نگرانی تھی وہ میرا شناسا تھا اس وقت تک خود میں بھی مشکوک تھا کہ عمارت میں کسے منتقل کیا گیا ہے تمہیں یا خاقان کو؟ میں اس فوجی افسر سے ملا اور اس سے اپنے شک کا اظہار کیا۔ وہ حالات سن کر حیران رہ گیا۔ وہ ذاتی طور پر بھی کیشپ کے خلاف تھا لیکن سپہ سالار اعظم کیمرون کا وفادار تھا اور اس سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا ہم نے صرف اس سے اتنی مدد چاہی کہ ہمیں صرف یہ معلوم ہو جائے کہ وہ قیدی کون ہے؟ وہ خود بھی یہ راز جاننے کے لیے بے چین تھا کیوں کہ خود کیمرون اس قیدی کو لے کر وہاں تک آیا تھا اور اس کے کچھ خاص الخاص آدمی بھی اس قیدی کے ہمراہ آئے تھے تاکہ اس کی نگرانی اور خورد و نوش کے انتظامات خود سنبھال سکیں اور اس قیدی پر کسی دوسرے کی نظر نہ پڑ سکے۔ بہرحال کسی طرح اس فوجی افسر نے ہمیں یہ اطلاع فراہم کر دی کہ وہ قیدی خاقان ہے لیکن اس کے باوجود میری تسلی نہ ہوئی کیوں کہ میں جانتا تھا کہ بہت کم لوگ تم میں اور خاقان میں امتیاز کر سکتے ہیں میں نے بمشکل اس فوجی افسر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک نظر مجھے بھی قیدی کو دکھا دے خاقان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مجھے یقین ہوا کہ وہ تم نہیں ہو۔ پھر جب کیشپ نے اعلان کیا کہ خاقان کی علالت کے سبب وقتی طور پر اس نے اقتدار سنبھال لیا تھا اور خاقان محل ہی میں موجود ہے اور اسے اب کیشپ دوبارہ اقتدار سپرد کر چکا ہے اس لیے عوام کو چاہیے کہ وہ اپنی بغاوت ختم کر دیں۔ ہم لوگ یہ اعلان سن کر حیرت میں رہ گئے اور ہم نے عوامی نمائندوں کے ذریعے مطالبہ کیا کہ عوام کے نمائندے خود اپنی آنکھوں سے خاقان کو دیکھیں گے اس کے بعد ہتھیار رکھ دیں گے۔ ان عوامی نمائندوں میں خود میں بھی شامل ہو گیا۔ ایک غیر ملکی نے مجھے حیرت انگیز طور پر نوجوان سے ادھیڑ عمر بنا دیا تھا۔ اس نے میرے چہرے پر نہ جانے کیا کیا لگایا تھا اور پھر جب میں نے آئینہ دیکھا تو خود بھی اپنی صورت دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ میں نے خود تمہیں اپنی آنکھوں سے ہوش میں آتے دیکھا۔ اس کے بعد ہم

سب کچھ سمجھ گئے کیشپ خاقان کو قید میں رکھ کر تمہیں خاقان ظاہر کر رہا تھا اور غالباً اس نے تمہیں کسی طرح اس بات پر مجبور کر دیا ہوگا میرے غیر ملکی دوست بھی یہ سب جان چکے ہیں۔ اب میرا اور ان غیر ملکی دوستوں کا ارادہ یہ ہے کہ کسی طرح خاقان کو دیبال سے اغوا کر کے کسی محفوظ جگہ چھپا دیا جائے کیوں کہ اس کی زندگی بہر حال وہاں خطرے میں ہے۔ کیشپ اور کیمرون کے علاوہ تم پر بھی ہمارے آدمیوں کی پوری نظر ہے۔ تم کسی طرح نہ گھبرانا یہ سب میں نے تمہیں اس لیے تحریر کیا ہے تا کہ تم حالات سے باخبر رہ سکو اور خاقان کے بارے میں فکر مند نہ ہو حالات بہت جلد ہمارے حق میں ہوں گے دوست اگر تمہاری زندگی کے لیے ذرا سا بھی خطرہ میں نے محسوس کیا تو تم دیکھو گے کہ تم پر نثار ہونے والا پہلا شخص احمر ہوگا۔ اگر تم مجھ تک کوئی اہم پیغام پہنچانا چاہتے ہو تو جس خادم نے تمہیں یہ خط دیا ہے تم اسے پیغام دے سکتے ہو وہ ہم تک پہنچ جائے گا محل میں موجود اپنے جاسوسوں کی اطلاعات سے مجھے شک سا ہوا ہے کہ سروش ابھی زندہ ہے مری نہیں ۔ بہر حال تفتیش جاری ہے۔ باقی آئندہ۔

فقط تمہارا احمر

احمر کے پیغام نے میرے ذہن میں روشنی کر دی تھی۔ غیر ملکی افراد کے بارے میں میں نے اندازہ لگایا تھا کہ ان کا تعلق یقیناً برطانیہ سے ہوگا۔ برطانیہ جو کالدیپ کی شاہی حکومت کا حامی اور دوست ہے۔ یہ خبر میرے لیے بڑی دلخوش کن تھی کہ احمر غیر ملکی ایجنٹوں کی مدد کے ذریعہ خاقان کو رہا کرانے والا تھا اس نے یقیناً ذہانت اور سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا تھا۔ میں اب یہ سوچ رہا تھا کہ کاش سپہ سالار اعظم کیمرون کا ارادہ بدلنے سے پہلے احمر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ میں امید و ناامیدی کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ جب احمر اس تک کامیاب ہو سکتا ہے کہ خود خاقان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اسے وہاں سے اغوا بھی کرا لے مگر فوج کی نگرانی کے باوجود کسی شخص کو اس طرح اغوا کر لے جانا آسان بات نہیں تھی۔ اس لیے جہاں مجھے کچھ امید بندھتی تھی وہیں ناامیدی کے خیالات بھی مجھ پر مسلط ہو جاتے تھے۔

میں اس بات سے بھی واقف تھا کہ سپہ سالار اعظم کیمرون اور چند بڑے فوجی افسران کے علاوہ کیشپ کا نچلے عہدوں کے فوجی افسران پر کوئی اثر نہیں وہ سبھی شاہی حکومت کے وفادار و جاں نثار ہیں اس لیے اگر کبھی ایسا موقع درپیش ہوا کہ کیشپ کے خلاف عام بغاوت ہوئی تو تمام نچلے عہدوں کے فوجی افسران اور عام فوجی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ معاملہ صرف چند بڑے فوجی افسران کا تھا اگر کسی طرح ان پر قابو پا لیا جاتا تو راستہ بالکل صاف تھا۔ کیشپ اس کے بعد بالکل بے دست و پا ہو سکتا تھا میں نے کافی دیر حالات پر سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ احمر کو اس کے پیغام کا جواب دوں تا کہ میں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس سے احمر اور غیر ملکی ایجنٹ بھی باخبر ہو سکیں اور اس کے بعد انہیں اپنا لائحہ عمل بنانے میں آسانی ہو۔ میں نے اسے لکھا۔

''احمر!

تمہارا پیغام میرے لیے اندھیرے میں روشنی بن کر آیا۔تم نے موجودہ حالات میں جو قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا ہے وہ قطعی درست ہے بلکہ اس کی فوری ضرورت ہے۔ میں نے معلوم کرلیا ہے کہ کیشپ سپہ سالار اعظم کیمرون کو یہ حکم دے چکا ہے کہ خاقان کو قتل کر دیا جائے لیکن غالباً کیمرون کا خون ابھی اتنا سفید نہیں ہوا تھا۔ وہ ابھی تذبذب کے عالم میں ہے لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب اسے کیشپ کے حکم کی تعمیل کرنی پڑے۔ کیشپ نے جو چال چلی ہے اس سے تم بھی واقف ہو چکے ہو۔ وہ خاقان کو ختم کر کے مجھے اس کی جگہ دینا چاہتا ہے اسی لیے اس نے یہ اعلان جاری کیا تھا کہ خاقان زندہ سلامت محل میں موجود ہے۔ وہ میری اور خاقان کی شباہت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ اس طرح میرے ذریعے کالدیپ پر حکومت کے خواب دیکھ رہا ہے۔ بظاہر وہ مجھے سامنے رکھنا چاہتا ہے تاکہ عوام مطمئن رہیں مگر سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے۔ موجودہ صورت میں کیشپ اور کیمرون کے گٹھ جوڑ کے بعد میری حیثیت ایک کٹھ پتلی کی سی ہے خاقان کا قتل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ یہ صورتِ حال مستحکم ہو جائے اس لیے تم فوراً اپنے منصوبے پر عمل کرو اور خاقان کو کسی بھی طرح وہاں سے رہا کرالو۔ اس کی جان وہاں خطرے میں ہے۔ اس کے علاوہ میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ بھی تمہیں لکھ رہا ہوں۔ میرے اندازے کے مطابق اگر سپہ سالار اعظم کیمرون اور اس کے ساتھی چند اعلیٰ فوجی افسروں پر کسی طرح قابو پالیا جائے تو کیشپ کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ وہ بالکل تنہا رہ جائے گا۔ کیونکہ جہاں تک میرا اندازہ ہے نچلے عہدوں کے تمام فوجی افسران اور عام فوجی شاہی حکومت کے جاں نثار اور وفادار ہیں۔ جب انہیں اپنے افسران اعلیٰ کے بارے میں یہ علم ہوگا کہ وہ شاہی خاندان کے خلاف سازش میں مصروف ہیں تو وہ ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور وہی کریں گے جو تختِ شاہی کا مالک ان سے کہے گا بہرحال یہ میرا اندازہ ہے جو ممکن ہے کہ درست نہ ہو تم اور تمہارے دوست اس پر غور کرنے کے بعد مناسب لائحہ عمل مرتب کر سکتے ہو۔ یہ خیال رکھنا کہ تم اور تمہارے دوست کسی طرح کیمرون اور اس کے ساتھیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ سروش کے سلسلے میں بھی اپنے آدمیوں کے ذریعہ معلومات کراؤ۔ ویسے یہ خبر میرے لیے حیرت انگیز ہے۔

تمہارا ارسلان۔

میں نے خط لکھ کر ایک لفافے میں بند کیا اور اسی خادم کو طلب کر کے لفافہ اس کے سپرد کر دیا جو مجھ تک احمر کا پیغام لے کر آیا تھا۔ وہ خادم مجھ سے لفافہ لے کر رخصت ہو گیا۔ احمر نے سروش کے بارے میں بھی مختصراً اپنے خط میں لکھا تھا بڑی عجیب اور ناقابل یقین سی بات۔ بھلا یہ کس طرح ممکن تھا؟ اس کی لاش تو خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ پھر اگر یہ اطلاع درست ہوتی تو اب تک سروش اپنی ذہنی قوت کے ذریعہ مجھ سے رابطہ قائم کر چکی ہوتی۔ یہ تمام باتیں سوچنے کے باوجود بھی نہ جانے دل نہیں تسلیم کرنے پر کیوں تیار نہیں تھا اور پھر دل ہی کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اپنی ذہنی قوت کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ میں کافی دیر اپنے ذہن کی تمام تر قوتوں کے ساتھ سروش کے ذہن سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر ناکامی شاید میرا مقدر ہو چکی تھی۔ سروش کے ذہن تک میں نہ پہنچ سکا۔ اس کے بعد مجھ پر مایوسی چھا

گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیا اسباب تھے جن کو دیکھ کر محل میں موجود لوگوں کو شک ہوا کہ سروش زندہ ہے۔ یہ بات بے سبب تو نہیں ہو سکتی تھی۔

رات جب میں سونے کے لیے بستر پر دراز ہوا تو ایک بار پھر میرے ذہن میں سروش کا خیال چکرانے لگا۔ نہ جانے کیا سوچ کر اور نہ جانے کیوں میرا جی چاہا کہ میں سروش کے ذہن تک پہنچنے کے لیے ایک آخری کوشش اور کر لوں چند لمحوں بعد ہی میرا جسم ایک دم اچھل پڑا۔ میری ذہنی رو سروش کی ذہنی سطح سے ٹکرا رہی تھی۔

''سروش! سروش! سروش'' میرے ذہن نے جیسے گردان کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ سروش کے پاس بھی وہ ذہنی قوت موجود ہے جو میرے پاس ہے اور وہ میری بات کا جواب دینے کی بھی اہل ہے۔

''ارسلان!'' سروش کا جواب پا کر مجھے جیسے نئی زندگی مل گئی۔

''تم..... تم کہاں ہو سروش! کہاں ہو؟.....'' میں نے بے تابی کے ساتھ پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر قبل محل ہی کے کچھ افراد مجھ تک پہنچے ہیں کیونکہ اس وقت بابا اپنی خلوت میں جا چکے ہیں۔ میں بابا کی نجی عبادت گاہ میں ہوں ان لوگوں نے مجھے یہاں بے ہوشی کی حالت میں پایا تھا اور وہی لوگ مجھے ہوش میں بھی لائے تھے۔ ان لوگوں کو مجھ تک پہنچنے کے لیے اپنے دو ساتھیوں سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں کیونکہ بابا کے خاص شاگرد میری نگرانی پر متعین تھے۔ ان لوگوں نے بابا کے شاگردوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔'' سروش نے مجھے پوری طرح صورت سے آگاہ کر دیا۔

''لیکن سروش یہ کس طرح ہو گیا..... میں نے تو..... میں نے خود اپنی آنکھوں سے تمہاری لاش دیکھی تھی۔ تمہارے سینے میں دستے تک خنجر پیوست تھا اور تمہارے سینے سے خون ابل رہا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اس سے سوال کر ہی دیا۔

''تم بابا کو جانتے ہوئے بھی ایسا سوال کر رہے ہو۔ وہ بابا کی کوئی کرتب بازی رہی ہو گی ورنہ ظاہر ہے کہ میں کس طرح زندہ ہوتی۔ بابا میری موت کا ڈھونگ رچا کر تمہیں متاثر کرنا چاہتے ہوں گے۔ مجھے تو بس اتنا یاد ہے کہ بابا نے مجھے کوئی مشروب پینے کے لیے دیا تھا جس کے بعد میں نے اپنا ذہن ڈوبتا محسوس کیا۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے نہیں معلوم۔ غالباً اس وقت سے اب تک بابا نے مجھے بے ہوش رکھا تھا تاکہ تم مجھ سے یا میں تم سے ذہنی رابطہ قائم نہ کر سکوں۔ میں بابا کو آخری بار سمجھانے گئی تھی کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میں نے ان سے جو کچھ کہا ہے وہ اسی پر عمل کریں گے پھر انہوں نے مجھے بڑے خلوص و محبت کے ساتھ مشروب پینے کو دیا تھا جسے پی کر میں بے ہوش ہو گئی۔'' سروش نے اپنے اوپر گزری ہوئی کیفیت سے مجھے آگاہ کیا۔

میں سروش کو اس وقت تمام حالات سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے اس سے کہا کہ وہ ان لوگوں پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کر سکتی ہے جو اس تک پہنچ چکے ہیں۔ وہ لوگ سروش جو کہیں وہ اس پر عمل کرے اور اگر ضرورت پڑے تو مجھ سے ذہنی رابطہ قائم کر کے مشورہ کر لے۔ کیونکہ جو صورت حال پیدا ہو چکی تھی اس سے وہی لوگ بہتر طور پر نمٹ سکتے تھے۔ صبح تک یقیناً کیپٹن کے علم میں سب کچھ آ جاتا کہ

کچھ لوگ اس کی ذاتی عبادت گاہ تک پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے اس کے شاگردوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہے اس کے بعد معاملات بگڑنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ سروش کا اب وہاں رہنا کسی طرح سود مند نہیں تھا ان حالات میں اسے وہاں سے ہٹا کر کسی محفوظ مقام تک پہنچانا ضروری تھا۔ وہ لوگ جو اس تک پہنچے تھے یقیناً وہ بھی اس نتیجے تک پہنچے ہوں گے مجھے یقین تھا کہ وہ سروش کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دیں گے اور کچھ دیر بعد ہی میرے اس خیال کی تائید بھی ہو گئی۔ سروش نے مجھ سے ذہنی رابطہ قائم کر کے بتایا کہ اسے محل سے نکال کر ان لوگوں نے احمر کے پاس پہنچا دیا ہے۔ میں یہ معلوم ہونے کے بعد مطمئن ہو گیا۔ سروش ہی سے مجھے معلوم ہوا کہ جہاں اسے پہنچایا گیا ہے اس بڑے مکان میں اس نے بہت سے فوجی افسران کو دیکھا ہے اور چند غیر ملکی بھی وہاں موجود ہیں۔ اسے اسی مکان کے ایک اندرونی کمرے میں پہنچا دیا گیا ہے اور احمر صرف اس سے یہ کہہ کر رخصت ہو گیا ہے کہ وہ ایک انتہائی اہم میٹنگ میں مصروف ہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ سروش سے مفصل گفتگو کرے گا۔

سروش سے یہ معلوم ہونے کے بعد ایک دم بستر سے اُٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ جو کچھ ہونے والا تھا اسکے بارے میں میں کچھ قیاسات لگا رہا تھا فوجی افسران کا اجتماع اور اس میں احمر اور اسکے غیر ملکی دوستوں کی شرکت۔ یہ بات بڑی معنی خیز تھی۔ اس کا واضح مقصد یہ تھا کہ احمر اور اسکے غیر ملکی دوستوں نے میری رائے سے مکمل اتفاق کیا تھا اور میرا خط ملتے ہی انہوں نے کام شروع کر دیا تھا۔

نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ مجھے خاقان کے بارے میں جاننے کی بے چینی تھی کہ آیا احمر اور اس کے ساتھیوں نے اسے رہا کرا لیا کہ نہیں؟ اس بات کو جاننے کے لیے میرے پاس صرف ایک ہی صورت تھی کہ میں احمر کے ذہن کو پڑھتا مگر ابھی میں کچھ دیر دانستہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اہم فوجی میٹنگ بھی ہو جائے اور میں اس میں کیے جانے والے فیصلوں سے بھی آگاہ ہو سکوں۔

میں اس شب کے بطن سے جنم لینے والے ہنگاموں سے بے خبر اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا۔

میرا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ یہ لمحات بڑے فیصلہ کن تھے۔ حالات کوئی بھی رخ اختیار کر سکتے تھے جن کے نتائج میرے حق میں بھی ہو سکتے تھے اور میرے خلاف بھی۔ اگر کسی طرح کیپٹ قبل از وقت اس متوقع فوجی بغاوت سے آگاہ ہو جاتا تو یہ بھی امکانات تھے کہ یہ بغاوت کامیابی سے ہمکنار نہ ہو پاتی۔ کیپٹ کی ذہنی صلاحیتوں سے میں بخوبی واقف تھا۔ وہ کوئی معمولی ذہن رکھنے والا شخص ہرگز نہیں تھا اگر ایسا ہوتا تو حالات کبھی یہ رُخ اختیار نہ کر پاتے کہ کالدیپ کے تخت کے مالک و مختار اس کے ہاتھوں میں کھلونا بننے پر مجبور ہو جاتے ہیں اگر میرے دل کو اطمینان تھا تو صرف یہ کہ اس وقت کیپٹ قطعی غافل تھا اور اس کی اس غفلت سے فائدہ اُٹھانا تھا۔

میرے وجود میں ایک پیکار جاری تھی۔ ایک اضطراب، ایک بے چینی ایک بے سکونی میری روح پر مسلط تھی اور اسی کیفیت کے سبب میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے نہ جانے مجھے کتنا وقت گزر گیا کہ اچانک میری سماعت سے ایک دھماکے کی آواز ٹکرائی اور میرے قدم خود بہ خود رک گئے۔ وہ فیصلہ کن لمحہ آ پہنچا تھا جس کا میں منتظر تھا۔ یہ دھماکہ کہیں قریب ہی سنائی دیا تھا۔ پھر پے در پے دھماکوں سے محل کے در و دیوار گونجنے لگے۔ آخر یہ ایک دم کیا ہوا؟ میں سوچنے لگا۔ مجھے تو اندازہ تھا کہ باغی فوجیں محل پر قابض ہونے کے لیے خون خرابہ نہیں

کرینگی۔لیکن اب دھماکوں کے سبب میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ کسی بھی وقت ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے کیپٹ نے پہلے ہی سے انتظامات کر لیے ہوں گے کیونکہ اسے بہرحال عوام کی طرف سے خطرہ لاحق تھا۔باغی فوجوں کو یقیناً محل میں داخل ہونے سے روکا گیا ہوگا۔ اس کا واضح مقصد یہ تھا کہ محل میں کیپٹ کے حامی کافی بڑی تعداد میں موجود تھے جو فوج سے مقابلہ کرنے پر بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔یہ صورتِ حال میرے لیے اطمینان بخش ہرگز نہیں تھی۔کیونکہ یہ دھماکے کیپٹ بھی سن سکتا تھا اور یقیناً اس نے بھی سنے ہوں گے کیونکہ اس کی عبادت گاہ محل ہی کے ایک حصے میں تھی۔اس کا ہوشیار ہو جانا خطرناک ہوسکتا تھا۔اس صورت میں یا تو وہ حالات کو اپنے حق میں استوار کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا یا حالات کو قابو سے باہر دیکھ کر فرار ہو جاتا۔دونوں ہی صورتیں مناسب نہیں تھیں۔اس کا فرار ہونا بھی انتہائی خطرناک تھا۔اگر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ کوئی بھی نیا فتنہ کھڑا کر سکتا تھا دھماکے اب بھی سنائی دے رہے تھے بلکہ اب ان کی شدت پہلے کی نسبت بڑھ گئی تھی۔دھماکے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں،ایک شور،ایک ہنگامہ،نہ جانے کب تک یہی سب کچھ ہوتا رہا اور میرا دل دھڑکتا رہا اندیشے اور وسوسے میری روح پر کچوکے لگاتے رہے۔جب یہ شور تھما تو میں چونک پڑا۔کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دے رہی تھی۔

دروازہ کھولتے ہی ایک نوجوان میرے سینے سے چمٹ گیا اور وہ نوجوان احمر تھا۔میں اسے محل میں دیکھ کر حیران و پریشان سا ہوگیا۔

''محل پر آپ کے وفاداروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔''احمر نے مجھے خوشخبری دی.....

''مم.....مگر.....مگر.....یہ کس طرح ہوگیا؟کس طرح؟''جذبات کی شدت سے میری زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سلگتے چہرے

ضوبار یہ ساحر کے جذبات نگار قلم سے ایک خوبصورت ناول.....اُن سُلگتے چہروں کی کہانی جن پر سجی آنکھوں میں انتظار کا عذاب لودے رہا تھا۔ایک ایسی لڑکی کی داستان حیات جسے اپنے خوابوں کو کچل کر میدانِ عمل میں آنا پڑا۔اس کے نرمل سجل جذبوں پر فرض کا ناگ پھن کاڑھے بیٹھا تھا۔اس لئے محبت کو جانچنے پرکھنے کے فن سے وہ ناواقف تھی۔لیکن اس سب کے باوجود دل کے ویرانے میں کہیں ہلکی ہلکی آنچ دیتا محبت کا جذبہ ضرور موجود تھا۔وہ جو سائے کی طرح قدم قدم اسکے ساتھ رہا اس پر بیتنے والی ہر اذیت کو اُس نے بھوگا۔وہ ادھوری لڑکی اُسے جاننے اور پہچاننے کی کوشش میں لگی رہی۔مگر وہ عکس کبھی پیکر بن کر اسکے سامنے نہیں آیا اور جب وہ سامنے آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی؟؟

یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب ہے،جسے رومانی معاشرتی ناول سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

''تمہارا پیغام ملنے سے پہلے خود میں اور میرے غیر ملکی ساتھی بھی اس نتیجے تک پہنچ چکے تھے کہ فوج کے چھوٹے افسران اور عام فوجی بہر حال شاہی وفادار ہیں تمہارے پیغام کے بعد ہمارا خیال اور پختہ ہوگیا۔ غیر ملکیوں کا اثر ورسوخ فوجی افسران تک بھی تھا۔ نامعلوم انہوں نے کس طرح پہلے ہی انہیں ہموار کیا ہوا تھا۔ انہیں کے ذریعہ انہوں نے دوسرے افسران تک بھی رسائی حاصل کی اور مجھ سے کہا کہ میں تمہارا خط ان افسران کو پڑھ کر سنادوں اور اس کے ساتھ ساتھ کیشپ اور کیمرون کی سازش سے بھی انہیں مطلع کردوں۔ آج رات کے ابتدائی حصے میں تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں اور پھر اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ کیمرون اور اس کے نائب سپہ سالار اور دیگر چند بڑے فوجی افسران کو جو کیمرون کے دست و بازو ہیں بیک وقت حراست میں لے لیا جائے اور فوجی اختیارات ان افسران شاہی وفادار تھے انہیں خاقان کی حراست سے بھی مطلع کردیا گیا۔ اس کے بعد تمام ذمے داری فوجی افسران نے اپنے ذمے لے لی صبح تک تمام حالات قابو میں آجائیں گے اور غالباً صبح سے پہلے ہی خاقان بھی یہاں پہنچ جائے گا۔'' میرے عزیز دوست احمر نے مجھے تمام حالات سے تفصیل کے ساتھ مطلع کردیا۔

''اور.....اور.....کیشپ؟'' جیسے میرے دل کا چور بول پڑا۔

''محل کے جس حصے میں کیشپ کی رہائش ہے وہ اب تک فوج کے قبضے میں آچکا ہوگا۔'' احمر نے جواب دیا۔

''اور سروش کہاں ہے؟'' میں نے دوسرا سوال کیا۔

''وہ بھی محل پہنچنے والی ہونگی۔'' احمر نے بتایا۔

کچھ دیر بعد ہی سروش بھی مجھ سے آملی۔ ابھی وہ مکمل حالات سے بے خبر تھی۔ وہ اس سلسلے میں مجھ سے پوچھ گچھ ہی کررہی تھی کہ اچانک میں نے اپنے ذہن میں سرسراہٹ محسوس کی میں چونک پڑا۔ میری کیفیت سروش سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔

''کیا ہوا؟'' وہ جلدی سے بولی کیونکہ میں اس سے بات کرتے کرتے ایک دم خاموش ہوگیا تھا لیکن میں اس کی بات کا جواب نہ دے سکا کیوں کہ اس وقت تک کیشپ میرے ذہن تک پہنچ چکا تھا۔

''یہ سب کیا ہورہا ہے ارسلان!'' کیشپ کے غصے اور جھنجھلاہٹ میں ڈوبی ہوئی آواز میرے ذہن سے ٹکرارہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: ''مجھے اپنی خواب گاہ کے باہر مسلح فوجی نظر آرہے ہیں۔ محل میں فوج کا اس طرح داخل ہونا شاہی آداب کی خلاف ورزی ہے۔ تم اس مملکت کے سربراہ ہو۔ تم ان لوگوں کو حکم دو کہ فوراً محل سے نکل جائیں۔''

''بھولے نہ بنو کیشپ! تم جانتے ہو کہ میرے پاس کوئی اختیار نہیں میں صرف تمہارے ہاتھوں میں ایک کھلونا ہوں۔ تمام اختیارات تو خود تمہارے ہاتھ میں ہیں۔'' میرے ذہن نے چبھتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''ارسلان! یہ نہ بھولو کہ میں تمہارا استاد ہوں مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے؟''

''میرے ذہن سے الجھنے کی بجائے اگر تم سپہ سالار اعظم کیمرون کا ذہن ٹٹولو تو زیادہ بہتر ہے تمہیں سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔''

میں نے جواب دیا۔

''میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔تم سب کو۔'' کیشپ کی غصیلی آواز میں نے سنی اور اس نے میرے ذہن سے رابطہ منقطع کر لیا۔

میرے اِردگرد پیش آنے والے واقعات کی رفتار اتنی تیز تھی کہ میرا ذہن چکرا کر رہ گیا تھا۔کبھی تو حالات میرے لیے سازگار ہوتے اور کبھی میرے مخالفین کی بن آتی لیکن یہ سب کچھ محض اس لیے ہوا تھا کہ میں نے خود کو حالات کے دھارے چھوڑ رکھا تھا۔میری سوچ کی لہریں گویا ساکت ہوگئی تھیں اور میں کوئی اقدام نہیں کر رہا تھا۔

کیشپ کی آواز میرے ذہن میں گونجتی رہی۔''میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔تم سب کو!'' میرے ذہن پر ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔

کیشپ جن پراسرار قوتوں کا مالک تھا ان کا مقابلہ کرنا میرے ساتھیوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ان لوگوں میں سے صرف سروش کو کچھ پراسرار قوتیں حاصل تھیں لیکن وہ کیشپ کی طرح چالاک اور تیز نہیں تھی۔اس کا ذہن اپنے باپ کے شیطانی دماغ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔گویا صورتِ حال یہ تھی کہ اب میں خود ہی کچھ کرسکتا تھا اگر کیشپ کو کیفر کردار تک پہنچانا کسی کے لیے ممکن تھا تو صرف میرے لیے۔اب وقت آگیا تھا کہ میں ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کے مقابلے میں کود پڑوں۔میرے ساتھیوں نے اس شیطان کو ایک کونے میں پہنچا دیا تھا اگر میں اس موقع سے فوراً ہی فائدہ نہ اُٹھاتا تو اس بدمعاش کو نکل بھاگنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی۔بھاگتے بھاگتے وہ میرے کتنے ہی جاں باز ساتھیوں کو بھی مجھ سے چھین لیتا۔

یہ سارے خیالات چند لمحوں کے اندر اندر میرے ذہن میں گھوم گئے تھے اور سروش میرے چہرے کی بدلتی رنگت سے میری قلبی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔جب وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکی تو بے تاب ہوکر پوچھ ہی بیٹھی۔

''کیا ہوا ارسلان؟ کیا بات ہے؟ تم بہت پریشان نظر آرہے ہو۔؟

''کیشپ تھا۔'' میں نے جوشِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ''وہ اس بات سے باخبر ہو چکا ہے کہ اس کے سارے منصوبے چوپٹ ہو چکے ہیں۔اب وہ ہمارے ساتھیوں کو اپنے قہر وغضب کا نشانہ بنانے کے لیے پر تول رہا ہوگا۔''

''اوہ!'' سروش کے منہ سے نکلا۔''پھر اب کیا ہوگا؟ بابا کا مقابلہ کون کرسکتا ہے؟'' اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا خود سروش ہی کے ذہن نے اسے اس سوال کا جواب دے دیا ہوگا کیونکہ یک لخت اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

''وقت آگیا ہے کہ ایک آخری مقابلہ ہو جائے۔'' میں نے مضبوط آواز اور سنگین لہجے میں کہا:''اس سے پہلے کہ تمہارا بابا بھوکے گدھ کی طرح میرے ساتھیوں کی بوٹیاں نوچنے کے لیے جھپٹے میں اس کے سامنے پہنچ جانا چاہتا ہوں۔''

''ارسلان میرے ارسلان! تم بابا کے سامنے مت جاؤ۔وہ غصے میں پاگل ہو جاتے ہیں۔'' سروش میری محبت میں دیوانی ہوئی جارہی تھی۔

''اسی لیے تو میں اس چالاک بوڑھے کے مقابلے پر جانا چاہتا ہوں۔ اس کے پاگل پن سے اور کوئی نہیں ٹکرا سکتا۔''

اس سے پہلے کہ سروش کچھ کہتی، میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ یقیناً کیشپ نے میرے ذہن کو پڑھنے کی کوشش کی تھی۔

میرے ذہن میں اس کی آواز گونجی۔ ''کیمرون اور میرے دوسرے ساتھی تمہاری حراست میں آ چکے ہیں اب تم میرے مقابلے پر آنا چاہتے ہو۔''

میں نے اپنی قوت کیشپ کے ذہن پر مرکوز کی اور کہا۔ ''تم بازی ہار چکے ہو کیشپ!..... تمہیں عقلمندی سے کام لینا چاہیے۔ غیر جذباتی ہو کر سوچو کہ ہتھیار ڈالنے میں فائدہ ہے یا ہاری ہوئی لڑائی جاری رکھنے میں؟''

کیشپ نے جیسے ایک خوفناک قہقہہ لگایا پھر اس کی آواز میرے ذہن میں گونجی۔ ''تم غلطی پر ہو، میں نے کوئی بازی نہیں ہاری اور لڑائی تو میں نے ابھی شروع بھی نہیں کی ہے۔ میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میری دشمنی کتنی مہنگی پڑتی ہے۔''

''شاید تم میرے کمزور ساتھیوں کو اپنی پراسرار قوتوں کا نشانہ بنانا چاہتے ہو..... تم کم ہمت ہو..... اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارا دشمن کون ہے۔ اگر مقابلہ ہی کرنا ہے تو ٹھہرو میں تمہارے سامنے آتا ہوں۔''

بات پوری کر کے میں نے دم سادھ لیا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ کیشپ میری بات مان لے گا وہ اگر غصے میں اندھا ہو رہا تھا تو یقیناً میرے ساتھیوں کے خون سے ہولی کھیلے بنا اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو سکتا تھا۔

کیشپ کے بارے میں میرا کوئی اندازہ کم ہی درست نکلتا تھا۔ اسکے شیطانی ذہن نے مجھے فوراً جواب دیا۔ ''ٹھیک ہے۔ آؤ۔''

محل کے جس حصے میں کیشپ تھا مجھے اس کا اچھی طرح علم تھا۔ میں تیزی سے کھڑا ہوا تو سروش مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ مجھے اپنے بابا کے مقابلے پر نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا اندازہ اسے بھی تھا کہ میں اس کے بابا سے غصے، سرکشی اور ضد میں کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ چنانچہ جب میں نے اسے پیار، آہستگی مگر ارادے کی پختگی کے ساتھ اپنے سے جدا کیا تو اس نے دوبارہ مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی لیکن میرے ساتھ چلنے کی ضد شروع کر دی۔

میں نے سروش کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ معصوم سا حسین چہرہ جو یادداشت کھو جانے کے عالم میں بھی میرے حواس پر چھایا رہا تھا میری سلامتی کی طرف سے فکرمند اور پھول کی طرح کھلا یا ہوا تھا۔

''کیشپ پاگل ہو رہا ہے اس پاگل کا مقابلہ میرے لیے آسان نہ ہوگا میں پوری یکسوئی انہماک اور قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ تم میرے ساتھ ہو گی تو یہ سب کچھ مجھے ہرگز حاصل نہ ہو سکے گا کیا تم اپنے بابا کے سامنے مجھے کمزور دیکھنا چاہتی ہو؟'' میں نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

بات شاید سروش کی سمجھ میں آ گئی' کیونکہ اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا میں نے اسے الوداعی نظروں سے دیکھا اور خاموشی سے رخصت ہو گیا۔ میں تقریباً بھاگتا ہوا محل کے اس گوشے میں پہنچا جہاں کیشپ کا قیام تھا۔ میرے ذہن میں دور دور تک یہ خیال بھی نہ تھا کہ

کیشپ وہاں موجود نہ ہوگا۔ میرا تو خیال تھا کہ اس نے مجھے مقابلے کے لیے ہی بلایا ہے لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ میرے سامنے ٹھہرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے مجھے محض اپنی قوت کے استعمال کا تماشا دکھانے کے لیے بلایا تھا اور میں نے وہ تماشا دیکھا۔ دیکھا اور خون کے آنسو رویا۔

محل کا وہ حصہ لاشوں کا بازار بنا ہوا تھا۔ میرے بے گناہ جانباز ساتھی، سپاہی، ملازم اور ملازمائیں کیشپ کی بربریت اور بہیمت کا شکار ہوئے تھے۔ ان کے بے جان جسم مجھ سے انصاف کے فریادی تھے اور میں' اپالو مجسم تباہی و بربادی غم و غصے سے خود اپنی بوٹیاں نوچنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ شیطان کیشپ اپنی بوٹیاں نچوانے کے لیے میرے سامنے موجود نہ تھا۔

میں بت بنا اپنے ایک مردہ ساتھی کی لاش کو دیکھ رہا تھا جسے..... بڑی بے دردی سے پامال کیا گیا تھا۔ سر گردن سے جدا تھا۔ ہاتھ پاؤں اور جسم کے مختلف حصوں سے گوشت کے ٹکڑے جدا کر لیے گئے تھے۔ زخموں سے ابھی تک خون رس رہا تھا اور یہ منظر بڑا دل خراش تھا

سروش کی دبی دبی چیخ سن کر میں پلٹا۔ وہ آنکھیں بند کیے جھول رہی تھی اور کسی بھی لمحے گرنے والی تھی، میں نے لپک کر اسے سنبھالا اور وہ میری آغوش میں آتے ہی بے ہوش ہوگئی۔

وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔ اس نے شاید اسی خیال سے مجھے روکنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہوگا کہ خود میرے پیچھے پیچھے آنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید میں اس کے پیار میں کھو جاتا مگر اس وقت تو میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میرا رواں رواں کیشپ کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔

یوں بھی فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ سروش لاشوں کی بھیانک حالت دیکھ کر برداشت نہ کر سکی اور وقتی طور پر غش کھا گئی۔ ذرا دیر بعد وہ خود ہی ہوش میں آجاتی۔ میں نے اسے آہستہ سے فرش پر لٹا دیا۔ اپنا لبادہ اُتار کر میں نے خون آلود لاش کو ڈھک دیا۔ دوسری لاشوں کی حالت اتنی بری نہ تھی اور اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی تھی کہ کیشپ کو ان پر غصہ اتارنے کا وقت ہی نہ ملا ہوگا۔ یوں بھی مجھے دکھانے کے لیے ایسی ایک ہی لاش کافی تھی۔

ایک اور بات جو میرے سامنے آئی وہ یہ تھی کہ ہر لاش کے منہ سے خون رس کر پانچھوں کے راستے بہہ نکلا تھا اس سے مجھے بآسانی یہ اندازہ ہو گیا کہ ان کی موت کس طرح واقع ہوئی ہوگی۔ ان پر کیشپ نے اپنی ذہنی قوت کو آزمایا ہوگا بالکل اسی طرح جیسے ایک مرتبہ نادانستگی میں میں اپنی ذہنی قوت زرتاش پر استعمال کر بیٹھا تھا۔ ان سب کی موت بالکل زرتاش کی طرح ہوئی ہوگی۔ ان میں سے غالباً کسی کو بھی اپنے متوقع انجام کی خبر کیا اس کی طرف اشارہ تک نہ ملا ہوگا کہ ہوا کیا۔ کھڑے کھڑے اچانک ہی دماغ کے کسی گوشے میں شدید تکلیف کا احساس اُبھرا ہوگا اور سر پکڑتے پکڑتے وہ گر کر ڈھیر ہو گئے ہوں گے۔ جس لاش کو میں نے بری حالت میں دیکھا تھا اس پر کیشپ نے موت کے بعد یقیناً تلوار آزمائی ہوگی اور مقصد اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ بربریت کے اس مظاہرے کو دیکھوں اور غم و غصے سے کھول اُٹھوں پھر اپنی مجبوری کا احساس کر کے اپنی ہی بوٹیاں نوچنے پر مجبور ہو جاؤں۔

کیشپ اس حد تک اپنے مقصد میں کامیاب رہا کہ مجھے اپنے ساتھیوں کی یہ حالت دیکھ کر شدید رنج ہوا۔ میں غم و غصے سے بت بن کر رہ گیا پھر ہوش آیا تو میں نے بے ساختہ زیر لب کہا۔ ''کیشپ! تیری موت بھی بہت دردناک ہوگی۔''

اسی لمحے میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ کوئی میرے خیالات کو ٹٹول رہا تھا اور یہ کیشپ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ ایک لمحے بعد ہی میں نے جیسے اسے ہنستے اور قہقہے لگاتے ہوئے محسوس کیا اور پھر اس نے جیسے مجھے مخاطب کر کے کہا: ''کیوں اپنے دانتوں سے اپنی ہی بوٹیاں نوچ رہے ہو نا.....! کیشپ سے دشمنی مول لینے والے کچھ ایسی ہی حالت کا شکار ہو جاتے ہیں اور ابھی کیا ہے یہ تو ابتدا ہے ابھی تو تم اپنے تمام ساتھیوں کو اسی حالت میں دیکھو گے۔ غصے میں اِدھر سے اُدھر دوڑتے پھرو گے اور جب مجھے کہیں نہیں پاؤ گے تو کیا پاگل نہ ہو جاؤ گے۔؟''

میں نے دانت کچکچائے اور ہونٹ بھینچ کر کہا: ''تیرا انجام گلی کے آوارہ کتوں سے بھی بدتر ہوگا کیشپ۔''

کیشپ کا ایک اور قہقہہ ذہن میں گونجا پھر اس کے الفاظ ذہن میں اُبھرے۔ ''آؤ اور مجھے اس انجام کو پہنچا دو۔ لو میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ اس وقت میں کہاں ہو؟''

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں خود اس جگہ کھڑا ہوں۔ جہاں کیشپ موجود تھا۔ مجھے کیشپ کے اردگرد کا سارا ماحول نظر آیا گویا کیشپ خود نظر نہ آیا اور اس کی وجہ ظاہر تھی۔

جو کچھ کیشپ دیکھ رہا تھا اسے اپنے ذہن میں میرے ذہن میں منتقل کر رہا تھا۔ بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کیشپ کی آنکھوں سے میں خود ہی اس کے اردگرد پھیلی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہا ہوں۔ ظاہر ہے کیشپ کے دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ البتہ ایک دو مرتبہ اس کے ہاتھ آنکھوں کے سامنے لہراتے نظر آئے تھے۔

مجھے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ کس جگہ تھا اور میں یہ محسوس کر کے چونکے بنا نہ رہ سکا کہ وہ عین اس مقام پر تھا جہاں سروش کو چھوڑ کر میں اس سے مقابلے پر دوڑا تھا۔

کیا یہ اتفاق تھا؟

یا کیشپ کسی خاص مقصد سے اس جگہ پہنچا تھا جہاں سے میں چلا تھا؟

آخر وہ کیا مقصد کیا ہو سکتا تھا؟

میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا اور میں اپنے جسم میں بیساختہ ایک قسم کی سنسنی خیز تکلیف دہ لہر دوڑتی محسوس کرنے لگا۔ جو کچھ میرے ذہن میں آیا تھا بڑا خوفناک خیال تھا۔

یہ سروش کی محبت تھی کہ وہ میرے پیچھے پیچھے دوڑی چلی آئی تھی ورنہ قاعدے سے اسے اپنی جگہ رہنا چاہیے تھا جہاں اب کیشپ موجود تھا تو کیا مجھے زک پہنچانے کے لیے کیشپ خود اپنی بیٹی کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

یہ عین ممکن تھا کیشپ پاگل ہو رہا تھا اور ایک پاگل کے ذہن میں رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ پھر کیشپ کو اچھی طرح علم تھا کہ سروش میرے مقابلے میں ہرگز اسکا ساتھ نہ دے گی اور اگر وہ میرے ساتھ رہی تو شاید ہم دونوں مل کر اس کیلئے مشکلات کا باعث بنیں یقیناً کیشپ کے تیز ذہن نے اس امکان کو بہت پہلے ہی دیکھ لیا ہوگا۔ جو مجھے اب سوجھا تھا آخر کو سروش بھی ذہنی قوتوں کو استعمال کرنے کی اہل تھی اور اسکی ذہنی قوتیں کیشپ کے مقابلے میں کتنی بھی کم ہوں۔'' میری ذہنی قوتوں کے ساتھ مل کر یقیناً وہ بڑی اہمیت اختیار کر لیں گی۔

اس کے علاوہ سروش کی موت مجھے یوں بھی زندگی سے بیزار کر دیتی اور ایک بیزار آدمی عموماً کسی کے لیے خطرناک ثابت نہیں ہوتا جسے زندگی سے دلچسپی نہ رہے اس کی نظروں میں ہر بات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور پھر اسے چھاپ لینا مشکل ثابت نہیں ہوتا۔

ہوسکتا ہے میری سوچ درست نہ رہی ہو مگر میں اس خیال کو غلط قرار دے کر ذہن سے نکال نہیں سکتا تھا کہ سروش کیشپ کے غضب کا نشانہ بن سکتی تھی۔

میں نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا کہ سروش کو ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔

سروش ابھی تک بے ہوش تھی مگر مجھے یقین تھا کہ وہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گی۔ چند لمحوں کی بات تھی پھر میں اسے لے کر کیشپ کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤں گا اور اس وقت تک کیشپ کا پیچھا کروں گا جب تک وہ میرے ہتھے نہ چڑھ جائے گا۔ مگر وہ میرے ہتھے کیسے چڑھ سکے گا۔؟

اس وقت میرے ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا مجھے جو خیال سوجھا تھا اس نے فوری طور پر مجھے سروش کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا جو کلبلا رہی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

بڑی تیزی سے میں نے کیشپ کے ذہن سے رابطہ قائم کیا وہ ابھی تک اسی جگہ تھا جہاں کی جھلک اس نے مجھے چند لمحوں پہلے اپنی آنکھوں کے ذریعے دکھائی تھی۔

بساط

کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا علیم الحق حقی کا پہلا ناول **بساط** جو انگریزی فکشن سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس ناول میں بدنام زمانہ امریکی تنظیم سی آئی اے کی من مانیاں، دوسرے ممالک میں سیاسی و معاشرتی بدامنی پھیلانے کے لیے قتل و غارت اور دیگر ہتھکنڈوں کو بخوبی اجاگر کیا گیا ہے۔ امریکی انتظامیہ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کس حد تک جا سکتی ہے، اس ناول کو پڑھ کر بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بساط کو **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''میں آرہا ہوں۔'' میں فوراً ذہنی طور پر کیشپ سے کہا۔ ''اور اس بار تمہیں اتنا وقت نہیں دوں گا کہ تم میرے ساتھیوں کو نقصان پہنچا کر بھاگ سکو۔''

''ضرور آؤ.....اس بات تم مجھے یہیں پاؤ گے۔ مگر یہ تو بتاؤ سروش کہاں ہے؟''

میں نے جیسے بے ساختہ سروش کی طرف دیکھا اور پھر کوشش کی کہ اس کے بارے میں کچھ نہ سوچوں۔ فوراً ہی میں نے ذہنی رابطہ توڑ کر اپنے ذہن کو بند کر لیا کہ کیشپ اس کا جائزہ نہ لے سکے۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ کیشپ کا اس جگہ پہنچنا اتفاق نہ تھا جہاں میں اپنی دانست میں سروش کو چھوڑ آیا تھا۔ کیونکہ سروش خود ہوش میں نہ تھی۔ اس کا ذہن سویا ہوا تھا اس لیے کیشپ اس سے رابطہ قائم کر کے یہ معلوم نہ کر سکا کہ وہ کہاں ہے مگر اس کے تیز ذہن میں یہ خیال ضرور تھا کہ وہ کہیں نہ کہیں مرے آس پاس ہی ہوگی۔

ذہنی رابطہ توڑنے سے پہلے میں نے بظاہر بے ساختہ طور پر سروش کی طرف دیکھ کر اس کی ایک جھلک کیشپ کو دکھا دی تھی کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ہے۔ مگر میری یہ حرکت بے ساختہ ہرگز نہ تھی بلکہ میرے ذہن نے فوری طور پر عمل کیا تھا اور اس حکم کو پورا کیا تھا جو میں کیشپ سے رابطہ قائم کرنے سے پہلے ہی اپنے ذہن کو دے چکا تھا اور یہ حکم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نادانستگی کے انداز میں وہ کیشپ کو سروش کے بارے میں بتا دے کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ہے۔ چنانچہ یہ کام ہو چکا تھا اور اب کیشپ میرے ذہن کو نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس لیے اسے ہرگز یہ علم نہ ہو سکتا تھا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں کیا کر رہا ہوں اور کہاں ہوں؟

مجھے یقین تھا کہ کیشپ کا تیز ذہن اسے یہ بتائے گا کہ میں تیزی سے اس کی طرف آرہا ہوں اور کیونکہ وہ دیکھ چکا ہے کہ سروش اس قابل نہیں ہے اس لیے اسے یقین ہوگا کہ سروش یہیں رہے گی۔ اب اگر اس کی نیت میں فتور ہے تو وہ دوڑتا ہوا یہاں آئے گا۔

میں نے سروش کو دیکھا۔ وہ تیزی سے ہوش میں آرہی تھی۔ میں اس کی نظروں میں آنے سے پہلے وہاں سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔

تیاگی

تیاگی امنگوں، آرزوؤں اور جذبوں سے بھرے ایک نوجوان کی داستان، دُنیا نے اسکے ساتھ بہت سی زیادتیاں کیں، ان رویوں سے تنگ آکر، اس نے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ ایک پراسرار اور ان دیکھی قوت اسکے ساتھ شامل ہوگئی۔ اس انوکھی اور پراسرار قوت نے اسکی زندگی کا رُخ یکسر تبدیل کر دیا۔ اسکی زندگی حیرت انگیز واقعات سے پُر ہوگئی۔ یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

چنانچہ میں نے تیز رفتاری سے کام لیا اور سروش کو تنہا چھوڑ کر وہاں سے چل دیا لیکن میں وہاں سے اتنی ہی دور گیا کہ کیشپ کے آنے پر فوراً ہی سروش کی مدد کو پہنچ جاؤں۔

آنے والے لمحات سنسنی خیز تھے۔ میرے جسم کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ اگلے چند لمحات میں کیا ہوگا میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ مگر نجانے کیوں مجھے اس بات پر یقین تھا کہ میں کیشپ پر حاوی آ جاؤں گا۔ اس کو ختم کر کے میں اطمینان کا سانس لوں گا۔

لیکن یہ میرا خیال خام ہی ثابت ہوا۔

ویسے کیشپ میری توقع کے مطابق دوڑتا ہوا وہاں پہنچا ضرور تھا۔ اس وقت تک سروش ہوش میں آ چکی تھی میں ایک عمارت کی اوٹ سے اسے دیکھ سکتا تھا۔ سروش کیشپ کو اپنے سامنے دیکھ کر جھجکی تھی اور پھر اس نے کچھ کہا تھا۔ جواب میں کیشپ نے بھی ہاتھ پھیلا کر کچھ کہا تھا مگر سروش اس کی طرف بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹ گئی تھی۔ پھر کیشپ کو غصہ آ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ نچا نچا کر کچھ کہا تھا اور اس کے اگلے قدم کا اندازہ لگا کر میں نے دیر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

میں عمارت کی اوٹ سے نکلا اور ان دونوں کی طرف لپکا جب تک میں ان دونوں کے پاس پہنچا سروش ہاتھ سے سر پکڑے فرش پر گر چکی تھی اور کیشپ تلوار سے اس کا سر قلم کرنے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

''ٹھہر جا بدمعاش..... یہ کیا کرتا ہے؟'' میں نے للکار کر کہا۔

مجھے خدشہ تھا کہ کہیں میرے پہنچتے پہنچتے وہ ظالم وار ہی نہ کر بیٹھے اس لیے میں نے اسے للکارا تھا۔ اور یہ ٹھیک ہی ہوا تھا کیونکہ میری آواز نے کیشپ کو چونکا دیا اور اس کا تلوار والا اُٹھا ہوا ہاتھ ہوا ہی میں رک گیا اور قدرے گھبراہٹ کے ساتھ وہ میری طرف پلٹا ایک لمحے کے لیے مجھے اس کی آنکھوں میں خوف کی لہریں جھلکتی نظر آئیں پھر فوراً ہی وہ سنبھل گیا اور تن کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو لیکن مجھے کچھ ایسا ہی محسوس ہوا جیسے وہ کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھ کر فرار کی راہ تلاش کر رہا ہو میری اپنی توجہ چند لمحوں کے لیے اس کی طرف سے ہٹ کر سروش کی طرف مرکوز ہو گئی تھی جو ایک بار پھر فرش پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ میری گھبرائی ہوئی نظریں اس کے چہرے کی طرف اُٹھیں۔ اسکے ہونٹوں کے سروں پر موت کی سرخ لکیر نہ دیکھ کر مجھے قدرے اطمینان ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ سروش پر کیشپ کا پہلا وار ذہنی قوت ہی کا رہا ہوگا۔ سروش خود بھی کچھ قوت رکھتی تھی اس لیے وہ اس وار کو سہہ گئی ہوگی مگر وار کی شدت نے اسے ایک بار پھر بے سدھ کر دیا ہوگا اسی لیے کیشپ کو تلوار کا سہارا ضروری محسوس ہوا تھا۔

''تو تم میرے مقابل آ ہی گئے۔'' کیشپ نے سرسراتی آواز میں کہا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور تن کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر بڑے اعتماد سے میں نے کہا: ''چند لمحوں بعد تم اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے۔ میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری موت عبرت ناک ہوگی اور اب اس وعدے کو پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔''

کیشپ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا پھر بولا: ''تم بھول گئے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرا ہی بخشا ہوا ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ

ایک شاگرد اپنے استاد کو شکست دے دے۔عبرت ناک موت کے لیے تم خود کو تیار کرلو۔'' میں نے فوراً جواب دیا۔''تم نے مجھے صرف تربیت دی ہے۔قوت مجھے کسی اور طاقت نے بخشی ہے اور اس کا اندازہ تمہیں خود بھی ہوگا کہ بخشنے والے نے مجھے تم سے کہیں زیادہ نوازا ہے کیا یہی وجہ نہیں کہ تم مجھ سے ہمیشہ بھاگتے رہے اور کبھی جم کر میرا مقابلہ نہیں کر سکے۔اس وقت بھی نہیں جب میں اپنی قوتوں سے اپنی صلاحیتوں سے اور ان کے استعمال سے غافل ہوگیا تھا۔''

ایک لمحے کے لیے کیشپ خاموشی سے مجھے گھورتا رہا۔مجھے اس کی آنکھوں میں عجیب عجیب احساسات انگڑائی لیتے ہوئے محسوس ہوئے۔ان میں اچانک پیدا ہونے والی ایک چمک بھی تھی جو عموماً کامیابی کو سامنے کھڑا دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔

میں چونکا۔مگر مجھے دیر ہو چکی تھی۔

کیشپ کی آنکھوں میں جھانکنا میری بہت بڑی غلطی تھی۔ذہنی قوتوں کا استعمال آنکھوں کے ذریعے بآسانی اور بھرپور انداز میں ہوتا ہے۔غالباً اسی نکتے کا خیال کر کے کیشپ کو اپنی کامیابی کی امید نظر آئی تھی اسے مجھ پر حاوی ہونے کا ایک موقع حاصل ہوگیا تھا اور اس موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے لیے اس نے مجھ پر بھرپور حملہ کر دیا۔

میری آنکھوں نے اچانک ایک عجیب منظر دیکھا۔وہ آگ کا ایک چکراتا ہوا بگولہ سا تھا جو یک لخت میری آنکھوں کے سامنے پیدا ہوا اور اس بگولے کے بیچوں بیچ کیشپ ایک آتشی تخت پر سوار شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔اس کا جسم بھی آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا اور اس میں سے آگ کی سی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں۔

میں آنکھیں پھاڑے ہونقوں کی طرح اس عجیب وغریب منظر کو دیکھ رہا تھا۔خود فراموشی کے عالم میں' میں جیسے سب کچھ بھول گیا تھا۔مجھے نہ تو موقع کی نزاکت کا احساس رہا تھا نہ دشمن کی پراسرار قوتوں کا خیال مجھے تو دشمن برسرِ پیکار ہونے کا احساس بھی نہ رہا تھا اور اس خود فراموشی کے عالم میں شاید میں دشمن کے کاری وار کا نشانہ بن جاتا مگر اچانک سروش کی لرزہ خیز چیخ سن کر جیسے مجھے ہوش آگیا میں چونک کر بے ساختگی کے عالم میں اس طرف مڑا جدھر سروش فرش پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔

میری یہ بے ساختہ حرکت ہی میری زندگی کی ضمانت ثابت ہوئی کیشپ کی تلوار مجھے اپنی بائیں پسلی میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی اور تکلیف کی ایک شدید لہر میرے ذہن کو جھنجھوڑ گئی۔میں نے بے ساختہ قسم کی چیخ کو ہونٹ بھینچ کر گلے ہی میں گھونٹ دیا اور فوراً اپنے ذہن کو کیشپ کے ذہنی طلسم کی قید سے آزاد کر دیا۔اس کے لیے یہ بات مجھے اپنے ذہن میں بٹھانا پڑی تھی کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ ایک دھوکہ تھا..... ذہنی دھوکہ..... جو کیشپ نے مجھے بڑی چابکدستی سے دیا تھا اور اس وقت جب میں اس کے خیالات کی پیداوار کو اپنی آنکھوں کے سامنے یوں دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ سب کچھ سچ رہا ہو۔اس بدمعاش نے تلوار کی نوک سے میرا دل کو چھید دینا چاہا تھا سروش شاید اسی وقت سنبھلی تھی اور مجھ کو یقینی موت کے عالم میں دیکھ کر وہ اپنی کربناک چیخ کس طرح نہ روک سکی تھی اور یہ چیخ ہی میری مددگار ثابت ہوئی تھی۔

اب کیشپ کا پھیلا ہوا طلسم چاک ہو چکا تھا اس کی تلوار میرے خون سے سرخ ہو چکی تھی۔زخم تکلیف دہ ضرور تھا مگر کاری نہ تھا میرا

دل بچ گیا تھا البتہ ایک یا دو بسلیاں ضرور نشانہ بنی تھیں۔

میں فتح مندی کے جذبات سے کھلتی ہوئی کیشپ کی شکل دیکھی۔تو میرے تن بدن میں جیسے آگ سی لگ گئی۔لیکن میں ایک چوٹ کھا چکا تھا اور اب دوسری کے لیے تیار نہ تھا۔سب سے پہلے میں نے اپنے ذہن کو تیار کیا کہ وہ کیشپ کے اور کسی فریب میں نہ آئے۔پھر میں نے کیشپ کے ذہن کو اپنی قوت سے متاثر کرنا چاہا۔میں نے اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی جیسے اس کی تلوار میرے جسم سے چھوئی تک نہ ہو اور تلوار سے ٹپکتا ہوا خون جیسے خون نہ ہو،تلوار جیسے بالکل صاف ہو اور ساتھ ہی میں نے یہ کوشش بھی کی تھی کہ وہ مجھے ایک جگہ کھڑا مسکراتا ہوا دیکھے اور حرکت کرتا ہوا نہ دیکھ سکے۔

اپنی کوشش کا میں نے خاطر خواہ نتیجہ نکلتے دیکھا۔کیشپ کے چہرے سے خوشی اور کامیابی کے ملے جلے جذبات فوراً دور ہو گئے۔ایک لمحہ کے لیے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار ابھرے پھر غصہ و غضب اُبھرا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اس جگہ مجھ پر تلوار سے حملہ کیا جہاں میں چند لمحوں پہلے کھڑا تھا۔دراصل اسے میں اب بھی وہیں کھڑا نظر آ رہا تھا۔

میں نے فوراً اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی جیسے اس کی تلوار میرے جسم پر بھرپور انداز میں پڑی ہو اور میرے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں۔

کیشپ نے فوراً ہی ایک بھرپور قہقہہ لگا کر جس مسرت کا اظہار کیا وہ اس بات کی مظہر تھی کہ وہ میرے بچھائے ہوئے جال میں پھنس چکا تھا۔اب وہ وقت تھا کہ میں اس پر ٹوٹ پڑتا۔

میں نے اپنے زخمی ہونے کی ذرا بھی پروانہ کی۔میرے جسم میں ابھی اتنی طاقت تھی کہ میں تکلیف برداشت کرتے ہوئے کیشپ کی بوڑھی گردن دبا دوں۔اور یوں اس کو اس کے انجام تک پہنچا دوں۔

میں نے جھپٹ کر کیشپ کے تلوار والے ہاتھ پر بھرپور حملہ کیا تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی اور اس کا مسرت بھرا قہقہہ اس کے گلے ہی میں اٹک کر رہ گیا پھر جیسے سب کچھ سمجھ کر وہ جھنجلا گیا۔ہم دونوں بڑے جوش سے ایک دوسرے سے لپٹ پڑے۔میرے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ گئے اور وہ میری ٹوٹی ہوئی پسلیوں پر ضرب لگانے لگا۔اس کی کوشش شاید یہ تھی کہ میں تکلیف کی شدت سے گھبرا کر اس کی گردن چھوڑ دوں مگر میں ہر قیمت پر اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔

آہستہ آہستہ کیشپ کی گردن پر میرا دباؤ بڑھتا گیا۔اب میں اس کے چہرے پر تشنج کے آثار دیکھ سکتا تھا اس کا دم گھٹنے لگا تھا اور بس چند لمحوں کی بات رہ گئی تھی یک لخت کیشپ کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔اس کے تیز چلتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ایک لمحے کے لیے میں جھجکا میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اچانک ہوا کیا۔یہ تو مجھے معلوم تھا کہ ابھی کیشپ مرا نہیں تھا بلکہ اس نے خود ہی مزاحمت ترک کر دی تھی گویا خود کو مکمل طور پر میرے حوالے کر دیا تھا کہ میں جو چاہوں سو کروں۔

کیا اس طرح وہ میری ہمدردی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

کیا یہ اس کا مجھ سے معافی مانگنے کا انوکھا انداز تھا۔؟

یا یہ اس کی کوئی گہری چال تھی۔؟

جو کچھ بھی ہو، میں اپنا کام مکمل کر دینا چاہتا تھا مجھے اس شیطان پر بالکل ترس نہیں آ سکتا تھا۔ میں اب اس کے مکر و فریب میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

مگر ایک بار پھر میں دھوکہ کھا گیا!

مجھے ایسا لگا جیسے میرے ہاتھوں میں کیشپ کا بوڑھا جسم نہ ہو بلکہ کوئی لیسدار چکنی مچھلی ہو۔ گندی کراہیت آمیز مخلوق جسے چھونا بھی گوارا نہ ہو چہ جائیکہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر بھینچنا۔

میں نے بوکھلا کر اپنے دونوں ہاتھ کھینچ لیے فوراً ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کیشپ ایک بار پھر کیشپ ہی نظر آنے لگا مگر اب اس کے ڈھیلے ڈھالے جسم میں بلا کی تیزی آ گئی تھی۔ وہ واقعی کسی چکنی مچھلی کی طرح میرے ہاتھوں سے نکلتا چلا گیا اور میں جھجکا اسے تکتا رہ گیا۔ جب میں چونکا تو مجھے دیر ہو گئی تھی۔

کیشپ بھاگ نکلا تھا۔ میں اسے دوڑتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا مگر چند ہی لمحوں میں بہت دور ہو جاتا۔ میں نے تیزی سے اس کے پیچھے دوڑنا چاہا مگر میری یہ کوشش مجھے مہنگی پڑی۔ میرا زخم آڑے آیا۔ اچانک بھاگنے کی کوشش شدید تکلیف کا باعث بنی اور میں کراہ کر رہ گیا۔

کیشپ بھاگا جا رہا تھا اور میں بے بسی سے اس کا فرار دیکھنے پر مجبور تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کتاب گھر کا پیغام

آپ تک بہترین اردو کتابیں پہنچانے کے لیے، ہمیں آپ ہی کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ہم کتاب گھر کو اردو کی سب سے بڑی لائبریری بنانا چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے ہمیں بہت ساری کتابیں کمپوز کروانا پڑیں گی اور اسکے لیے مالی وسائل درکار ہوں گے۔

اگر آپ ہماری براہ راست مدد کرنا چاہیں تو ہم سے kitaab_ghar@yahoo.com پر رابطہ کریں۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو کتاب گھر پر موجود ADs کے ذریعے ہمارے سپانسرز ویب سائٹس کو وزٹ کیجئے، آپکی یہی مدد کافی ہوگی۔

یاد رہے، کتاب گھر کو صرف آپ بہتر بنا سکتے ہیں۔

سروش اُٹھ کر میرے پاس آئی اور پریشانی کے عالم میں میرے زخم پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اسے کیشپ کے بھاگ جانے کی فکر نہیں تھی۔ وہ اس تکلیف کو بھی بھول چکی تھی جو ذرا دیر پہلے اسے کیشپ کے ہاتھوں بھگتنا پڑی تھی۔ اسے تو اب وہ تکلیف چبھ رہی تھی جو میرے زخمی جسم کو چبھ رہی تھی۔

میں بے بسی کے عالم میں کھڑا ہاتھ مل رہا تھا۔ میرے اردگرد میرے جاں باز سپاہیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ میری بیوی جس جاں کنی کے عالم سے گزر چکی تھی اب میں اس عالم سے گزر رہا تھا۔

تباہی و بربادی چہار طرف سے مجھے گھیرے ہوئے تھی اور اس تباہی و بربادی کا ذمے دار ہر گزرتے لمحے کے ساتھ دور ہوتا جا رہا تھا۔

مگر کیا واقعی کیشپ اس تباہی و بربادی کا ذمے دار تھا۔؟ کیا اس کا ذمے دار میں خود نہ تھا۔؟

میں جو اپالو کہلانے لگا تھا!

اپالو

تباہی و بربادی کا مجسمہ!

جسے خود بھی تباہ و برباد ہو جانا تھا!

مجھے تباہ و برباد ہو جانا تھا۔

شاید کیشپ کے ہاتھوں

شاید جلد..... بہت جلد؟

مگر..... نہیں..... میں اپالو نہیں تھا۔!

محض ایک لڑکی کے جذباتی انداز میں دیے ہوئے ایک نام سے میں وہ نہیں بن سکتا تھا جو اس کے نام کا خاصا تھا۔!

محض اس لیے کہ میں خوبصورت تھا، میں اپالو نہیں بن سکتا تھا۔!

محض اس وجہ سے کہ میرے اِردگرد لڑکیاں چکر لگاتی رہتی تھیں اور موت کے بادل منڈلاتے رہتے ہیں میں اپالو نہیں بن سکتا تھا۔

میں اپالو نہیں تھا

ارسلان تھا..... ارسلان، جس نے اپنی سلطنت اپنی حکومت اپنے چھوٹے بھائی کو سونپ دی تھی۔ جس نے کیشپ جیسے ظالم سے ٹکر لی تھی اور جو کیشپ کو بھاگ اُٹھنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

میں ارسلان تھا اور میرے اردگرد پھیلی تباہی و بربادی میں میرا کوئی ہاتھ نہ تھا۔

یہ سب کیشپ کا کیا دھرا تھا اور کیشپ کو اس کی سزا دینا میری ذمے داری تھی کیونکہ میں اس ذمے داری کو نبھا سکتا تھا۔

میں نے اسی لمحے عہد کیا کہ میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک کیشپ کو کیفر کردار تک نہ پہنچا دوں۔

مجھے چین اسی وقت آ سکتا تھا جب میرے ساتھی میری اِردگرد کی دنیا، کیشپ جیسے بد بخت ظالم کے ظلم سے محفوظ ہو جاتی چنانچہ میں نے عہد کیا اور.....

فوراً ہی اس سلسلے میں کام شروع کر دیا۔

یہ بات صاف ظاہر تھی کہ کیشپ فی الحال اس جزیرے پر نہیں رُکے گا۔ کچھ عرصے کے لیے وہ کہیں بھاگ جائے گا۔ اس کے لیے ٹھکانوں کی کہیں کمی نہیں تھی۔ وہ ذہنوں پر حکمرانی کرنے کا اہل تھا اسے بھلا کیا کمی ہوتی؟ مگر جلد یا بدیر وہ واپس لوٹے گا۔ وہ مجھے ہرگز نہیں بھول سکتا تھا اور مجھ سے انتقام لیے بغیر اُسے ہرگز چین نہیں آ سکتا تھا۔

سب سے پہلا کام مجھے یہی کرنا تھا کہ کیشپ کو اسی جزیرے پر روکا جائے اور اسے اس جزیرے پر روکنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ جزیرے پر موجود تمام کشتیوں، جہازوں اور دوسری دریائی سواریوں کو جزیرے پر سے فوری طور پر ہٹا دیا جائے۔ کوئی کشتی موجود ہوگی تو اسے کیشپ ہر حال میں حاصل کرے گا۔ کوئی محافظ بھی کیشپ کی پراسرار قوتوں کے مقابلے میں کشتی کی حفاظت کرنے کا اہل نہیں تھا۔

سروش بضد تھی کہ میں اپنے زخم کی فکر کروں اور میں جلد سے جلد جزیرے کی اکلوتی جیٹی پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ جب تک میرے احکامات پر عمل ہو اور کشتیاں وغیرہ جزیرے سے ہٹائی جا سکیں کیشپ کوئی سواری حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے کیونکہ اس صورت میں اس کا فرار ہو جانا یقینی ہو جاتا پھر شاید وہ کبھی میرے ہاتھ نہ آتا۔

میں نے ذہنی طور پر کیشپ سے رابطہ قائم کرنا چاہا مگر وہ شاید اپنا ذہن بند کیے ہوئے تھا مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ وہ حرکت نہیں کر رہا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں ذہن کو خیالات سے خالی کرنا ذرا مشکل کام ہوتا۔ یوں بھی امکان یہی تھا کہ کیشپ نے فوری طور پر کوئی جائے پناہ ڈھونڈی ہوگی۔ کیونکہ میرے ساتھ ''ذہنی معرکے'' کے بعد وہ یقیناً تھک گیا ہوگا۔ خود میری بھی بری حالت تھی مگر میں کسی نہ کسی طرح حالات سے نبرد آزما تھا۔

سروش نے شاہی طبیب کی فوری خدمات حاصل کیں۔ جب میرے زخم کا معائنہ کر رہا تھا تو میں اپنے ہرکاروں کو ہر طرف دوڑا رہا تھا کہ جہاں بھی کوئی کشتی، کوئی لانچ یا جہاز وغیرہ ہو اُسے تباہ کر دیا جائے یا دریا میں ڈال کر جلد سے جلد ساحل سے دور بلکہ کسی دوسرے جزیرے پر پہنچا دیا جائے۔

سروش کی حالت مجھ سے بہتر تھی۔ اس نے مجھے آرام کرنے کے لیے کہا اور خود ساری ذمے داری لے لی۔ میں تھک کر چور ہو چکا تھا اور میرا زخم بھی مجھے بے حد تکلیف دے رہا تھا اس لیے میں نے سروش کی بات مان لی۔ طبیب میرے زخم کو صاف کر کے پٹی باندھ کر چند

دن مکمل آرام کرنے اور ہلنے جلنے سے حتی الامکان پرہیز کرنے کی ہدایات دے کر رخصت ہوگیا تو میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ ایک بار پھر میں نے کیشپ کے ذہن کو ٹٹولنے کی کوشش کی' مگر وہ یا تو گہری نیند سو رہا تھا یا پھر اپنا ذہن بند کیے پڑا ہوا تھا کیونکہ میں اس کے ذہن سے رابطہ قائم کرنے میں یکسر ناکام رہا۔ کیونکہ ذہن کو بند رکھنے میں ایک مسلسل کوشش کا دخل ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے نیند والی بات کا یقین آسانی سے آگیا۔ اگر دشمن محوِ خواب تھا تو میں خود بھی آرام کرسکتا تھا۔

چنانچہ میں گہری نیند سوگیا اور گھنٹوں سوتا رہا۔

جب میں بیدار ہوا تو دن ڈھل چکا تھا۔ طبیعت میں تازگی تھی۔ اس تازگی میں اس وقت اور بھی اضافہ ہوا جب میں نے اپنے گرد کچھ مانوس چہرے دیکھے۔

میرے پاس ہی کرسیاں ڈالے احمر اور خاقان بیٹھے تھے ان کے ساتھ سروش محوِ گفتگو تھی۔ وہ تینوں کسی بات پر بڑے جوش و خروش سے بحث کر رہے تھے۔

میں نے اُٹھنے کی کوشش کی تو سروش نے میری طرف دیکھا پھر وہ تیزی سے اُٹھ کر میرے پاس آئی اور جلدی سے بولی۔ ''آپ لیٹے رہیے۔ آپ کو ہلنے جلنے کی اجازت نہیں ہے۔''

میں نے مسکرا کر اپنی پیاری بیوی کی طرف دیکھا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا: ''میں اب ٹھیک ہوں۔ اب مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔''

لیکن میں نے اُٹھنے کی ایک اور کوشش کی تو مجھے فوری طور پر اپنی غلط فہمی کا احساس ہوا کیونکہ تکلیف کی ایک شدید لہر میری پسلیوں کی طرف سے اُٹھی تھی اور سارے جسم میں پھیل گئی تھی۔

خاقان اور احمر بھی اُٹھ کر بالکل میرے قریب آگئے تھے۔ انہوں نے بھی مجھے اُٹھنے سے روکا۔ اور لیٹے رہنے کا اشارہ کیا۔

''تم کب آئے؟'' میں نے خاقان سے پوچھا۔ ''ٹھیک تو ہو۔''

''ابھی ایک گھنٹے پہلے پہنچا ہوں..... ٹھیک ہوں مگر آپ.....'' خاقان مجھ سے بہت محبت کرتا تھا۔ شدت جذبات سے وہ اپنی بات پوری نہ کرسکا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں۔ مگر تم آئے کیسے؟ کیا اپنی لانچ سے؟ کیا وہ اب بھی جیٹی پر کھڑی ہے۔؟''

سروش مسکرا اُٹھی پھر بولی۔ ''کیا مجھ پر آپ کو بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ میں نے خود ان کا استقبال کیا تھا اور فوراً ہی لانچ کو لوٹا دیا تھا۔ وہ تو اب تک واپس پہنچ چکی ہوگی۔''

''اور کشتیاں؟ ان کا کیا ہوا؟''

''کچھ کو ان کے مالک کھیتے ہوئے قریب کے جزیرے پر لے گئے اور کچھ کو مجبوراً تباہ کرنا پڑا۔ میں نے ان کے پیندوں میں

بڑے بڑے سوراخ کرادیے ہیں جن کو آسانی سے بند کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"جلوا دیتیں تو بہتر تھا۔" میں نے فوراً کہا: "کیا کیشپ کا کچھ پتا چلا؟"

سروش کے چہرے پر غم کے بادل چھا گئے۔ خاقان اور احمر کا منہ بھی لٹک گیا۔

"کیا وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ کیا کیشپ نے کالدیپ چھوڑ دیا۔" میں اچانک چیخ اُٹھا۔

"نہیں۔" خاقان مغموم لہجے میں بولا: "لیکن میری خواہش ہے کہ کاش وہ بھاگ جاتا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے کہیں دور چلا جاتا۔"

بات کچھ میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔ یقیناً کیشپ مجھ سے پہلے جاگا ہوگا اور شاید جاگتے ہی بھاگنے کی کوشش کی ہوگی۔ اس نے جیٹی کا رُخ کیا ہوگا اور وہاں کوئی سواری نہ پاکر اسے میری چال سمجھنے میں دیر نہ لگی ہوگی پھر اس نے جو کچھ کیا ہوگا وہ میرے ساتھیوں کے لیے غم اور تکلیف ہی کا باعث بنا ہوگا۔

میرے خیالات کی تائید احمر کی بات سے ہوگئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے میرے کچھ آدمی جیٹی سے بھاگ کر آئے تھے' انہوں نے مجھے بتایا کہ کیشپ پاگل ہو چکا ہے وہ جسے بھی سامنے پاتا ہے اسے مار ڈالتا ہے ان کی لاشوں کو پامال کرتا ہے اور چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ وہ ایک ایک آدمی کو ختم کردے گا کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس وقت پورا جزیرہ ویران پڑا ہے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں گھس کر بند ہوگئے ہیں۔ پھر بھی کسی کو یقین نہیں کہ وہ کل کا سورج طلوع ہوتے دیکھ سکے گا۔ آقا! ہم پر سخت وقت پڑا ہے۔ شیطان کالدیپ پر من مانی کے لیے آزاد ہے اور ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ آپ ہی ہمارے لیے کچھ کرسکتے تھے مگر آپ بھی معذور ہوگئے ہیں۔ ہم ابھی اسی مسئلے پر بحث کررہے تھے کہ کیا کیا جائے۔ سروش دیوی اپنے بابا کے مقابلے پر جانے کے لیے بضد تھیں اور ہم انہیں بمشکل روکے ہوئے ہیں۔ اب آپ خود ہی انہیں سمجھائیں۔"

"ہمیں کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہم اپنے جان نثاروں کو بابا کی شیطانیت کا شکار ہوتے تو نہ دیکھ سکیں گے۔" سروش بولی۔

"نہیں..... ہم کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔" میں نے بڑے اعتماد سے کہا: "کیشپ کا آخری وقت ہے۔ چراغ کی آخری لو کی طرح وہ بھڑک اُٹھا ہے مگر ہم..... اسے اب زیادہ دیر آزاد نہ پھرنے دیں گے۔"

"مگر ہم کیا کریں گے۔ بھابی تو کیشپ کے مقابلے میں بہت کمزور ہیں اور آپ حرکت کرنے سے معذور ہیں' پھر..... پھر ہم کیا کرسکتے ہیں۔؟"

"ہم سب مل کر کچھ کریں گے۔ تم لوگ میرے ساتھ ہو۔ مجھے کسی نہ کسی طرح اس کے سامنے لے چلو، پھر میں ہر تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑوں گا اور اس مرتبہ اس کی گردن میرے ہاتھ آئی تو ٹینٹوا دبا کر ہی دم لوں گا..... اب وہ مجھے کوئی

دھوکہ نہ دے سکے گا۔''

چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ شاید ان میں سے ہر ایک میری پیش کردہ تجویز پر غور کر رہا تھا۔

''بظاہر یہ بڑی مشکل بات نظر آتی ہے مگر بہت زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔'' میں نے سمجھانے کے انداز میں کہا: ''دیکھو..... آج کیشپ میرے سامنے سے بھاگ نکلا۔ آج ہی نہیں وہ ہمیشہ میرے سامنے سے بھاگتا رہا ہے۔ آخر کیوں؟ کیا اسے مجھ سے ڈر لگتا ہے۔؟''

میرے ساتھی خاموشی سے مجھے تکتے رہے تو میں نے اضافہ کیا۔ ''یقیناً وہ مجھ سے ڈرتا ہے۔ صرف وہی ایک شخص ایسا ہے جو ہماری صلاحیتوں سے ہم سے زیادہ واقف ہے اور اس کے رویئے سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں پراسرار قوتوں میں بھی اس سے سوا ہوں اور جسمانی قوتوں میں بھی اس سے زیادہ! اور کیونکہ میں کسی وقت بھی اپنی قوتوں سے واقف ہو کر انہیں استعمال کر سکتا تھا اس لیے وہ ہمیشہ میرے مقابلے پر دوسروں کو بھیجتا رہا۔ خود کبھی میرے سامنے نہیں ٹھہرا۔ آج جو مقابلہ ہوا اس کی خبر بھی تم سب کو ہو گی۔ میں ایک لمحے کے لیے چوک گیا ورنہ میں نے اسے ختم کر ہی دیا ہوتا۔ جب اس نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑا تو میں یہ نہ سمجھ سکا کہ اس طرح وہ پوری یکسوئی سے اپنی ذہنی قوتوں کو مجھ پر آزمانا چاہتا تھا۔ انہی قوتوں کا کرشمہ تھا کہ وہ مجھے بدبودار مچھلی کی طرح نظر آیا اور پھر چکنی مچھلی ہی کی طرح وہ نکل بھاگا۔ آئندہ مقابلے میں ایسا نہ ہو سکے گا۔ اب میں اسے کوئی موقع نہ دوں گا۔ بس کسی طرح اسے تم میرے سامنے لے آؤ۔''

''مگر کیسے؟ وہ آخر کیوں تمہارے سامنے آنے لگا۔؟'' میرے ساتھی ایک ساتھ بول اُٹھے۔

''ہمیں اسے دھوکہ دینا پڑے گا۔'' میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگ مجھے لے کر جیٹی تک چلو۔ پھر سب اس بات کو مسلسل سوچتے رہو کہ وہاں تمہارے پاس ایک کشتی موجود ہے مگر میرے بارے میں نہ سوچنا میں اپنے ذہن کو خالی رکھوں گا۔ کیشپ کو ہرگز پتا نہیں چل سکے گا کہ میں کہاں ہوں۔ وہ کشتی کے لیے جیٹی تک پہنچے گا اور پھر میں اسے چھاپ لوں گا۔''

میرے ساتھیوں نے جوں جوں غور کیا انہیں میری تجویز مناسب معلوم ہوئی۔ تینوں کا خیال یہی تھا کہ تجویز پر عمل کرنا بہت مشکل کام تھا مگر عمدگی کے ساتھ عمل ہونے کی صورت میں ترکیب کی کامیابی کے امکانات تھے۔

پھر کوئی وقت ضائع کیے بنا میری تجویز پر عمل شروع کر دیا گیا۔ میرے ساتھیوں نے سارے خیالات ذہن سے محو کر دیے اور یہ سوچنا شروع کر دیا کہ وہ لانچ ابھی تک جیٹی پر کھڑی ہے جس سے خاقان واپس آیا تھا اس لیے کھڑی ہے کہ اس پر سوار ہو کر سروش احمر اور خاقان جزیرہ چھوڑنا چاہتے ہیں تاکہ کیشپ کے شر سے محفوظ رہیں۔

میں نے اپنے ذہن کو خالی کر لیا اور ہم سب جیٹی پر کیشپ کا انتظار کرنے لگے۔

ہمارے دل دھڑک رہے تھے اور گھڑی کی سوئیاں نہایت آہستگی سے سرک رہی تھیں۔ وقت بہت سستی سے گزر رہا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد سروش بول اُٹھی۔ ''بابا نہیں آئیں گے۔ انہیں پتا چل گیا ہے کہ یہاں کوئی کشتی نہیں ہے۔''

''آپ کو کیا معلوم؟'' احمر نے مشکوک لہجے میں کہا۔

''بابا نے خود مجھے بتایا ہے۔ وہ ارسلان سے خود بات کرنا چاہتے ہیں۔'' سروش نے جواب دیا۔

میں نے فوراً اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ چند لمحوں بعد ہی کیشپ کی آواز میرے ذہن میں گونجی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکے۔ ارسلان!''

''میں تو تمہیں دھوکہ دے سکتا ہوں مگر میرے ساتھی شاید کمزور پڑ گئے۔ کیوں یہی بات ہے نا؟'' میں نے جواباً کہا۔

''ہاں..... احمر کو اپنے ذہن پر ذرا بھی قابو نہیں ہے۔ اس کے ذہن کو چھوتے ہی مجھے شبہ ہوا اور پھر سب کچھ سامنے آ گیا۔''

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں کالدیپ چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ تم میرے لیے لانچ کا انتظام کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی لوٹ کر کالدیپ نہ آؤں گا۔''

میں نے ہنس کر اسے مخاطب کیا۔ ''تم اور تمہارے وعدے پھر تم جہاں بھی جاؤ گے بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلو گے۔ نہیں۔ میں اب تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا۔ تم بھی اسی جزیرے میں رہو گے اور میں بھی۔ جلد یا بدیر تم سے سامنا ہوگا اور وہ تمہارا آخری وقت ہوگا۔''

کیشپ نے حسب عادت قہقہہ نہ لگایا بلکہ غصے اور غضب کا اظہار کرتے ہوئے اس نے میرے ذہن کو چھوا۔

''اس صورت میں اس جزیرے پر صرف تم رہو گے یا میں۔ میں ایک ایک آدمی کو چن چن کر ختم کر دوں گا۔ نہ احمر بچے گا، نہ خاقان اور نہ وہ جو تمہیں بے حد عزیز ہے اور جس نے میرے مقابلے پر تمہیں ترجیح دی ہے۔''

عشق کا قاف

عشق کا قاف سرفراز راہی کے حساس قلم کی تخلیق ہے۔ ع ش ق..... عشق..... ازل سے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا یہ جذبہ جب جب اپنے رخ سے حجاب سرکاتا ہے' انہونیاں جنم لیتی ہیں۔ مثالیں تخلیق ہوتی ہیں۔ داستانیں بنتی ہیں۔ ''عشق'' کی اس کہانی میں بھی اسکے یہ تینوں حروف دمک رہے ہیں۔ ''عشق کا قاف'' میں آپ کو عشق کے عین' شین اور قاف سے آشنا کرانے کے لئے سرفراز راہی نے اپنی راتوں کا دامن جن آنسوؤں سے بھگویا ہے۔ اپنے احساس کے جس الاؤ میں پل پل جلے ہیں' ان انگارہ لمحوں اور شبنم گھڑیوں کی داستان لکھنے کے لئے خون جگر میں موئے بیان کیسے ڈبویا ہے' آپ بھی اس سے واقف ہو جایئے کہ یہی عشق کے قاف کی سب سے بڑی دین ہے۔ **عشق کا قاف** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

میں سمجھ گیا اسکا اشارہ سروش کی طرف تھا۔ میں نے ہنس کر کہا۔ ''یہ میرے ساتھ رہیں گے اور تمہارے شر سے محفوظ رہیں گے۔''

''یہ تمہارا خیال ہے۔ لو پھر تم میری قوتوں کا کرشمہ دیکھو، لو دیکھو، احمر تمہارے پاس ہوتے ہوئے بھی تمہارا نہیں رہا۔''

کیشپ کے آخری الفاظ ابھی میرے ذہن میں گونج ہی رہے تھے کہ احمر کی چیخ میرے کانوں میں آئی۔ میں نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا وہ درد کی حالت میں اپنے سر کو پکڑے زمین کی طرف بیٹھتا جا رہا تھا۔ پھر زمین پر گر کر اسنے ایڑیاں رگڑنا شروع کر دیں۔ اور پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔

خون کی ایک پتلی سی لکیر اس کی بائیں بانچھ سے بہہ نکلی۔

''یہ کیا ہوا؟'' خاقان نے پھٹی پھٹی نظروں سے احمر کی لاش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

سروش نے بدیانی انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ میں نے خود بھی کرب کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔

کیشپ کی منحوس آواز میرے ذہن میں گونجی۔

''کیوں! اب کیا کہتے ہو..... لانچ کا انتظام کر رہے ہو یا خاقان سے بھی ہاتھ دھو رہے ہو..... اس کے بعد تم جانتے ہو کس کی باری آئے گی۔''

میں نے سختی سے ہونٹ بھینچے اور پھر ایک لمحہ سوچ کر منہ کھولا۔ میں نے خاقان کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ ''یہاں میرے پاس آؤ۔''

وہ میرے قریب آ گیا تو میں نے پھر کہا۔ ''نیچے جھکو۔''

خاقان نے سر جھکایا تو اس کی بائیں کنپٹی میرے سامنے آ گئی۔ میں نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور نپے تلے انداز میں اس کی کنپٹی پر چھاڑ دیا کوئی آواز نکالے بغیر خاقان وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔

''یہ..... یہ تم نے کیا کیا؟'' سروش نے مجھے گھورتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ شاید اسے شبہ ہوا تھا کہ میرا دماغ چل گیا ہے۔

''یہ کم سے کم آدھے گھنٹے کے لیے بے ہوش ہو گیا ہے۔ اب کیشپ کا شیطانی ذہن اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ آؤ! تم بھی میرے پاس آ جاؤ۔''

بات شاید فوراً ہی سروش کی سمجھ میں آ گئی ہو گی کیونکہ اس نے منہ سے ایک لفظ نکالے بنا اپنا سر میرے آگے جھکا دیا۔

سروش کو بے ہوش کرنے کے بعد میں نے کیشپ سے ذہنی رابطہ قائم کیا اور سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''چلو اپنی قوت خاقان پر آزماؤ اور پھر سروش پر بھی۔ کیونکہ میں اب تمہیں لانچ نہیں دوں گا۔''

چند لمحوں بعد کیشپ کی لرزتی ہوئی آواز میرے ذہن میں گونجی ''وہ..... وہ دونوں شاید سو رہے ہیں۔ مگر کب تک۔ جب وہ جاگیں گے تو دیکھ لوں گا۔''

میں نے آہستہ آہستہ بڑے اعتماد سے ایک ایک لفظ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ''کیشپ! اپنی خیالی دنیا سے باہر آ جاؤ۔ وہ دونوں سو

نہیں رہے ہیں، بے ہوش ہیں اور جب تک وہ ہوش میں آئیں گے تو تم انہیں نقصان پہنچانے کے قابل نہ رہو گے کیونکہ تم نے ابھی ابھی احمر کو مار کر خود ہی مجھے وہ راہ سمجھا دی ہے جس پر چل کر میں تمہیں ختم کر سکتا ہوں۔''

''کیا..... کیا مطلب؟'' کیشپ کے انداز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔

''تم اگر احمر سے دور رہتے ہوئے بھی احمر کو اپنی ذہنی قوتوں کا شکار بنا سکتے ہو تو میں اپنی ذہنی قوتوں کا شکار بنا سکتے ہو تو میں اپنی ذہنی قوت تم پر کیوں نہیں آزما سکتا۔'' میں نے کہا۔

''تم..... تم..... ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکو گے۔ تم جانتے ہو کہ یہ ناممکن ہے۔ میں تم سے زیادہ طاقت ور ہوں۔ پھر تم یہ بھی یاد رکھو کہ میں کون ہوں؟ سروش کا باپ..... تمہاری بیوی کا باپ، تم مجھے نہیں مار سکتے۔'' کیشپ کی آواز اس کی کمزوری کی چغلی دکھا رہی تھی۔ مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ میں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''میں سروش کے ممکنہ قاتل اور احمر کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتا۔''

''تم کامیاب نہ ہو سکو گے، کیوں نہ موقعے سے فائدہ اُٹھاؤ اور مجھے نکل جانے دو..... میں پھر کبھی تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔'' کیشپ نے کمزوری آواز میں کہا۔

پھر شاید اس نے اپنے ذہن کو خالی چھوڑ دیا ہو گا کیونکہ میں کوشش کے باوجود اس سے رابطہ قائم نہ رکھ سکا۔

میں نے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی ذہنی قوتوں کو جمع کیا اور انہیں کیشپ کے ذہن پر یلغار کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ میں نے جب بھی اپنے ذہن کو خالی چھوڑا کیشپ اسے نہیں چھو سکا۔ مجھے یقین تھا کہ کیشپ کسی بھی طرح خود کو محفوظ نہ رکھ سکے گا۔ میں اس کی مزاحمت کو بآسانی ختم کر دوں گا۔

میرے جسم سے پسینہ پھوٹ نکلا، لیکن میں تو سب کچھ فراموش کر کے صرف کیشپ کے ذہن کو ٹٹول رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی آہنی دیوار سے سر ٹکرا رہا ہوں۔ مگر آہنی دیواریں بھی مضبوط قوت ارادی سے کام لے کر فتح کر لی جاتی ہیں۔ میں مسلسل کوشش کیے گیا۔ مجھے اپنا جسم دکھ کر پھوڑا بنتا محسوس ہوا۔ مگر میں اسے خاطر میں نہیں لایا۔ میں اپنی کوشش میں لگا رہا۔ پتا نہیں کتنا وقت لگا؟ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں رہا تھا بس یوں لگا جیسے بہت طویل عرصہ گزر گیا ہو۔ اس کے بعد آہنی دیوار کا ایک حصہ سرخ ہوتا محسوس ہوا جیسے شدید حرارت سے پگھلنے لگا ہو۔ یہ میری کامیابی کی ابتدا تھی۔ سرخ حصہ سفید ہوا اور پھر جیسے اچانک ہی دیوار کے پرخچے اُڑ گئے۔

''تم مجھے نہیں مار سکتے!'' کیشپ کی گھبرائی ہوئی آواز میرے ذہن میں گونجی۔ ''غور کرو..... میں نے تمہیں ایک چوہے سے شیر بنایا ہے..... کیا اسی لیے کہ تم میرے مقابلے پر آؤ۔''

''تم نے مجھے جو کچھ دیا کسی اچھی نیت سے نہیں دیا۔ اس کا انجام اچھا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔'' میں نے کہا اور اپنی کوششوں کو اور تیز کر دیا میں نے ایک ہی حکم دہرانا شروع کر دیا۔ ''کیشپ تم کمزور پڑ رہے ہو..... کیشپ تم کمزور پڑ رہے.....''

''کیا بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی؟'' کیشپ کی آواز میں لجاجت آ گئی۔

''نہیں.....'' میں نے بلا جھجک کہا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے پچھلے الفاظ دہراتا رہا۔

کچھ دیر بعد کیشپ کے چیخنے کی آواز میرے کانوں میں گونجی پھر مری مری آواز میں اسے کہا: ''ارسلان..... میرے بیٹے رحم، میں مر رہا ہوں بس کرو..... میں مر رہا ہوں۔''

میں نے اپنی کوشش میں کوئی کمی نہ کی۔ میرا اپنا حال برا تھا میں نے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا۔ میرے پاس کچھ سوچنے کا وقت ہی نہ تھا۔ میرا کام ابھی پورا نہ ہوا تھا۔

میرے ذہن میں ایسی آوازیں آئی جیسے کیشپ دم توڑ رہا ہو۔ مگر میں ان چرکوں میں آنے والا نہ تھا۔ میں نے اپنی کوشش جاری رکھی آخر کافی دیر تک جب کوئی آواز نہ آئی میں نے سکوت توڑا۔

''کیشپ!'' میں نے حکم دینے کے انداز میں کہا۔

''ہاں'' مری مری سی آواز میرے ذہن میں گونجی۔

''تمہارا ذہن کسی بچے کی طرح کمزور ہوگیا ہے۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

جواب میں جو آواز میرے ذہن میں گونجی وہ کسی بھی طرح بوڑھے کیشپ کی نہیں ہوسکتی تھی۔ الفاظ ٹوٹے پھوٹے اور بچوں کی تتلاہٹ کا سا انداز لیے ہوئے تھے۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا اور آخری حکم دیا۔ ''اب تمہارا ذہن کبھی ترقی نہ کر سکے گا ہمیشہ یوں ہی رہے گا۔''

اس کے ساتھ ہی میں نے کیشپ کے ذہن سے اپنا ذہنی رابطہ توڑ لیا۔

اس دن کے بعد سے کیشپ کو کسی نے ہوش میں نہیں دیکھا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ کیشپ اپنی عمر کی مطابقت سے باتیں کرتا ہوا پھر کبھی نہیں دیکھا گیا۔

سروش خوش تھی کہ اسے اس کا ''بابا'' دوبارہ مل گیا تھا جو اس سے بہت مانوس تھا۔ اور بچوں کی طرح تتلا تتلا کر باتیں کیا کرتا تھا۔

یوں اس کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کیا۔ وہ سال ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں جی سکا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اسے خودکشی سمجھوں یا حادثہ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ وہ کسی خوش رنگ تتلی کے پیچھے بھاگا تھا اور تالاب میں گر گیا تھا پھر اناڑیوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہوا تالاب کی تہ میں بیٹھ گیا تھا۔ اسے جلد ہی پانی سے نکال لیا گیا تھا مگر وہ جاں بر نہ ہوسکا۔ بوڑھا جسم اس صدمے کو برداشت نہ کر سکا اور یوں کیشپ اپنے انجام کو پہنچا۔

میں یہ آخری سطریں لندن کے مشہور ہوٹل ''سیوائے'' کے ایک کمرے میں بیٹھا لکھ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد مجھے بکنگھم پیلس میں ایلزبیتھ اور فلپس سے ملاقات کرنا ہے۔ میں اپنے دوستوں کی دعوت پر ہی یہاں آیا ہوں۔ سروش میرے ساتھ ہے لیکن میرا خیال ہے وہ

میرے ساتھ نہ ہوتی تو شاید بہتر ہوتا پھر میں اپنا ''حسن و عشق'' کا دیوتا ''اپالو'' والا رول کچھ بہتر طریقے پر انجام دے سکتا۔ مگر اب تک یہ بات تو صاف ہوگئی ہوگی کہ میں اپالو نہیں ہوں۔ یہ نام تو میں اپنی خود فراموشی کے دنوں میں اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

میں ارسلان ہوں!

کالدیپ کا راج کمار..... جو اپنی سلطنت اپنے بھائی کو سونپ بیٹھا تھا۔

اور اب یورپ کے طویل تفریحی دورے پر کالدیپ سے نکلا تھا۔ سروش تیار ہوگئی ہے اور اہم دوستوں سے ملنے کے لیے مجھے بھی تیار ہونا ہے۔ اب اجازت دیں۔ رخصت۔

ختم شد

دو بوندیں ساون کی

دو بوندیں ساون کی، ترجمہ ہے جیفری آرچر کے شہرہ آفاق ناول کین اینڈ ایبل کا جسے اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے علیم الحق حقی نے۔ دو بوندیں ساون کی کہانی ہے دو ایسے افراد کی جو ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو شکست دینے اور تباہ و برباد کرنے کے درپے تھے۔ ان میں سے ایک منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا اور دوسرا در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ ایک شخص نے دُنیا کے بہترین تعلیمی اداروں سے تعلیم پائی اور دوسرے کا استاد زمانہ تھا۔

یہ ناول کتاب گھر کے **معاشرتی اصلاحی ناول** سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

آپ کے اشتہار / پیغام کی جگہ

کیا آپ کتاب گھر ذریعے ہزاروں لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانا چاہتے ہی؟؟؟ کیا آپ اس جگہ پر اپنا اشتہار/ پیغام دیکھنا چاہتے ہیں؟؟؟ آپ اپنی کتاب، ویب سائٹ، فورم (میسج بورڈ) کاروبار یا کسی بھی قسم کے اشتہار/ پیغام کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں۔ رابطہ کے لیے kitaabghar.com پر موجود Contact Us فارم استعمال کیجیے یا پھر kitaab_ghar@yahoo.com پر ای۔میل کیجیے۔